خواتین ڈائجسٹ FEBRUARY 2026 Regd . No. MC-51 KHAWATEEN DIGEST قیمت -/150 روپے

Scanned with CamScanner

# خواتین ڈائجسٹ

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

واٹس ایپ 03172266944

بانی ——— محمود ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل
مجلس ادارت ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی
لفظیات ——— ادارہ
قانونی مشیر ——— نور الدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل ایڈوائزر

کہنی سکینی، مسیحہ 6
کرن کرن روشنی، ادارہ [illegible] 7
ہمارے نام، نادرہ خاتون 20

آپ سے کیا پردہ

انشا جی کی ایک پنجابی نظم، انشا جی 12

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 202

انٹرویو

حمیرا شفیع سے ملاقات، شاہین رشید 18

مجھ سے ملیے

یاسمین فرزانہ خان سے، شاہین رشید 13

ناول

ابتہال، حسنیٰ حسین 32

مکمل ناول

[illegible] 124
ہم تم سے، عنبرین ابد 86

ناولٹ

گونج، سمیرا حمید 74
لوہے کی دلہنیا، عقیلہ ہاشمی 176

افسانے

نرمل کورٹ کی رخنا تراب، خدیجہ افتخار ملک 62
عزت، فائزہ الطاف ہاشمی 67

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

فروری 2026

جلد 53 شمارہ 10

قیمت 150 روپے



رونقیں رمضان کی، آمنہ نازش 70

اُجالا تیری یادوں کا، ریحانہ وقاص 166


نظمیں غزلیں


نظم، سعداللہ شاہ 198

غزل، امتیاز ساجد 198


پکوان


موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 206

آپ کا باورچی خانہ، فرحانہ ممتاز 204


رنگا رنگ پھول


رنگارنگ سلسلہ، شگفتہ جاوید 199



خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37-اردو بازار کراچی


میری بیاض سے


آپ کی بیاض سے، روبینہ خان 201


نفسیات


نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، ادارہ 208


بیوٹی بکس


بیوٹی بکس کے مشورے، است الصبور 210



37



پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: پلاٹ نمبر 91، بلاک W، 5 ناظم آباد کراچی۔

Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com



digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

# کہی ان کہی

خواتین ڈائجسٹ فروری کا شمارہ لیے حاضر ہیں

اس ماہ میں رمضان المبارک کے کا آغاز ہو رہا ہے جو برکتوں اور فضیلتوں والا مہینہ ہے۔ ماہِ رمضان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ قرآن پاک اسی ماہ مقدس میں نازل کیا گیا۔ جو رہتی دنیا تک راہِ ہدایت ہے۔

روزے کی عبادت دنیا کے تمام مذاہب میں رائج رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے پیغمبر بھیجے ان کی امت پر روزے فرض تھے۔ کوئی امت ایسی نہیں جس پر روزے کی عبادت فرض نہ رہی ہو۔ مسلمانوں پر روزے ہجرت کے تیسرے سال فرض کیے گئے۔

قرآن پاک میں روزے کے لیے "صوم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "صوم" کا لفظ بہت وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں۔ رک جانا، ٹھہر جانا، باز رہنا، روزہ درحقیقت صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر اس کام سے بچنے کا نام ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بچنے کا حکم دیا ہے۔

رمضان دراصل ایک ماہ کا تربیتی پروگرام ہے۔ روزہ میں ہمارے کھانے پینے۔ سونے جاگنے کے اوقات بدل جاتے ہیں۔ لیکن جب تک ہمارے اندر تبدیلی نہ آئے روزے کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

روزہ میں بدکلامی کرنا، غصہ کرنا، لڑنا جھگڑنا، غیبت، چغلی کرنا روزہ کا مقصد فوت کر دیتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے نرمی اختیار کی جائے۔ رشتہ داروں، عزیزوں کے ساتھ صلہ رحمی کریں، عفوودرگزر اور تحمل سے کام لیں۔

رمضان المبارک مغفرت، رحمت اور جہنم سے نجات کا مہینہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے فیض یاب ہونے کا موقع ہے۔ اس قیمتی وقت کو ٹی وی اور موبائل پر فضول چیزوں میں ضائع نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رمضان المبارک کا یہ پرنور مہینہ ہم سب کے لیے رحمت اور بخشش لے کر آئے آمین۔

## عید نمبر

مارچ کا شمارہ عید نمبر ہوگا۔ جس میں عید کی مناسبت سے سلسلے اور تحریروں کے ساتھ قارئین سے سروے بھی شامل ہوگا۔ سوالات یہ ہیں۔

1۔ کبھی کوئی ایسی عید منائی جب نامساعد حالات کی وجہ سے عید کی تیاری کے لیے آپ کے پاس وسائل کم تھے، ایسی صورت میں آپ نے اپنے سلیقے اور سمجھداری کے ساتھ سب کچھ کس طرح سنبھالا اور کسی کو احساس بھی نہ ہونے دیا۔

2۔ عید کی خریداری میں آپ کی پہلی ترجیح کیا ہوتی ہے۔ چاند رات کو کیا تیاری کر کے سوتی ہیں، عید کے دن گھر والوں کی طرف سے کس چیز کی فرمائش ہوتی ہے۔

ان سوالات کے جواب اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 22 فروری تک موصول ہو جائیں۔ جواب آپ ای میل بھی کر سکتی ہیں۔



Scanned with CamScanner

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

# کرن کرن روشنی

ادارہ

## صلوٰۃ التسبیح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے عباس (رضی اللہ عنہ) کیا میں تمہیں ایسی عبادت کے بارے میں بتاؤں کہ جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور پچھلے، نئے اور پرانے، قصداً اور سہواً چھوٹے اور بڑے، چھپے اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ تم روزانہ چار رکعت نماز تسبیح پڑھا کرو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جمعہ میں ایک بار (سات دنوں میں ایک بار) یہ بھی نہ کر سکتے ہو تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکتے ہو تو مہینے میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو اور اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو پھر ساری عمر میں کم از کم ایک دفعہ یہ نماز پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔"

فوائد و مسائل:

آج کل کی بے پناہ مصروفیات میں نماز تسبیح کا روزانہ پڑھنا مشکل کام ہے حتیٰ کہ مہینے میں بھی ایک دفعہ اس کا اہتمام کرنے کا موقع شاید چند ہی خوش نصیب لوگوں کو ملتا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تسبیح کی اتنی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اگر سال میں ایک دفعہ بھی ادا کیا جائے تو اس کے بے پناہ اجر و ثواب سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس بابرکت نماز کی ادائیگی کے لیے رمضان المبارک سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ ذرا سی توجہ اور کوشش سے رمضان المبارک میں جمعۃ المبارک سے قبل یا اس کے بعد چار رکعت نماز تسبیح با آسانی ادا کی جا سکتی ہے۔ اس طرح بابرکت اور بے پناہ اجر و ثواب کی حامل نماز کا اہتمام ممکن ہے۔

آپ چار رکعت نماز نفل اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی دوسری سورت پڑھیں۔ اس کے بعد قیام کی ہی حالت میں کلمہ تمجید پندرہ بار پڑھیں۔

"سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر"

پھر رکوع میں جائیں۔ رکوع کی تسبیحات پڑھیں۔ پھر ان ہی کلمات کو دس بار دہرائیں۔ پھر رکوع سے اٹھ جائیں اور سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد دس بار یہی کلمات پڑھیں۔



digest.library.com
Scanned with CamScanner

پھر سجدے میں جائیں (سجدے کی تسبیحات اور دعائیں) پڑھنے کے بعد یہی کلمات دس بار پڑھیں۔
پھر سجدہ سے سر اٹھا کر جلسہ میں اور (جلسے کی دعائیں پڑھنے کے بعد) یہی کلمات دس بار پڑھیں۔
پھر دوسرے سجدے میں چلے جائیں اور سجدے کی تسبیح کے بعد دس بار یہی کلمات دہرائیں (پہلے سجدے کی طرح) پھر سجدہ سے سر اٹھائیں اور جلسہ استراحت میں کچھ اور پڑھے بغیر دس بار اس تسبیح کو دہرائیں۔
یوں ایک رکعت میں 75 تسبیحات ہو جائیں گی۔ اس طرح چار رکعت پڑھی جائیں گی۔
تشہد میں تسبیحات التحیات سے پہلے پڑھیں۔

## اعتکاف

اعتکاف کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ انسان چند دنوں کے لیے دنیا کی مشغولیات اور مصروفیات سے قطع تعلق کر کے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرتے ہوئے اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لے۔ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں مسجد میں معتکف ہونا مسنون عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی باقاعدگی سے اعتکاف میں بیٹھنے کا اہتمام فرماتے رہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔
"جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے، راتوں کو جاگتے، اپنے گھر والوں کو جگاتے اور اتنی محنت کرتے، جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔"
(بخاری و مسلم)
"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات بھی اعتکاف کرتی رہیں۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل

فائدہ: 1۔ اعتکاف تزکیہ نفس اور تقویٰ اختیار کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔ سال کے 365 دنوں میں انسان دنیا کے مسائل اور دیگر مصروفیات میں ڈوبا رہتا ہے۔ اگر ان 365 دنوں میں صرف دس دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اپنے سال بھر کے گناہوں اور خطاؤں کی بخشش کے لیے وقف کر دیے جائیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔
2۔ اعتکاف کے دس دنوں کے لیے الگ سے ایک خصوصی ٹائم ٹیبل ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ جس میں چند گھنٹے آرام کے سوا زیادہ تر وقت تلاوت، مطالعہ قرآن پاک، مطالعہ حدیث، مطالعہ اسلامی کتب، حفظ اور ذکر و اذکار اور دیگر عبادات انہی میں گزارا جا سکتا ہے۔

## شب قدر

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جسے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
"ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزاروں مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔" (القدر۔ 297-3)
یہ مبارک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ اس رات کی فضیلت کو پانے کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں عبادت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
ایک سال رمضان المبارک آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"تم لوگوں پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ سارے کی سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اس رات کو خیر و برکت سے محروم وہی رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔" (ابن ماجہ)

فوائد و مسائل

فائدہ: 1۔ چونکہ آخری عشرہ شروع ہونے تک روزہ داروں کی کافی تربیت ہو چکی ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کو سونے سے کندن بنانے کے



Scanned with CamScanner

لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے اور بالخصوص طاق راتوں میں لیلتہ القدر تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔

2۔ اس حکم کا مقصد روزہ داروں کو زیادہ سے زیادہ عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی کی ترغیب دینا ہے۔ چونکہ رمضان المبارک اپنی بھرپور رفعتوں کے ساتھ اختتام کی جانب بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے قیام اللیل اور اعتکاف کے ذریعے تربیت دینا چاہتا ہے۔

3۔ انسان کی تعلیم و تربیت کے لیے آسان سے مشکل کا اصول ایک کارگر نسخہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں پر یک لخت کوئی بوجھ ڈالنے کے بجائے ان کی تعلیم و تربیت ماہ رمضان المبارک میں اسی اصول یعنی آسان سے مشکل کے تحت کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے دو عشروں کی نسبت آخری عشرے میں زیادہ ریاضت اور عبادت کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ......

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کون سی ہے تو میں اس میں کیا پڑھوں؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی"

ترجمہ۔ "اے اللہ! بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے معاف کردے۔"

فائدہ۔ انسان سال کی 365 راتیں سو کر گزارتا ہے۔ اگر ان 365 راتوں میں ایک رات اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر عبادت میں جاگ کر گزاری جائے تو اس کا اجر و ثواب کا وعدہ ہزاروں راتوں کے برابر کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس کے لیے بھی بڑھ کر اجر و ثواب دیتا ہے۔

## اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

نماز، روزہ اور حج کا تعلق زیادہ تر بدن سے ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور صدقات کا براہ راست تعلق مال و دولت سے ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ مال جس کو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزا چکھو۔" (التوبہ۔9:34-35)

اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"تم ہرگز نیکی حاصل نہ کر سکو گے، جب تک وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت عزیز ہے۔" (آل عمران۔3:92)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں میں سب سے زیادہ فیاض اور سخی تھے، لیکن جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے۔" (بخاری)

### فوائد و مسائل

فائدہ: 1۔ راہ خدا میں صدقہ و خیرات سے جہاں مال کی پاکیزگی کا فریضہ ادا ہوتا ہے، وہیں اس سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں بارش کی مانند خرچ کرنے والوں پر برستی ہیں بلکہ اس سے معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم اور عدم مساوات کی خلیج کو بھی پاٹنے کا موقع ملتا ہے۔ غریبوں اور ناداروں کی مشکلات میں کمی لانے اور ان کی مالی اعانت کے لیے اللہ تعالیٰ نے معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد پر ان کے مال و دولت کی پاکیزگی کی خاطر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے۔

2۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکیزگی کے ہیں جبکہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ مال کے اس حصے کا نام ہے



Scanned with CamScanner

digest library.com

جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بتائے ہوئے طریقے یعنی نصاب کے مطابق معاشرے کے صاحب ثروت افراد معاشرے کے غریب، نادار، مساکین اور ضرورت مند افراد میں تقسیم کرتے ہیں۔

3۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ماہ رمضان المبارک بہترین مہینہ ہے۔ ایک تو اس ماہ مبارک میں کسی بھی فرض اور نفل عبادت کا اجر اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے اور دوم چونکہ معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد تو اپنی مال داری اور ثروت کی وجہ سے افطاری میں انواع و اقسام کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں، لیکن معاشرے کے غریب اور مفلوک الحال افراد جو روزے کی شدت کے باوجود اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے دن بھر محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کھانے پینے اور پہننے کی وہ سہولیات نصیب نہیں ہوتیں جو کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہیں۔ اس لیے اگر اس ماہ مبارک میں مال دار اور صاحب ثروت افراد معاشرے کے محروم افراد کے دکھوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی زکوٰۃ اور صدقات پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کریں تو اس سے معاشرے میں غریب اور بے سہارا افراد کے دکھوں اور غربت کو بانٹنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

رمضان المبارک میں خرچ کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"جو شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے لیے گناہوں سے مغفرت اور دوزخ کی آگ سے رہائی ہے۔ اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے سب کے پاس اتنا سامان تو نہیں ہوتا کہ روزہ دار کو افطار کرائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی عطا کرتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ، ایک کھجور اور پانی کے ایک گھونٹ سے کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا۔" (بیہقی)

فائدہ: 1۔ اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی صاحب حیثیت نہیں ہے اور اس کے پاس کسی کو دینے کے لیے یا کسی کو افطار کرانے کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے تو ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور سے بھی کسی مسلمان بھائی کو افطار کرا کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم کی آگ سے بچنے کا اہتمام کر سکتا ہے۔

2۔ اسلام صدقات و خیرات کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں ایک ایک دانہ اور ایک پیسہ صدقہ و خیرات کرنے پر کم از کم سات سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کو وہ چاہے گا، اس سے بھی زیادہ عطا کرے گا۔

3۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس ماہ مبارک میں کوشش کرنی چاہیے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جاتا رہے، جس سے مال و دولت میں برکت پیدا ہوگی۔ اس عمل سے جہاں صدقہ و خیرات کرنے والوں میں شکر گزاری اور ایثار و قربانی کا جذبہ فروغ پائے گا، وہاں اس عمل سے غریب اور بے کس انسانوں کی امداد کی راہ بھی ہموار ہوگی۔

4۔ تقویٰ کے حصول کے لیے جہاں بدنی عبادت کی بہت زیادہ تاکید بیان کی گئی ہے، وہاں مالی عبادت یعنی صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ کی بروقت مستحقین کو ادائیگی بھی لازمی شرط ہے۔ اسلام مال اور دولت کو سینت سینت کر جمع کرنے کی ویسے بھی مخالفت کرتا ہے، اس لیے اس مبارک مہینے کے توسط سے زیادہ سے زیادہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا خصوصی اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ تقسیم کرتے وقت اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے کہ اس



Scanned with CamScanner

میں کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کی عزت نفس مجروح نہ ہو، بلکہ انتہائی عاجزی اور خاموشی سے کسی کو بتائے بغیر مستحق لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"صدقہ وخیرات اس طرح کرنا چاہیے کہ اگر یہ دائیں ہاتھ سے دیا جائے تو بائیں ہاتھ تک کو اس کی خبر نہ ہو۔"

یعنی بڑی راز داری اور خاموشی سے بغیر کوئی احسان جتائے اپنے ضرورت مند مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہیے۔ اسلام میں احسان جتانے کو برا فعل قرار دیا گیا ہے۔

## فطرانہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ "صدقہ فطر کو اس لیے واجب کیا گیا ہے تاکہ روزوں میں روزہ دار سے جو فضول اور بے حیائی کی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں، ان کا کفارہ بنے۔ مساکین و غریبوں کے لیے کھانے، پینے کا انتظام ہو جائے۔ جو اسے نماز عید الفطر سے پہلے ادا کرے تو فطرانہ قبول ہوتا ہے اور جو اسے نماز عید کے بعد ادا کرے تو یہ بھی دوسرے صدقات کی طرح کا ایک صدقہ ہوگا۔" (ابوداؤد)

### فوائد ومسائل

فائدہ: 1۔ جیسا کہ اس حدیث مبارک میں فطرانے کا بنیادی مقصد روزے کی حالت میں سرزد ہونے والی خطاؤں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ یعنی اگر رمضان المبارک میں روزہ دار سے بھول چوک اور بشری کمزوریوں کے باعث ایسی خطائیں سرزد ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے روزے کی قبولیت اور اس کے اجر وثواب میں کمی کا امکان ہو تو اس کی کے ازالے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر یا فطرانے کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

2۔ فطرانہ کی ادائیگی میں غیر ضروری تاخیر سے اجتناب کیجیے۔ کوشش ہونی چاہیے کہ فطرانہ عید الفطر سے قبل ادا کر دیا جائے بلکہ عید الفطر سے بھی اگر دو چار دن پہلے اپنے حصے کا فطرانہ مستحق افراد میں تقسیم کر دیا جائے تو اس طرح معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو بھی عید الفطر کی خوشیوں میں شریک ہونے کا موقع مل سکے گا۔ مستحقین کو فطرانے کی بروقت ادائیگی سے مستحقین بھی اپنے بال بچوں کے لیے کھانے پینے کی اشیاء، کپڑے اور بعض دیگر ضروریات زندگی کی خریداری عید سے قبل ہی کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

3۔ جتنا فطرانہ ایک شخص پر واجب ہے اس کی عدم ادائیگی یا ادائیگی میں ٹال مٹول اور تساہل کا سخت گناہ ہے۔ لہٰذا عدم ادائیگی کا تو تصور ہی محال ہے۔ البتہ اگر کسی کی استطاعت ہو تو واجب الادا فطرانے سے زائد مال بھی معاشرے کے غریب اور مستحق افراد میں تقسیم کر سکتا ہے۔ واجب فطرانے سے زائد صدقہ وخیرات کی ادائیگی سے مال ودولت میں برکت پیدا ہوگی اور اس اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

4۔ اسلامی اخوت ومحبت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جو انسان عید الفطر کے موقع پر اپنے اہل وعیال اور دیگر عزیز رشتہ داروں کی خوشی کی خاطر خوراک، لباس اور دیگر ضروریات زندگی کے ڈھیر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا اسے چاہیے کہ اپنے معاشرے کے محروم اور غریب ونادار افراد کو بھی اپنی خوشیوں میں یاد رکھے۔

5۔ فطرانے کے واجب ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرے کے صاحب ثروت افراد کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ جہاں وہ عید الفطر کی خوشیاں اپنے لیے سمیٹنے میں مصروف ہوں وہاں اپنے ارد گرد رہائش پذیر ایسے مسلمانوں کو بھی یاد رکھیں جو اپنی غربت اور لاچاری کی وجہ سے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے بیواؤں، یتامیٰ، غرباء اور مساکین کی معاشی مجبوریوں کا ازالہ کر کے اسلامی معاشرے کو معاشی عدم مساوات کے بھنور میں گرنے سے بچانے کے لیے زکوٰۃ، صدقات اور فطرانے جیسے احکامات نازل کر کے دین اسلام کو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے معاشی لحاظ سے ایک بہترین نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

☆☆

# انشاجی کی ایک پنجابی نظم

انشاجی

تینوں دسیا [illegible] ہنسا اے
اسیں تینوں کجھ نئیں دسنا اے
بس اگ اپنی وچ جلنا اے
اور آپے پکھا جھلنا اے
اسیں کچے آں تو خام گڑوے
کجھ ہویا نئیں کی ہوتا سی
اک دن دا ہسنا رونا سی
او ساگر چھلاں ایویں سی
او ساریاں گلاں ایویں سی
پر چرچا کرنا تمام گڑوے

اسیں کہندے کہندے مرجاتا
توں ہسدے ہسدے مرجاتا
اسیں اُجڑے اُجڑے رہ جاتا
توں وسدے وسدے مرجاتا
ہاں سوچ دا انجام گڑوے
اک گھر وچ دیوا بلدا ای
کی دیکھ سندیسے گھلدا ای
کیوں پورب پچھم جانی ایں
کیوں من اپنا بھٹکانی ایں
گھر آجا پے گئی شام گڑوے

digest library.com

# باتیں فوزان خان سے

شاہین رشید

1 "اصلی نام؟"

"کامران صدیقی۔"

2 "پیار کا نام؟"

"کومو۔"

3 "تاریخ پیدائش/سال؟"

"17 اکتوبر 1990ء۔"

4 "قد/ستارہ؟"

"5 فٹ 10 انچ/میزان۔"

5 "مادری زبان؟"

"پنجابی لیکن ہم گھر میں اردو ہی بولتے ہیں۔"

6 "تعلیم؟"

"گریجویٹ ان بائیو کیمسٹری۔"

7 "شادی؟"

"نہیں ابھی سنگل ہوں۔ ان شاء اللہ جلدی کروں گا شادی۔"

8 "شوبز میں آمد/گھر والوں کا ردعمل؟"

"گھر والوں کا ردعمل کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں اس فیلڈ میں آؤں اور اپنے نام سے آؤں...... ہماری فیملی میں کوئی اس فیلڈ میں نہیں ہے۔"

9 "بہن بھائی/آپ کا نمبر؟"

"ہم ماشاء اللہ چھ بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر تیسرا ہے۔"

10 "بچپن کا پہلا پیار؟"

"میری ٹیچر تھیں مس ریحانہ ساقی جو کہ معروف شاعر ساقی جاوید صاحب کی بیٹی ہیں۔"

11 "بچپن میں کس سے ڈر لگتا تھا؟"

"اپنی ٹیوشن والی باجی (کوثر باجی سے) وہ ڈرائنگ روم کی ہوا لگتی تھیں مطلب فل پٹائی۔ میں پڑھائی میں بہت اچھا تھا مگر بھائی کو مار پڑتے ہوئے

دیکھ کر بہت خوف آتا تھا۔"

12 "زندگی کی پہلی کمائی کس عمر میں کی اور کس کے ہاتھ میں رکھی؟"

"زندگی کی پہلی کمائی "اے آر وائی" میں جاب کر کے کمائی ۔۔ پہلی بار کمائی تھی جو کہ کال سینٹر میں کی تھی اور آٹھ ہزار ملے تھے جو۔ امی کے ہاتھ میں رکھے مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ۔"

13 "آپ کی زندگی کی سب سے بڑی اچیومنٹ؟"

"دونوں بہنوں کی شادی اپنی پسند سے کی اور ماشاء اللہ دونوں خوش ہیں تو یہ میری سب سے بڑی اچیومنٹ ہیں کہ میں نے کم ہونے کے باوجود اپنی بہنوں کا فرض ادا کیا۔ میرے دونوں بہنوئی بہت اچھے ہیں۔"

14 "اپنے ہر کام کے لیے کس سے مشورہ لیتے ہیں؟"

"امی نے میری ایسی تربیت کی ہے کہ مجھے انڈیپینڈنٹ بنا دیا تو امی گھر کے سارے مشورے پہلے مجھ سے اور پھر سب سے کرتی ہیں اور مشورے میں ہی خیر چھپی ہوتی ہے۔"

15 "گھر میں کس کا رعب ہے؟"

"گھر میں والدہ صاحبہ کا رعب ہے اور ابو عموماً امی کی بات کو سمجھ کر ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

16 "آپ کی صبح اور رات کب ہوتی ہے؟"

"اگر مجھے شوٹنگ پر جانا ہو تو میں فجر میں ہی اٹھ جاتا ہوں۔ اور اگر شوٹنگ پر نہ جانا ہو تو پھر فجر کی نماز کے بعد اٹھتا ہوں۔ اور یہی میری روٹین ہے۔"

17 "صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی اور رات کیا نہ ملے تو رات نہیں ہوتی؟"

"صبح چائے یا کافی اور رات کو شکر الحمدللہ کے ساتھ سوتا ہوں۔"

18 "بھوک میں آپ کی کیفیت؟"

"بھوک میرا مسئلہ ہے، کھانا چاہیے تو فوراً چاہیے۔ انتظار کرنا بھی مشکل لگتا ہے۔ بھوک کے وقت جو سامنے ہو کھا لیتا ہوں۔"

19 "پاکستان کے لیے کیا سوچتے ہیں؟"

"پاکستان کے لیے بہت کچھ سوچتا ہوں۔ فی الحال تو گلوبل وارمنگ کی وجہ سے پودے لگوا رہا ہوں جہاں جیسے موقع ملتا ہے۔"

20 "کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟"

"میں پاکستان میں رہ کر خوش ہوں۔ جبکہ بیرون ملک میں مجھے چائنا پسند ہے۔ اگر رہنا پڑا تو چائنا میرا انتخاب ہوگا۔"

21 "اسپورٹس سے آپ کا لگاؤ؟"

"اسپورٹس سے اب ایسا کوئی لگاؤ نہیں رہا ہے۔ مگر فٹ بال اور کرکٹ میں نے بچپن میں کھیلی ہے بہت شوق سے۔"

22 "گھر میں ضدی اور آرام طلب کون ہے؟"

"گھر میں سب سے زیادہ ضدی مجھ سے چھوٹا بھائی ہے (علی عمران) اس کا نام ہے اور آرام طلب میں خود ہوں۔ ہاہاہا۔"

23 "پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو؟"

"بہت کنفیوژڈ تھا اور پرفارم بھی اچھا نہیں کیا تھا۔"

24 "گھر میں سب سے زیادہ پیار کس کو ملا؟"

"یہ نہیں بتا سکتا کہ کس کو پیار زیادہ ملا۔ میرے والدین نے سب کے ساتھ ایک جیسا پیار کیا ہاں چھوٹا بھائی جبران جس کو نا صرف والدین بہت پیار کرتے تھے بلکہ وہ بہن بھائی سب کا لاڈلا رہا۔"

25 "آج کل کیا آن ایئر ہے۔ کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

"آج کل "آن ٹی وی" سے بندھن نافرمان

digest library.com

"سب ٹی وی" سے "نہ لکھو میرا نصیب" "اے پلس" سے آن ایر ہے۔"

26 "کس سیاست دان کا کردار کرنے کی خواہش ہے؟"

"بہت معذرت کے ساتھ کسی کا بھی نہیں۔"

27 "کیا کبھی زندگی میں کوئی معجزہ ہوا؟"

"جی مجھے قسمت پر بہت یقین ہے اور میں نے اپنی زندگی میں کئی بار "ناممکن" کو ممکن ہوتے دیکھا ہے۔"

28 "کس بات پر آپ کی آواز تیز ہو جاتی ہے؟"

"اب آواز تیز نہیں ہوتی، میں خاموشی اختیار کر لیتا ہوں اور بہت سی باتوں پر ایسا ممکن ہے۔"

29 "کیا کیا چیزیں خریدنا آپ کا خواب ہے؟"

"مجھے اپنے لیے "بی ایم ڈبلو" بلیک رنگ میں خریدنی ہے۔"

30 "کس کی خاطر فیلڈ چھوڑ سکتے ہیں؟"

"اپنی مینٹل ہیلتھ کے لیے، اپنی اچھی صحت کے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتا ہوں۔"

31 "خاندان میں کون جلدی ناراض ہو جاتا ہے؟"

"خاندان میں سب ہی جلدی ناراض ہونے کے عادی ہیں۔ سوائے میرے پیارے "سجاد ماموں" کے۔"

32 "کسی کی ایک اچھی عادت جو آپ چاہتے ہیں کہ آپ میں آجائے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ میری ماں جس طرح مختلف حالات میں "صبر" کرتی ہیں وہ صبر کی عادت مجھ میں بھی آجائے۔ کیونکہ اللہ بھی صبر کرنے والوں کی مدد فرماتا ہے۔"

33 "زندگی میں کچھ واپس ملنے کا چانس ملے تو کیا واپس لیں گے؟"

"بائیو کیمسٹری میں ڈگری لینے کے بجائے ڈائریکشن اور اداکاری ہی پڑھ لیتا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں نے اسی فیلڈ میں آنا ہے۔"

34 "دل کا ٹوٹنا قابل برداشت ہے یا فون کا ٹوٹنا؟"

"دل کا ٹوٹنا ہی ٹھیک ہے۔ فون کا نہیں بھئی۔"

35 "اپنے گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"

"گھر کا کوئی بھی کونا ہو۔ سکون ہمیشہ سجدے میں یا ماں کی گود میں ملتا ہے۔"

36 "بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتے ہیں؟"

"جب میں آپ کو جواب دے رہا ہوں تو میں بیمار ہی ہوں۔ پہلے سیریس نہیں لیتا تھا اور اب جبکہ میں 30's میں ہوں تو اپنی صحت کے معاملے میں فکر مند ہو جاتا ہوں۔"

37 "اس فیلڈ میں کیا کیا کر چکے ہیں؟"

"اس فیلڈ میں بہت سے ڈرامے، ٹیلی فلمز، شارٹ فلمز، ایک تھیٹر پلے، سنگ آ سونگ ہاں فلم ابھی تک نہیں کی اور ارادہ بھی نہیں ہے۔"



Scanned with CamScanner

38 ''کردار کون سے پسند ہیں۔ نیگیٹو یا پوزیٹو؟''
''جس کردار میں پرفارمنس کا موقع ملے اسی کو لیتا ہوں چاہے وہ نیگیٹو ہو یا پوزیٹو...... مجھے ہمیشہ مختلف اور نئے کردار کرنے میں مزہ آتا ہے۔''
39 ''پہلا ڈراما / وجہ شہرت؟''
''دہلیز جو کہ ایک نجی چینل 'اے آر وائی' سے ہوا تھا اس سے شہرت بھی ملی۔''
40 ''اپنی کمائی کا کتنے فیصد بچا لیتے ہیں؟''
''میں بہت شاہ خرچ ہوں۔ بچت مشکل سے ہی ہوتی ہے یا پھر فیملی میں کسی کے ساتھ انویسٹ کر دیتا ہوں۔''
41 ''کچن سے لگاؤ۔ کبھی شیف بننے کا خیال آیا؟''
''میں واقعی میں بہت اچھا شیف ہوں۔ میں اتنا اچھا کھانا پکا لیتا ہوں اور اتنے اچھے طریقے سے پیش کرتا ہوں کہ آپ کو لگے گا کہ یہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل سے منگوایا گیا ہے۔ میں چائنیز، اٹالین، تھائی سوشی کھانے پکا لیتا ہوں۔''
42 ''کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟''
''جی کچھ لوگوں کو چھوڑنے کا اور کچھ سے تعلقات نہ رکھنے کا فیصلہ...... خیر یہ ایک لمبی کہانی ہے۔''
43 ''کس کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی؟''
''ایسی کوئی عادت نہیں۔ لیکن شاید اگر فون پاس نہ ہو تو نیند نہ آئے۔ کیونکہ سوشل میڈیا یوز کرتے کرتے سو جاتا ہوں۔''
44 ''کس شخصیت پر چاہتے ہوئے بھی غصہ نہیں کر سکتے؟''
''اپنے بڑے بھائی پر...... ہاہاہا۔''
45 ''کیا آپ برانڈ کانشس ہیں؟''
''نہیں میں برانڈ کانشس تو نہیں ہوں البتہ کوالٹی کانشس ضرور ہوں۔''

46 ''ملک کی ترقی میں کون رکاوٹ ہے عوام یا حکمران؟''
''دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں۔''
47 ''کھانے کی ٹیبل پہ کیا ہونا ضروری ہے؟''
''کھانا...... ہاہاہاہا۔''
48 ''کبھی غربت میں وقت گزارا؟''
''جی بالکل گزارا ہے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد۔''
49 ''ایک مضمون جو آج تک ناپسندیدہ ہے؟''
''سوشل اسٹڈیز۔''
50 ''ڈاکٹر، حکیم اور ہومیو پیتھک...... کس پر اعتبار ہے؟''
''ڈاکٹرز پر...... مگر شفا دینے والا تو اللہ ہے۔''
51 ''دنیا کا سب سے بورنگ کام؟''
''کپڑے استری کرنا۔''
52 ''کیا دل سے اترا ہوا انسان دوبارہ اپنی جگہ بنا سکتا ہے؟''
''نہیں جو دل سے اتر گیا وہ واپس اپنا مقام کبھی نہیں بنا سکتا۔ ہم انسان ہیں معاف تو کر سکتے ہیں۔ مگر بھروسا نہیں کر سکتے۔''
53 ''کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں؟''
''شاپنگ پر۔''
54 ''وقت کی پابندی کے قائل ہیں؟''
''وقت کی پابندی کا ہمیشہ سے خیال رکھتا ہوں۔ میں ہر جگہ وقت پر یا پھر اس سے بھی پہلے پہنچ جاتا ہوں۔''
55 ''گھر کا کون سا کام کرنا پسند نہیں ہے؟''
''ایسا کوئی کام نہیں۔ الحمدللہ سب کچھ ہی کر لیتا ہوں۔''



Scanned with CamScanner

digest library.com

56 ”آج کے دور کے بہترین اینکر؟“
”شاہ زیب خان زادہ۔“
57 ”کس طرح کے کردار ریجیکٹ کر دیں گے؟“
”ایسے کردار جو ناظرین کے دلوں میں کوئی جگہ نہ بنا پائے یا کوئی تاثر نہ بنا سکے۔“
58 ”غصے میں آپ کی کیفیت؟“
”غصہ اب کم ہی آتا ہے۔ غصے کے وقت چپ یعنی خاموش ہو جاتا ہوں یا اپنا روم بند کر کے لیٹ جاتا ہوں۔“
59 ”کون سی تاریخیں یاد رہتی ہیں؟“
”اپنی فیملی ممبرز کی اور اپنے دوستوں کی سالگرہ کی تاریخیں یاد رہتی ہیں۔“
60 ”کس کام کو کرنے کے لیے بہت سوچتے ہیں؟“
”اپنی وارڈ روب کی صفائی اور کپڑوں کو ترتیب سے رکھنا، ورنہ ایک شرٹ بھی ٹائم پر نہ ملے تو مسئلہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مجھے شوٹ پر جانا ہوتا ہے۔ اور وارڈ روب کی صفائی کا مطلب ہے پورا دن گیا یا دو دن گئے۔ اتنا ٹائم لگ جاتا ہے۔“
61 ”ادھار کس سے بلا جھجک مانگ لیتے ہیں؟“
”اپنے بھائیوں سے یا پھر ایک بہت اچھے ڈائریکٹر ہیں فرحان نجل جو کہ میرے بہت اچھے دوست بھی ہیں ان سے مانگ لیتا ہوں۔“
62 ”کس کے روٹھ جانے پر پریشان ہو جاتے ہیں؟“
”کسی بھی فیملی ممبر یا پھر کلوز فرینڈز کے روٹھ جانے پر۔“
63 ”پسندیدہ موسم؟“
”بارش کا موسم۔“
64 ”گھر میں کس کی زبان کو بریک لگانا مشکل ہے؟“
”میری چھوٹی بہن نادیہ کے جب وہ یہ انٹرویو پڑھے گی تو میرا سر بھی پھوڑ دے گی۔ ہاہاہا۔“
65 ”آپ کے گھر میں کون حاتم طائی ہے؟“
”میرا چھوٹا بھائی جبران حاتم طائی ہے۔“
66 ”کبھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں؟“
”جی...... بہت شوق سے، جب گھر کے بڑے اکٹھے بیٹھ کر مشورہ کرتے ہیں۔ تو ہم سب بہن بھائی کان لگا کر ان کی باتیں سنتے ہیں۔“
67 ”یوٹیوب میں پسندیدہ چینل؟“
”بہت سارے ہیں اور مجھے جانوروں کی اور قدرتی مناظر کی ڈاکومینٹری فلمیں بہت پسند ہیں۔“
68 ”دنیا کی خطرناک مخلوق؟“
”ویسے تو انسان ہی سب سے خطرناک مخلوق ہے۔ کیونکہ انسان ہی انسان کو ڈس رہا ہے اور سانپ دیکھ کر ہنس رہا ہے۔
ویسے اینا کونڈا اور رینگنے والے جانور خطرناک ہیں۔“

☆☆


خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
زرد موسم
راحت جبیں

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

باصلاحیت مصنفہ

# حمیرا نفیع سے ملاقات

شاہین رشید

گزشتہ سے پیوستہ......

"ٹی وی سے دوری؟"

"سچ پوچھیں تو مجھے ڈراموں، کھیلوں اور سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ڈرامہ تو میں دیکھتی ہی نہیں ہوں نہ موبائل پر اور نہ ہی ٹی وی پر......

میرا اوڑھنا بچھونا سب ہی کچھ ڈائجسٹ ہیں۔

میرے بیڈ پر ہر وقت شعاع، خواتین، کرن، اور اردو ڈائجسٹ کے علاوہ ہمدرد صحت اور دوسرے ہفتہ وار پرچے بکھرے رہتے ہیں۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر رات کو ضرور کچھ نہ کچھ پڑھ کر ہی سوتی ہوں۔

مطالعہ کی تو میں بچپن سے ہی رسیا ہوں۔ اب تو یہ عادت مزید پختہ ہو گئی ہے۔ لیکن اب میری نزدیک کی نظر کمزور ہو گئی ہے تو بچے منع کرتے ہیں پڑھنے سے۔

موبائل کو تو میں صرف رابطے کا ذریعہ سمجھتی ہوں۔ کوئی ضروری کال کرنی ہو تو کر لی۔ ورنہ ادھر ادھر رکھا ہی رہتا ہے۔ فرصت کے لمحات اگر بچ جائیں تو میری کوشش ہوتی ہے کہ آس پاس پڑوس میں رہنے والوں اور دوستوں کی خیریت معلوم ہو جائے، کسی کی عیادت کر لوں، کسی کی غمی خوشی میں شریک ہونا مجھے اچھا لگتا ہے۔

کسی محفل میں کوئی کلاس فیلو مل جائے تو بے پایاں مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ کئی کے ساتھ تو تمنا کے باوجود رابطہ ممکن نہیں ہے۔ دل میں ماضی کی یادوں سے ٹیس سی اٹھتی ہے۔ لکھاری تو ہوتا ہی حساس ہے اور میں بھی ہوں، مگر درست تجزیہ تو آپ کے قریب سے جاننے والے ہی کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی انسان کی اپنے بارے میں رائے کچھ اور ہوتی ہے اور دوسروں کی اس کے بارے میں کچھ اور ہوتی ہے۔

لیکن میرا اپنے بارے میں خیال ہے کہ میں نرم اور ٹھنڈے مزاج کی ہوں۔ جذباتی اور جلد باز بھی ہوں۔ اگر منہ پر کوئی کڑوی کسیلی بات کر بھی دے تو میں خاموش ہو جاتی ہوں اور خاموشی سے ہر بات کو پی جاتی ہوں۔

غصہ کم ہی آتا ہے اور بچوں پر تو بہت ہی کم آتا ہے۔ جب بھی غصہ آتا ہے بچوں کے باپ پر ہی آتا ہے...... یہ جملہ میں نہیں کہہ رہی بلکہ سامنے بیٹھے ہوئے میاں صاحب کہہ رہے ہیں۔ ہاہاہا۔

"کیا رائٹر اپنی تحریر میں چھپی ہوئی یا دبی ہوئی خواہشات کا بھی اظہار کرتا ہے؟"

"جی ایسا ہی ہے۔ لکھاری تو لکھتا ہی کتھارسس کے لیے ہے، مجھے لگتا ہے کہ اگر میں لکھوں گی نہیں تو اندر سے ختم ہو جاؤں گی...... لکھنا تو ایک راستہ ہے اپنی ذات کے اظہار کا...... آپ کے خاموش اور بے

digest library.com

تمام احساسات کو زبان ملتی ہے..... کبھی خود کو ہیروئن کی جگہ سمجھا ہو تو ہو سکتا ہے میں نے لاشعوری طور پر ایسا کیا ہو اور مجھے خود بھی نہ پتا ہو کہ میں نے ایسا کیا ہے۔

میری کہانیوں کا ہیرو شرمیلا۔ لیے دیے رہنے والا، حساس سا بندہ ہوتا ہے۔ جبکہ ہیروئن نٹ کھٹ اور شرارتی سی۔ اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے لڑکیاں شوخ و شنگ پسند ہیں۔

گزشتہ سال، "سالِ نو" کے حوالے سے میری تحریر سفید گلابوں کا سال کے حوالے سے کافی کمنٹ آئے تھے جب شوخ و شنگ سی ہیروئن نے ہیرو کی اصلی مالی پوزیشن معلوم ہونے پر شادی سے انکار کر دیا تھا—— دیکھیں مادیت پرست تو کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ جنہیں آپ اچھے سے جان لینے کا دعویٰ کرتے ہیں کبھی کبھار زیادہ دکھ انہی سے ملتا ہے۔

"پرنٹ میڈیا کی اہمیت؟"

"یقیناً آج کے دور میں پرنٹ میڈیا کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ لائبریریاں خالی ہیں۔ لوگ کتابوں سے دور ہیں..... کیونکہ لوگوں کو ایک کلک سے ڈھیروں معلومات مل جاتی ہیں۔ اب کتابیں کھنگال کر محنت کون کرے..... ٹی وی کھولیں تو چینلز کی بھرمار ہے۔ کیا دیکھیں اور کیا نہ دیکھیں۔ چوائس زیادہ ہے۔

لیکن میری نظر میں کتاب کی اہمیت اب بھی "مسلم" ہے۔

کتابیں پڑھ کر آپ جو علم حاصل کرتے ہیں وہ زیادہ دیرپا ہوتا ہے..... مجھے تو ہر کتاب کی ایک الگ سی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ ایک اچھی کلیکشن ہے میرے پاس کتابوں کی..... اعزازی ڈائجسٹ کے بھی تمام پرچے حفاظت سے سنبھال کر رکھے ہیں۔

"کیا واقعی انسان کی خواہشات لامحدود ہوتی ہیں؟"

"بالکل..... جہاں تک خوابوں اور خواہشات کا تعلق ہے تو ان کا کوئی انت ہی نہیں ہے، زندگی کے ہر موڑ پہ حالات کے ساتھ ساتھ سوچ بدلتی ہے اور

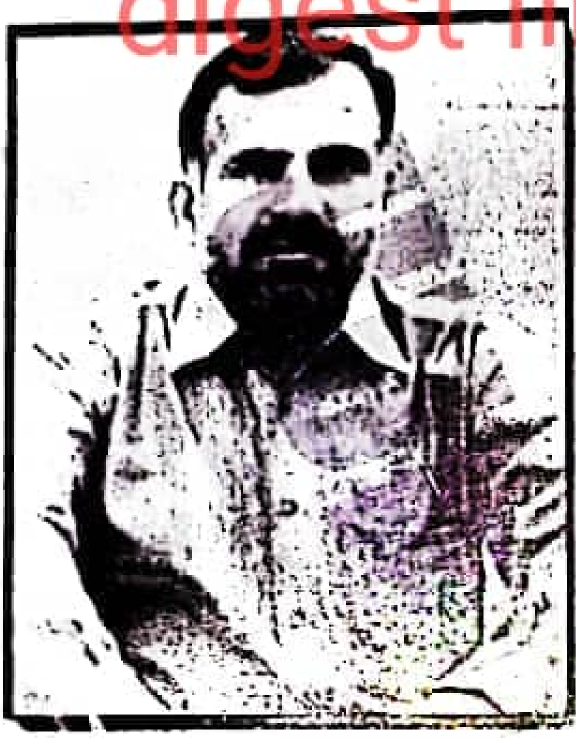

تمنائیں بھی روپ بدل لیتی ہیں۔

میں جب پنجاب یونی ورسٹی سے سائیکولوجی میں ماسٹرز کر رہی تھی تو ایک مہربان استاد کے مشورے پر کلینیکل سائیکالوجی کا سبجیکٹ چوز کیا..... میو ہاسپٹل لاہور کے ذہنی امراض کے وارڈ میں چھ ماہ انٹرن شپ بھی کی۔ معاشرے اور خاندان کے ہاتھوں دکھی لوگوں کو ذہنی مریض بنتے دیکھا..... اس وقت تو یہی سوچ تھی کہ میں بھی یہی پروفیشن اختیار کر لوں مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ میں ایک طویل عرصے تک گھر سے ہی نہ نکل سکی۔

سائیکالوجسٹ تو نہ بن سکی۔ مگر سائیکالوجی کی لیکچرار کی حیثیت سے کافی عرصہ جاب کی اور آج بھی جب اسٹوڈنٹ کونسلنگ کے لیے آتے ہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے۔

بچوں کے بارے میں، میں نے آپ کو بتایا کہ بڑی بیٹی میڈیکل کی فیلڈ میں چلی گئی۔ دوسری سی ایس ایس کی تیاری کر رہی ہے۔ بیٹا مکینیکل انجینئرنگ کر رہا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بچے اپنی تعلیم اور کیریئر کے حوالے سے بہت پُرامید اور پڑھائی میں سیریس ہیں..... اللہ تعالیٰ انہیں مزید کامیابیاں دے۔ آمین۔



Scanned with CamScanner

میرا ڈراما رائٹنگ کی طرف زیادہ رجحان نہیں ہے۔ میرا مزاج بھی الیکٹرونک میڈیا کی تیز رفتاری سے مطابقت نہیں رکھتا۔ میں بر وقت رابطے میں بھی نہیں رہ سکتی۔ مجھے اسی میں سکون ملتا ہے کہ ہر مہینے دو افسانے یا ایک ناولٹ وغیرہ لکھ کر ڈائجسٹ والوں کو بھیج دیتی ہوں۔"

"رائٹرز میں کس کس کو بہت شوق سے پڑھتی ہیں؟"

"ہر قلم کار جو معاشرے کا عکاس بھی ہوتا ہے اور ترجمان بھی، میرے لیے قابل احترام ہے۔ سب ہی کو شوق سے پڑھتی ہوں۔ بہت سی تحریریں دل کو تاروں کی طرح چھو جاتی ہیں۔ اب وہ سب تو ذہن میں نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی راحت جبیں صاحبہ کا "زرد موسم" فرح بخاری کا "بن ہاگی" سائرہ رضا (اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے) کا "حسن المآب" نمرہ احمد کا "قراقرم کا تاج محل" سمیرا حمید کا "پہیلیں" کنیز نبوی صاحبہ اور آسیہ رئیس خان کی کئی ایک تحریریں۔ عمیرہ احمد کی تحریریں پسند ہیں۔ سعدیہ عمیر کا انداز تحریر بہت دل کو بھاتا ہے، فرح بھٹو راشدہ رفعت اور فرزانہ کھرل کی مشکل تحریریں مزہ دیتی ہیں۔

امت العزیز شہزاد کی "والعصر" نے بہت متاثر کیا تھا، پروین زبیر کا سلسلے وار ناول "زوال" اور شیریں حیدر کی تحریر "محبت چار حرف" نے بڑا رلایا۔ صوفیہ بٹ کے "احد" کی ہر قسط کا بے چینی سے انتظار رہا، اور آخری قسط بھیگی آنکھوں سے بامشکل پڑھی۔ عنیزہ سید اور فلک تنویر کے ناول اس کے علاوہ شمائلہ ولعباد کی کھٹی میٹھی تحریر "سسرال گیندا پھول"، حرملہ ریاض کی "نور القلوب" نوشین فیاض کی تحریریں ہیں۔ مریم عزیز صاحبہ ہیں جو آج کل تواتر سے لکھ رہی ہیں۔

"فاخرہ رابعہ آپی۔ ام اقصیٰ، میمونہ صدف، عنبرین ابدال، بشریٰ احمد، عائشہ نصیر، شازیہ الطاف ہاشمی، عقیلہ ہاشمی، ہاجرہ ریحان زارا ابجرا، حنا بشریٰ، قرۃ العین ہاشمی خرم، قرۃ العین سکندر، صائمہ نور ام ہانی، نظیر فاطمہ اچھے افسانے اور ناول لکھ رہی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔"

"آپ نے کہا کہ آپ "صادق آباد" میں رہتی ہیں...... ذرا اس شہر کے بارے میں لوگوں کو بتائیں کہ کیسا ہے...... پھر دیگر سوال ہوں گے۔"

"میرا پیارا شہر صادق آباد صوبہ پنجاب اور صوبہ سندھ کے صوبائی سرحدی علاقوں پر واقع ہے۔ اس کا ضلع رحیم یار خان ہے۔ بنیادی طور پر یہ صوبہ پنجاب کے آخری کونے پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو شہر اتنا معروف نہیں تھا مگر اب اس شہر نے تعلیمی، تجارتی اور صنعتی لحاظ سے کافی ترقی کر لی ہے۔ نئے نئے ٹاؤن بن گئے ہیں۔ صفائی ستھرائی کی صورت حال بھی پہلے سے بہت بہتر ہے۔

ابھی جو صاف ستھرا پنجاب کی اسکیم آئی ہے تو بلدیاتی ادارے ساتھ مل کر بہت فعال ہو گئے ہیں۔ صبح سویرے ہی کچرا اٹھانے کے لیے "سبز گاڑیاں" گھومنے لگتی ہیں۔ خاکروب بھی باقاعدگی سے گلیوں اور بازاروں کی صفائی کر رہے ہوتے ہیں تاکہ شہری کوڑا اس میں ڈالیں...... خاصی خوش آئند صورت



Scanned with CamScanner

digest library.com

حال ہے۔ (ہائے اللہ کہیں نظر نہ لگ جائے) جو سڑکیں ٹوٹی پھوٹی ہیں ان کی مرمت کا کام بھی جاری ہے۔ اس بار تو سردیوں میں گیس کی لوڈ شیڈنگ بھی ختم ہو چکی ہے۔ پانی بجلی کی صورت حال بھی بہتر ہے.....

اب آپ کراچی والے میرے پیارے شہر کو نظر نہ لگا دینا۔ اللہ میرے پیارے شہر کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھنا۔ جس علاقے میں، میں رہتی ہوں یہ وہاں کی صورت حال ہے.....دیگر علاقوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔

''آپ نے بتایا کہ والدین کی زیادہ ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر تھی.....تو آپ کی بہن جو کہ آپ سے تیرہ سال بڑی ہیں وہ کہاں ہوتی تھیں۔

''جی.....بالکل میری بہن مجھ سے تیرہ سال بڑی ہیں ماشاء اللہ، طاہرہ پروین ان کا نام ہے۔ بہت ہی سگھڑ، سلیقہ شعار اور ہنر مند ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی کشیدہ کاری کے نمونے جرسیوں اور سویٹر جو کہ ہاتھ سے بنتی تھیں کی دھوم تھی.....اپنے گھر کو انہوں نے ہرے بھرے پودوں اور پھولوں سے سجا رکھا ہے۔ انہیں باغبانی کا بھی بے حد شوق ہے۔

وہ ایک طویل عرصے تک اکلوتی اولاد کے عہدے پر فائز رہیں۔ میری آمد پر انہوں نے بہت خوشیاں منائیں اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں بچپن میں بہت بیمار رہتی تھی تو جب تک ان کی شادی نہیں ہوئی انہوں نے میری بہت خدمت خاطر کی۔

شادی کے بعد وہ مستقل طور پر لاہور شفٹ ہو گئیں۔ پھر جب ان کی بچیاں اسکول جانے والی ہو گئیں تو میکے آنا جانا محدود ہو گیا.....اور میں شادی کے بعد فیصل آباد شفٹ ہو گئی۔ تو فیصل آباد اور لاہور کا فاصلہ چونکہ کم ہے تو میں جب بھی اداس ہوتی تو میاں صاحب بہن کے پاس لے آتے.....لاہور کا وہ طویل سفر اور موج مستی کے دن بہت یاد آتے ہیں۔

پھر جب ہمارے والد صاحب کو فالج کا شدید

حملہ ہوا تو وہ وقت ہم نے بہت کڑا دیکھا.....کیونکہ ہمارے گھر کو تو پہلے ہی ابا جان چلا رہے تھے۔ اماں تو اکثر بیمار رہتی تھیں اب والد صاحب کے علیل ہونے سے گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا..... باجی کی بچیوں کی ان دنوں پڑھائی چل رہی تھی اور میرے بچے ابھی بہت چھوٹے تھے تو میں مستقل طور پر میکے شفٹ ہو گئی اور یوں والدین کی خدمت کی سعادت مجھے نصیب ہو گئی..... باجی گرمیوں کی چھٹیوں میں آتیں تو میرا بہت ہاتھ بٹاتی تھیں۔ پھر ان کی اپنی بھی صحت کے بہت سے مسائل چل رہے تھے۔ پھر بھی وہ اوپر کے کاموں میں میرا ہاتھ بٹا دیتی تھیں۔ میرے بچوں کو بھی سنبھال لیتی تھیں۔

باجی تو کئی بار اماں کو اپنے گھر بھی لے گئیں مگر اماں کا دل نہیں لگتا تھا۔ چند دن گزار کر اپنے گھر واپس آ جاتی تھیں۔

میں نے اپنے والدین کو ایک طویل عرصہ بیماری سے لڑتے دیکھا۔ بے بس، لاچار بستر پر پڑے دیکھا۔ یہ دکھ اور اذیت کی ایک الگ ہی کیفیت تھی۔ میرے الفاظ شاید ان احساسات کی ترجمانی نہ کر پائیں جو کچھ میں نے سہا اور جھیلا۔



Scanned with CamScanner

آزمائش کی اس گھڑی میں کئی بار اپنوں کو بیگانہ ہوتے دیکھا۔ پرے ہٹتے بھی دیکھا کہ کہیں مدد نہ مانگ لیں۔

ان کی دس سالہ بیماری کے ایام میں سوائے میرے، بہنوئی کے کسی نے کبھی ان کو نہیں پوچھا۔ وہ اس دکھ کو ساتھ لے کر گئے کہ ان کے اپنوں نے انہیں اس بیماری میں اکیلا چھوڑ دیا...... مگر آس — پڑوس کے لوگ جن سے ہمارا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا جن میں میرے ابا کے دو شاگرد غلام حیدر صاحب اور ان کے ہم نام محمد شفیع نے بہت تعاون کیا، ہر نازک موقع پر میرے ساتھ کھڑے رہے اور بھائیوں کی طرح ساتھ نبھایا، اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے گا۔"

"والدین کے رخصت ہونے کے بعد زندگی کیسی گزری؟"

"بہت مشکل...... تہی دامانی کا احساس لیے ہوئے...... ان دو ہستیوں کے رخصت ہونے کے بعد مجھے اپنی زندگی بے مقصد سی نظر آنے لگی...... وہ بیمار تھے، محتاج تھے لیکن ان کا سایہ تو ہمارے سر پر تھا۔ دونوں کے رخصت ہونے کے بعد میں تو ڈپریشن میں چلی گئی تھی کیونکہ میں تو کبھی ان سے زیادہ عرصہ تک الگ ہی نہیں رہی تھی۔ ہر وقت ان کی یاد ستاتی رہتی ہے۔

اب بچے بھی بڑے ہو گئے ہیں اور جب سے ہوسٹل شفٹ ہوئے ہیں میں زیادہ اداس رہنے لگی ہوں۔ مریم فاطمہ جناح میڈیکل یونیورسٹی چلی گئی ہے۔ بیٹا عبداللہ UET چلا گیا ہے آمنہ اسلامیہ یونیورسٹی کے کیمپس چلی گئی ہے اور میاں صاحب اپنے کام پر۔ تو اتنے بڑے گھر میں بولائی بولائی سی پھرتی ہوں۔ پھر بچے فون کر کے کہتے ہیں اماں کچھ لکھ لیا کریں...... بور نہیں ہوں گی اور سچ میں اگر میں نہ لکھوں تو اندر سے ختم ہو جاؤں۔

زندگی کا ہر موڑ انسان کو اندر باہر سے بدلتا رہتا ہے۔ یہی زندگی کا تقاضا ہے اور زندہ رہنے کے لیے ضروری بھی ہے...... میرے لکھنے نے مجھے ڈپریشن سے نکلنے میں مدد دی...... یہ میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اس حوالے سے میرے گھر کا ماحول سازگار ہے۔ کاغذ قلم ارجنٹ میل سروس سب ہو جاتا ہے۔"

"کیا پرنٹ میڈیا سے اور اس لکھنے لکھانے سے گھر کا چولہا جل سکتا ہے۔"

"آپا آپ کا یہ سوال بڑا معنی خیز ہے — سیدھی اور صاف بات ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جو چند ہزار آپ کماتے ہیں اور بلاشبہ وہ لکھنے والے کے لیے بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ اس کی محنت کا انعام کم سہی مگر اس کے لیے ایک ایوارڈ سے کم نہیں، جب پوسٹ مین مجھے منی آرڈر دے کر جاتا ہے تو یقین جانیے ایک الگ ہی فخر و لطف محسوس ہوتا ہے...... حالانکہ اس سے زیادہ کی رقم آپ کے گھر کے سودا سلف کی مد میں خرچ ہوتی ہے۔ یہ بڑھتی مہنگائی، پانی، گیس، بجلی کے بل، بچوں کی پڑھائی کے اخراجات اس دنیا کے مسائل ہیں۔ اگر ان سے نبرد آزما ہونا ہے تو پھر آپ کو کچھ اور بھی سوچنا ہو گا۔ شاید اسی وجہ سے بہت سی رائٹرز الیکٹرونک میڈیا میں چلی گئی ہیں۔ میرا تو فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے میرے میاں کو جو کام کر رہے ہیں۔ ذاتی گھر بھی ہے۔ شکر ہے اس مالک کا جو بہترین کارساز ہے۔

پرنٹ میڈیا کا رائٹر سب سے مظلوم طبقہ ہے لیکن مجھے ادارہ خواتین ڈائجسٹ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ مجھے ہمیشہ باقاعدگی سے اعزازی کاپیاں اور اعزازی رقم مل جاتی ہے مگر کچھ ادارے اس طرح کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہیں کہ دل دکھتا ہے، یہ تو ایک طرح سے لکھاری کا استحصال کرنا ہی ہوتا ہے کہ اعزازیہ تو ایک طرف اعزازی کاپی بھی گول کر جاتے ہیں اب رائٹر بے چارا احتجاج بھی نہیں کر سکتا۔

بہرحال میں نے چند سال ٹیچرارشپ بھی کی ہے اس میں بھی بہت مزا آیا۔ اگر کبھی دوبارہ ضرورت پڑی تو شاید دوبارہ درس و تدریس کی جانب ہی آؤں۔"



Scanned with CamScanner

digest.library.com

"آج کل کیا لکھ رہی ہیں۔"

"آج کل میں ہلکا پھلکا ہی لکھ رہی ہوں۔ جس میں مزاح کا تڑکا بھی ہوتا ہے اور قارئین کی طرف سے بڑا خوش گوار فیڈ بیک بھی مل رہا ہے...... خاص طور پر سسرالی رشتوں پر جو سیریز لکھی تھی بے پناہ مقبول ہوئی۔ میری دوستیں کہتی ہیں کہ یہ تم نے کیسے لکھ لیا جبکہ تم نے تو دشمنوں کا زیادہ مزا چکھا ہی نہیں......

دراصل جب میری شادی ہوئی تو سسرال میں جوائنٹ فیملی سسٹم کب کا ختم ہو چکا تھا۔ میاں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور فیصل آباد میں قیام پذیر تھے...... میں بھی شادی کے فوراً بعد وہیں چلی گئی تھی۔ تینوں بچے بھی وہیں پیدا ہوئے۔ میرے ساس سسر انتقال کر چکے تھے، سب الگ ہی رہتے تھے......

میں جب والدین کی بیماری کی وجہ سے میکے میں شفٹ ہوئی تو سسرال بھی اسی شہر میں تھا۔ مگر والدین کی دیکھ بھال کی وجہ سے کم جا پاتی تھی تو روایتی کھینچا تانی سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ سب ہی سے اچھی دعا سلام رہی۔ تو سسرالی رشتوں کے بارے میں جو بھی لکھا وہ سب میرا مشاہدہ تھا۔

"اپنی ہی تحریر جس نے بہت متاثر کیا ہو؟"

"سچ بتاؤں...... میں ابھی تک اپنی کسی تحریر سے متاثر نہیں ہوئی۔ چھپنے کے بعد جب اسے دوبارہ پڑھتی ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ اگر اسے "یوں" لکھتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔ اپنی ایک خامی جس سے میں خود بھی بہت تنگ ہوں کہ میں کہانی کو سمیٹنے میں بہت عجلت کرتی ہوں۔ اچھا خاصا ناولٹ بن رہا ہوتا ہے مگر گلا گھونٹ کر افسانہ بنا دیتی ہوں۔

البتہ" روپ در روپ" اور" دو لفظ" میری ایسی تحریریں تھیں کہ جن کو لکھتے وقت میری آنکھیں بھیگ گئی تھیں...... اور کچھ تحریریں جیسے" عید کے بعد"،" سندری اور مندری" جب جب پڑھیں بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔"

"کتابی شکل میں کیا آیا ہے؟"

"کتابی شکل میں تو فی الحال کچھ بھی نہیں ہے، مواد اتنا جمع ہے کہ باآسانی صاحب کتاب ہو سکتی ہوں۔ کوشش تو ہے کہ افسانوں کے کم سے کم دو مجموعے منظر عام پر لا سکوں۔ اور ان شاء اللہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب میں صاحب کتاب ہو جاؤں گی۔

"فیشن، کوکنگ، اور دیگر مصروفیات کے بارے میں بتائیں؟"

"بجنا سنورنا تو بس اب تقریبات تک جانے میں محدود ہو گیا ہے۔ گھر میں سادہ حلیے میں ہی آپ کو نظر آؤں گی۔ وہی ہاؤس وائف والی روٹین ہے کہ جھٹ پٹ ہاتھ دھو منہ دھو کر کپڑے بدل لیے...... اسکول کالج کے زمانے میں اپنے لمبے سیاہ بالوں کی وجہ سے بھی مشہور تھی۔ اتنے گھنے اور لمبے بالوں کی دو چوٹیاں بنا کر جایا کرتی تھی" دو چوٹیوں والی" کالج تک میری یہ پہچان تھی...... جہاں دو چوٹیاں لہرائیں سب سمجھ جاتے تھے کہ حمیرا آ رہی ہے۔

ہمارے اسکول کی میڈم اتنی سخت تھیں کہ بار سنگھار تو دور کی بات تھی آنکھوں میں کاجل لگانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اسمبلی میں باقاعدہ آنکھیں چیک کی جاتی تھیں۔

ہاں کالج میں بہت مزا آتا تھا یونی ورسٹی میں تو یونیفارم ہوتا ہی نہیں تھا۔ مگر کپڑے پہن کر جانا بہت اچھا لگتا تھا۔ گھر کی تربیت ایسی تھی کہ تمیز اور تہذیب کے دائرہ میں رہ کر فیشن کیا۔ اماں کو لڑکیوں کے بال کٹوانا بالکل پسند نہیں تھا...... تو اس لیے آج تک نہیں کٹوائے...... انسان کو اپنے لباس اور انداز سے باوقار نظر آنا چاہیے۔

اور جناب ایک ہاؤس وائف کو بھلا کوکنگ سے کیوں نہیں لگاؤ ہوگا۔ میاں صاحب اور میں بہت چٹورے ہیں۔ میاں صاحب تو ماشاء اللہ بہت اچھی کوکنگ کر لیتے ہیں۔



Scanned with CamScanner

یہاں میں ایک دلچسپ واقعہ شیئر کرنا چاہوں گی۔ میں شادی کے فوراً بعد ہی میاں صاحب کے ہمراہ فیصل آباد چلی گئی تھی جہاں انہوں نے پہلے سے ہی ایک علیحدہ گھر لے رکھا تھا......اس دن جب میں آٹھ نو گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد فیصل آباد پہنچی تو نڈھال ہو کے بستر پر گر گئی......وہ کھانا لینے بازار چلے گئے، واپس آئے تو گرم گرم روٹیوں کے ساتھ ایک ہاتھ میں شاپر بھی تھا۔ کہنے لگے بازار کا سالن ٹھیک نہیں ہوتا، اس لیے بکرے کا گوشت لایا ہوں جلدی سے پکالو۔ کچن میں سب سامان ہے روٹیاں ہاٹ پاٹ میں رکھ دیتا ہوں۔

ان کے یہ حسین ارشادات سن کر میں بھوک اور تھکن سے مزید نڈھال ہو گئی اور ان کا منہ تکنے لگی۔ وہ میرے تاثرات سے سمجھ گئے کہ میڈم کی نیت ٹھیک نہیں ہے......خیر وہ چپ چاپ کچن میں گئے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد گوشت کا لذیذ سالن میرے سامنے تھا جو بھوک میں مزید لذیذ ہو گیا......

لیکن یہ شروع دن کی باتیں ہیں اب ایسا نہیں ہوتا......اب وہ اپنی مرضی سے اپنے شوق کی خاطر کچھ پکا لیں تو پکا لیں، میں نہیں کہتی......ہاں کچن میں بہت پھیلاوا کرتے ہیں جو بعد میں مجھے سمیٹنا پڑتا ہے۔ بچے میرے ہاتھ کے پراٹھے بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ میاں صاحب کو میرے ہاتھ کی پکی ادرک والی اور الائچی ڈالی چائے بہت پسند ہے جبکہ مجھے گرم چپاتی کے ساتھ کوئی بھی سالن ہو کھانے میں مزا آتا ہے۔

گھومنے پھرنے کی میں شوقین ہوں مگر اب اس کا موقع کم ہی ملتا ہے۔ بچے ہاسٹل میں ہوتے ہیں تو ان کے گھر آنے جانے کا شیڈول ہی مختلف ہوتا ہے۔ سب ایک ساتھ گھر نہیں ہوتے۔ تو اس چکر میں ہم لوگ کہیں نکل نہیں سکتے......بہر حال پھر بھی شہر کے اندر تو ہوٹلنگ چلتی ہی رہتی ہے۔

مطالعہ کی رسیا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ میں ایک لکھاری سے اچھی قاری ہوں۔ تو پڑھنے کا موقع رات کو ہی ملتا ہے۔ نظر کمزور ہو گئی ہے اور چشمہ نہ پہننے کی وجہ میرے سر کے جو پٹھے نظر سے متعلق ہیں وہ کمزور ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے سر میں درد رہتا ہے۔"

"جب آپ کا فون آیا تو مجھے لگا کہ آپ شاید کالج یا یونی ورسٹی کی طالبہ ہیں۔ مگر بات کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے تو جوان بچے ہیں۔ واہ......"

ہنستے ہوئے......"میری آواز میں بہت کھنک ہے۔ "امثل آپی" ایک عرصے تک یہی سمجھتی رہیں کہ میں کالج گرل ہوں۔ تو ایک دن میں نے یہ بم پھوڑا کہ میرے تو جوان بچے ہیں ماشاء اللہ تو وہ ششدر رہ گئیں۔"

اور میں اپنی لکھاری بہنوں سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اپنے مطالعہ کو وسیع کریں اس طرح ان میں اچھا لکھنے کی تحریک پیدا ہو گی اور تحریر میں نکھار آئے گا......آج کل کے موبائل سسٹم نے نوجوانوں کے ہاتھ سے کتاب چھین کر ان کی صلاحیتوں کو محدود کر دیا ہے۔ اور کوئی بھی ایجاد اچھی یا بری نہیں ہوتی اس کا استعمال اس کو برا بنا دیتی ہے۔

آخر میں ایک بار پھر ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی شکر گزار ہوں، اور ممنون ہوں امثل آپی اور ساتھیوں کی کہ انہوں نے میری کاوشوں کو جگہ دی اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں قلم کاروں میں شامل ہوئی۔

اور اس انٹرویو کے لیے شاہین رشید آپی کی ممنون ہوں نے تو کتاب زندگی کھول کر رکھ دی تھی اور جذبات کی رو میں بہہ کر بہت سے پوائنٹ مس کر دیے تھے۔ مگر شاہین آپی نے توجہ دلائی۔

اس دوران مجھے شدت سے احساس ہوا کہ ان پرچوں کو مرتب کرنے، بنانے سنوارنے والے ہاتھ بھی انمول ہیں ان کی کاوشیں قابل ستائش ہیں......جیتی رہو۔ آپیوں اور بہنوں۔ اور خوش رہو۔"

"شکریہ حمیرا شفیع آپ کا اتنی اچھی سوچ رکھنے کا۔" ہم نے ایک باصلاحیت تخلیق کار سے ملاقات کا خوب صورت احساس لیے اجازت چاہی۔

☆☆



Scanned with CamScanner

نادرہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:info@khawateendigest.com

عروج یوسف...... کراچی

آپ سب سے سالوں پرانا رشتہ ہے۔ بہت سے تعلق بنے اور ٹوٹے مگر خواتین اور شعاع ہر لمحہ زندگی کا حصہ ہے الحمدللہ اور اب میری بیٹیاں بھی اس فیملی کا حصہ بن چکی ہیں، ماشاء اللہ اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

خواتین ڈائجسٹ وقت پر مل گیا تھا، پہلے تو جس دن ملتا اسی دن جب تک پورا نہ پڑھ لیتی۔ سکون نہیں ملتا تھا اب تھوڑا رک رک کر پڑھتی ہوں نظر کی وجہ سے بھی کہ پھر آنکھوں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔

اس مرتبہ ثمین صداقت کا مکمل ناول بہت زبردست رہا اور بشریٰ احمد نے بھی بہت اچھا لکھا ماشاء اللہ۔ عجیبا میٹا کی نمی سی کہانی [illegible] نئے طریقے پر پرانی کہانی تھی، وقت کا ذائقہ بس سو [illegible] آدھی عورت کہانی اچھی تھی مگر عنوان اچھا نہیں لگا، ٹائٹل سے کہانی سمجھ جائیں یہ لازمی تو نہیں اور نمرہ احمد کا ناولٹ بس چھوڑ [illegible] پر کیا بات کروں سب رائٹرز اپنی من مرضی کا اختتام کرتی ہیں۔ قاری کو کیریکٹر سے اتنا اٹیچ کر کے اینڈ [illegible] نہیں کیا کمال کرتی ہیں، بے شک یہ سب زندگی کی حقیقت ہے مگر زندگی کی تلخیوں سے بچنے کے لیے ہی تو یہ ڈائجسٹ وغیرہ پڑھتے ہیں کہ تھوڑی کڑواہٹ کم ہو، بہت غصہ آتا ہے ایسی کہانیاں پڑھ کر۔

ج: پیاری عروج! آپ نے بہت اچھا خط لکھا۔ ہم آپ سے متفق ہیں ہونے کے لیے دکھوں اور غموں کی کیا کمی ہے۔ کہانیاں تو رہنمائی کرتی ہیں۔ انصاف کی روشنی دکھاتی ہیں۔ کیا ہونا چاہیے، کیا کرنا چاہیے اس کو واضح کرتی ہیں۔ اسی لیے بیشتر کہانیوں کا انجام مثبت ہی ہوتا ہے۔ ایک آدھ کہانی ایسی بھی سہی۔

صائمہ علی...... اسلام آباد

اجالا کے آغاز پر جو اشعار ہیں کیا وہ حسنہ حسین کے ہی ہیں۔ ان اشعار نے بہت دیر تک ہمیں اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ ہر بار پڑھنے پر مزا دوبالا ہو جاتا۔

"بھنور" کچھ الگ سا لگا۔ اچھا لگا۔ "ہمت دشوار پسند" بہترین تحریر تھی۔ بریرہ کا کردار آج کل کی ہر لڑکی کا کردار [illegible] جاتا ہے۔ یہ اتنی عام بات سمجھی جاتی ہے کہ ہماری ایک کزن کی شادی کی پہلی رات دولہا اپنی ناکام محبت کی کہانی سناتا رہا اور کہتا اب تم مجھے اتنی محبت دینا کہ میں سب کچھ بھول جاؤں [illegible] پاگل کہ دو دن بعد ساری بات بتا کر اس عزم کا اظہار [illegible] کہ دیکھنا میری محبت سے اس کا دکھ مٹ جائے گا۔ [illegible] مسائل ہوتے ہیں مگر یہ ہمارے معاشرے کی عام [illegible] اگر لڑکی اپنی عزت نفس کے لیے اڑ جائے تو سب سے پہلے اس کے گھر والے ہی اسے توڑنا چاہتے ہیں۔

ج: صائمہ! اس ماہ آپ کا خط کچھ ادھورا سا لگا۔ محفل میں شرکت کا شکریہ۔ آپ کی کزن نے سچ کہا یہ کچی عمروں کے عشق مردوں کو یاد بھی نہیں رہتے۔ شادی کے بعد۔

کرن بتول عالم...... سرگودھا

آج کے اس دور میں بھی مطالعہ سے شغف رکھنے والے لوگوں کے لیے یہ بہترین تحفہ ہے۔ "پیاسی ساحل"

digestlibrary.com



Scanned with CamScanner

اور راحت ہی راحت عمدہ تحریریں تھیں۔ اور دیگر تمام لکھاریوں کی تحریریں بھی قابلِ ستائش ہیں۔ کچھ روز تک میں بھی اپنی پہلی تحریر بھیجنے کا ارادہ کر رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ حمیرا اشفیع صاحبہ کی طرح میری کہانی بھی اگلے ہی ماہ چھپ جائے۔

ج: پیاری کرن! آپ ضرور لکھیں۔ قابلِ اشاعت ہوئی تو ہم شائع کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔

صدف ناصر نے گوجرانوالہ سے شرکت کی ہے، لکھا ہے

ماہ جنوری کا خواتین نہایت دلکش ٹائٹل کے ساتھ آنکھوں کو خیرہ کر گیا۔

"کبھی نہیں" سے متفق ہو کر دعاؤں میں آپ کا ساتھ دیا۔ "کرن کرن روشنی" نے دل و دماغ کے اندھیروں کو ختم کرنے میں مدد دی۔

"انشاء سے انشا کی باتیں" پڑھ کر انشا جی کے لیے دعائے مغفرت کی۔

سحر خان کو دیکھ کر خوشی سے بچوں نے شاہین رشید کو دعا دی۔ بلاشبہ سحر انتہائی ٹیلنٹڈ فنکارہ ہیں۔

جبکہ حمیرا اشفیع کو دیکھ کر جو خوشی ہمیں اور تمام قارئین کو ہوئی ہوگی۔ وہ ناقابلِ بیان ہے۔ شاہین نے ہمیں نئے سال کا بہترین تحفہ دے دیا۔ ہماری طرف سے دعاؤں کا تحفہ قبول فرمائیں۔ (آمین)

حمیرا اشفیع اپنی تحریروں اور اپنے نام کی طرح بہت ہی پیاری، بہت ہی اچھی اور خوش مزاج ہیں۔

"ہانڈی بھر گوشت" سے لے کر کباب تک کوئی عید ہو، رمضان ہو یا نیا سال حمیرا اشفیع کی شرکت باعثِ رحمت اور خوشی ہوتی ہے۔ حد یہ ہے کہ ساون کے موسم میں بھی ان کی تحریریں جھن جھن پر ہوتی ہیں۔ ان کی بیٹی اور بیٹا بھی ماشاءاللہ بہت پیارے ہیں۔

ماہ جنوری کے لیے دل لگا کر تبصرہ لکھا مگر ہمارا دل ٹوٹے دل کو جوڑنے کے لیے ہماری ریحانہ چوہدری، ناہید ساحل، سلمٰی مسرت، اکا عباسی، ایمن ہلال اور کوشی لوگ موجود ہیں۔ "ریحانہ" محبت اور دوستی میں کوئی شکریہ نہیں ہوتا۔ "ناہید" جھوٹ اور مبالغہ آرائی نہیں ہے، میں نے تبصرہ لکھنا واقعی آپ سے سیکھا ہے۔ دیا بارک ہیں

لکھ تو نہیں پائے مگر پھر بھی اللہ کا شکر ہے۔

سلمٰی مسرت سے مل کر ہنسی آ گئی۔ سلمٰی ناراض ہی رہتی ہیں جبکہ ہم غیر حاضر ہوں تو ہوں مدیرہ آپ کو غیر حاضر نہیں ہونے دیتیں۔ پلیز خوش رہا کریں۔

سب سے پہلے "کر چلے جانثار ہم" کے زبردست اور ناقابلِ فراموش اختتام کی بات کریں گے۔ سعدیہ عمیر کا پہلا قسط وار ناول اور پہلی ہی کوشش بہترین رہی۔ اول تا آخر ہر ایک کردار پر گرفت انتہائی مضبوط رہی۔

اویس اپنے عہدے کے ساتھ مخلص اور لائبہ دوستی میں وفادار۔ ورثین بھی اپنی تربیت سے نہیں گری اور "بشارت" نے انسان دوستی کی نئی سے نئی اور اچھی مثالیں قائم کیں۔ سردار محراب خان بدترین انجام (موت) سے دوچار ہوا۔ یہ نہیں کہ رائٹر نے کسی مظلوم کو، بے قصور موت کے گھاٹ اتارا ہو۔ (بشارت یا ورثین) زمان خان بھی اپنی عادات و خصائل کے برعکس راہِ ہدایت پر پایا گیا۔ (خوش آئند)

بغیر کسی لگی لپٹی کے سیدھے سبھاؤ میں سعدیہ عمر نے بشارت اور ورثین کو ایک کر کے لا کھڑا کیا

ادارہ خواتین اور سعدیہ عمر مبارک باد کی حقدار ہیں۔ جنہوں نے بہت اچھے اور خوشگوار اختتام کے ساتھ ہمیں ایک بہترین تحریر سے نوازا۔

"بہت دشوار پسند" کتنی منفرد اور پیاری سی تحریر ہے۔ آسیہ رئیس نے کچھ گلے سے تھے ہمیں، جو اس تحریر نے ختم کر دیے۔

"بریرہ" کا موقف اس کی سگی والدہ اور نانی سمیت سارے معاشرے کو لاکھ برا لگا ہو مگر ہمیں ہنڈرڈ پرسنٹ صحیح لگا۔ بریرہ نے بڑی بہادری سے بروقت اچھا قدم اٹھایا۔ اصل کمال تو بریرہ کے بھائی "کابل" نے کیا۔ ہر مشکل ہر قدم پر بہن کا ساتھ دیا۔ اللہ ایسے بھائی ہر بہن کو دے۔ "نامح" کا کردار سادہ اور منافقت سے پاک رہا۔

نشا محسن علی "بیگم" بہت ہی مزے دار تحریر، کہیں کہیں آسیہ رزاقی کی یاد بھی ستاتی رہی۔ پرویز عرف بیگم کے کام دلچسپ مگر گھر والوں کے خاصے بوجھ گئے رہے۔ "چندا" کا گھرانہ البتہ بہت پسند آیا۔ مگر ایک بات مجھ

میں نہیں آئی۔ "چندا" اور "پکھم" کا کمرہ انتہائی حد تک خستہ حال اور بیکار تھا تو چندا کے میکے والے تو زمین دار تھے ناں، تو انہوں نے جہیز کے نام پر کچھ بھی نہیں دیا، خواہ بھائی کیسا بھی تھا، ماں تو دیتی ہی ناں۔ بہرحال اچھی خاصی تحریر تادیر تک چلتی تھی مگر پیاری رائٹر نے ایک دم سے ایک ہی سین میں تحریر کا اینڈ کر دیا۔ کتنا غلط ہوا۔ سب کچھ تفصیل سے بتاتے، سب کو سدھارتا دکھاتے، اتنا مزا آتا تھا۔ منشا سے ریکویسٹ ہے، ٹرین کے سفر کی دلچسپ تحریریں لکھیں۔ اور "پکھم" جیسی اور تحریریں مگر طویل۔

"سرخ گلاب اور سال نو" حمیرا اشفاق کا ناولٹ ملاحظہ ہوا۔ سیدھی سادی اور ہنستی مسکراتی نئے سال کی اکلوتی تحریر بہت پسند آئی۔ افسانوں کی طرف روانگی پکڑی۔

عائشہ شبیر نئی رائٹر تحریر بھی اچھی رہی۔ اکبر کی بے جا شوخیوں کو ثمرین نے خوب لگام ڈالی۔ (ہاہاہا) مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تحریر کا نام "تالا" ہی کیوں ہے؟؟؟

راحت اور راحت عروج عالم نے اپنے تبصروں کی طرح ہی اچھی اور سبق آموز تحریر لکھی۔ راحت بھی حق بجانب تھی مگر چھوٹے چھوٹے بچے بھی بے قصور تھے جو کہ ماں باپ کے سائے سے محروم ہو گئے تھے۔ خالہ ساس نے بہت اچھے طریقے اور شفقت سے راحت کی برین واشنگ کی۔

عمارہ صفدر کا باسی سالن کمزور دلوں کی آنکھیں کھولنے کو کافی ہے۔ ہر گھر میں ہوتا تو عموماً یہی ہے۔ تازہ سالن تو خود کھاتے ہیں اور اگلے دن باسی سالن احسان عظیم کرتے ہوئے کسی غریب یا ضرورت مند کے گھر بھجوا کر سر فخر سے بلند کر لیتا۔ افسوس! آئیں سوچ بدلیں۔

محبت کا سبق ریحانہ وقاص نے خوب ہی دیا۔ یقیناً سب کو ہی ایسی بھیا تک آپ بیتیاں یاد آ گئی ہوں گی۔ مگر اکثر آپ بیتی میں صرف پھوپھو کا کردار ہی نہیں آتا اور بھی کئی مہربان سامنے آتے ہیں۔

"تجھ پہ محبت" کچھ خاص متاثر نہ کر پائی۔

"موسم کے پکوان" "صرف 2 کپ" "لاہوری تواچکن" اچھا ہے مگر ہم بہت کنفیوژ ہیں کہ توے پر چکن، وہی اور بھی چیزوں کو کیسے ہینڈل کر پائیں گے۔ تو اکتنا سا ہوتا ہے بھلا؟؟

"نفسیاتی ازدواجی الجھنیں" کمال کی ہیں۔ عدنان بھائی کے جوابات پڑھتے رہے اور داد و تحسین دیتے رہے۔ بہت کھرے اور سچے جواب اور مشورے ہوتے ہیں۔

"خوب صورت بنیے" حیران ہوئے کہ برتن دھونے سے ہاتھوں پر فرق پڑتا ہے۔ جبکہ ہمارا ذاتی تجربہ ہے، برتن، فرش اور کپڑے دھونے + آٹا گوندھنے سے ہاتھ سرخ و سفید اور پیارے ہو جاتے ہیں۔ ہر مسئلے کا حل "وضو" میں ہے۔

ج: پیاری صدف! پہلے تو آپ کو یہ بتا دیں کہ ایسا ممکن نہیں کہ آپ کا خط ملے اور ہم شائع نہ کریں۔ ہماری اتنی پیاری اور پورا پرچا پڑھ کر تفصیلی تبصرہ کرنے والی قاری بہن ہمیں کیوں نہ عزیز ہو گی۔

آپ کا خط اسی صورت شائع نہیں ہو پاتا جب تاخیر سے موصول ہوتا ہے یا ہمیں ملتا ہی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بریرہ نے غلط یا صحیح جو بھی قدم اٹھایا۔ نکاح کا بندھن اتنا کچا نہیں ہوتا۔

شادی سے پہلے کی گئی محبتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ طالب علمی کے دور میں لڑکے کئی لڑکیوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد سب بھول جاتے ہیں۔ اس شادی کے بعد پہلی رات یہ بتانا غیر اخلاقی حرکت ہے جو بیوی کو دبانے کے لیے کی جاتی ہے۔ اسے مردوں کا اوچھا پن کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسی ڈینگیں کچھ لڑکیاں بھی مارتی ہیں کہ میرے تو اتنے رشتے آئے تھے۔

بات صرف اتنی ہے کہ ہر انسان کا کوئی ماضی ہوتا ہے اسے کسی کو بتانے، جتانے یا دہرانے کی حرکت فضول ہے۔ نہ اسے اہمیت دینا چاہیے بریرہ کا کردار رول ماڈل نہیں کہا جا سکتا نکاح کا ایک رشتہ صرف ایک مرد سے نہیں بہت سارے لوگوں سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کے ٹوٹنے سے دونوں خاندانوں پر اثرات ہوتے ہیں۔ خصوصاً برادری سسٹم ہو تو۔

ناہید اسماعیل...... کراچی

جنوری کا رسالہ ہمارے سامنے ہے ایک اور خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ۔ ماڈل کا لباس جیولری سے زیادہ دیدہ زیب ہے۔

کرن کرن روشنی میں نماز کے فوائد اور فضائل پہ



Scanned with CamScanner

digest.library.com

روشنی ڈالی گئی جس سے نفلی عبادات کی اہمیت مزید اجاگر ہوئی۔ انشا سے انشا کی باتیں دل کو چھو گئیں۔ میں جب بھی انشا جی کے بارے میں ایسی تحریر پڑھتی ہوں انشا جی کی باتیں ان سے جڑے واقعات جو دل کو گداز کر دینے والا بڑا گہرا تاثر ڈالتے ہیں اس سوچ کے ساتھ کہ کتنے پیارے نایاب لوگ ہم سے بچھڑ گئے۔

دھڑکتے دل کے ساتھ "کر چلے جاں نثار" کے صفحات کھولے جہاں بشارکی جی داری نے قدم قدم پر حیران کیا اور دوسری طرف ڈائری میں لکھے اس کے انوکھے خطوط نے دل موہ لیا۔ بن پاکھی کے محمد رافع کے بعد بشار وہ ہیرو ہے جسے ہم بھلائے نہ بھول سکیں گے۔ اویس اور لائبہ کے جیسی بہادری اور مخلصی اس دور میں انمول اور نایاب ہے۔ محراب خان وقت کا فرعون تھا اور فرعون کا مقدر دریا کی لہریں ہی تھیں۔ اس کے انجام پر دلی خوشی ہوئی۔

کہانی کو بڑی خوب صورتی سے سمیٹا گیا کہ کہیں معمولی سی کمی نہ رہی۔ سعیدہ عمیرا آپ کا بہت شکریہ، آپ نے ہم قارئین کو مایوس نہیں کیا اور اتنا خوب صورت اختتام وانجام لکھا۔ سعیدہ۔ پلیز ہمیں دوسرا ناول بھی ایسا ہی اور جلد از جلد چاہیے۔ اجیال کی پہلی قسط خاصی اچھی رہی، کچھ اسرار، کچھ چھپے راز جو کہانی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھیں گے اور سلجھیں گے۔

آسیہ رئیس خان کی تحریر موضوع اور عنوان کی انفرادیت کے سبب پورے شمارے کی جان رہی سینکڑوں لاکھوں میں کوئی ایک لڑکی بریرہ جیسی ہوتی ہے، ہر لڑکی کے لیے بریرہ کا کردار رول ماڈل ہونا چاہیے مگر کیا کیا جائے کہ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کو اپنی عزت نفس وخود داری کو کچل کر گھر بسانے کی تربیت دی جاتی ہے۔

فشا محسن کا ناولٹ اچھا لگا بڑے بھیا کی خود غرضی نے جگنو نے چندا کی راہ میں بچھائے وہ محض چند دن کی چبھن کے بعد پھولوں بھری رہگزر میں تبدیل ہو گئے۔

افسانوں میں "باسی سالن" سبق آموز تھا۔ باسی سالن کی میمونہ بیگم کے ساتھ نازش نے وہ کیا جو وہ اماں بی کے ساتھ کرتی تھیں تب انہیں سبق ملا۔ ساجدہ رمضان نے بہت اچھی تحریر پیش کی۔ کمال کو قسمت نے اچھا

زیادتیوں کا احساس اور بھر ازالہ کا موقع دیا تو اس نے مزید دیر کیے بغیر رشتوں کے بندھن مضبوط کر لیے۔ عائشہ شبیر کا افسانہ اچھا لگا جس میں انہوں نے ثمرین کی تقدیر پر لگا تالا اپنی تدبیر سے کھول ڈالا اور دوسری طرف شبانہ کی آمد پر تالا لگا دیا۔ واصف کی آمد وہ کارآمد چابی بنی جس سے اکبر کی عقل کا تالا بھی کھل گیا اور اس کے کھلنے سے ثمرین کی زندگی میں خوشیوں کے دروازے کھل گئے۔ ہم نے تالے کی گردان یوں کی کہ واقعی اس کہانی کا عنوان موزوں ترین لگا۔

عروج عالم نے راحت اور راحت کے ذریعے ایک یادگار پیغام دیا کہ نیکی پلٹ کر ضرور آتی ہے۔ ریحانہ وقاص کا افسانہ پسند آیا۔

حمیرا شفیع سے ملاقات کی خواہش اس بار پوری ہو گئی شنو آپی کا شکریہ۔ حمیرا اپنی ہلکی پھلکی موڈ فریشر تحریروں کی طرح خود بھی بہت پیاری لگیں۔ ان کی فیملی کے بارے میں جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کیونکہ ہم انہیں غیر شادی شدہ سمجھتے تھے۔

سحر خان اچھی پرفارمر ہیں ان سے باتیں پسند آئیں، موسم کے پکوان اور بیوٹی بکس کے مشورے ہم ایسے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں کہ بس اب تو عمل کر ہی ڈالیں گے لیکن آپ ہی بتائیے ازل کے سست لوگ بھی کچھ کر پائے ہیں؟ ہاہا...... ڈائری تمام بہنوں کی اچھی اور اسامہ بنت فیاض کی زبردست تھی۔ اس ماہ بیاض کے تمام ہی اشعار بہترین تھے کچھ یاد سا آ رہا ہے کہ ابتدائی تینوں اشعار ہم نے بھیجے تھے۔ نظمیں غزلیں میں امجد اسلام امجد ہمارے فیورٹ شاعر ہیں لیکن زاہد فخری کی غزل نے زیادہ متاثر کیا۔ رنگا رنگ پھول میں استاد کا آخری سبق پڑھ کر مزہ آ گیا۔ نفسیاتی الجھنیں میں دونوں بہنوں کے مسائل پڑھ کر غصہ سا آیا مگر عدنان بھیا کے کھرے جوابات نے مطمئن کیا۔ یعنی کہ حد ہو گئی بھئی۔

اب ذکر اس پیاری محفل کا جس کا دورہ ہم سب سے پہلے کرتے ہیں۔ اپنے تبصرے کا جواب سب سے پہلے پڑھا اور یوں سمجھیں دل کی وہ کیفیت ہوئی، دل گارڈن اور باغ باغ والی تمام مثالیں پھیکی پڑ گئیں۔ شائلہ



Scanned with CamScanner

بشیر کے دو خطوط ہیں دونوں بہت اچھے لگے ان کا دوسرا خط اور ایمن بلال کے خط میں ڈائجسٹ کے بارے میں جتنی باتیں لکھیں، میرے دل کی باتیں ہیں یقین کیجیے۔ ڈائجسٹ سے ہمیں وہ مثبت تربیت ملی جو کہیں سے بھی نہیں مل سکتی۔ سلمٰی مسرت سسٹر اچ میں میں نے آپ کی تجویز کو پسند بھی کیا اور اس کا ذکر اپنے خط میں بھی کیا تھا۔

صدف اس ماہ غیر حاضر ہیں ریحانہ چودھری اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ کا تبصرہ اتنا خوب صورت ہوتا ہے کہ آپ کی شاگرد بننے کا دل چاہتا ہے بنانا پسند کریں گی نا؟ فرخندہ سلیم کا تبصرہ دلکش لگا۔ باقی تمام خطوط اور تبصرے مختصر ہوں یا طویل بھی اچھے ہیں۔

ج: پیاری ناہید! آپ جانتی ہیں کہ کسی پرچے کی خوش بختی کیا ہوتی ہے؟ پرچے کی خوش بختی یہ ہے کہ بہترین لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ اسے باذوق، ذہین اور وسیع النظر قارئین کا ساتھ میسر آجائے۔ قارئین کی پذیرائی نہ ملے تو ساری محنت دھری رہ جاتی ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ ہمیں باصلاحیت مصنفین اور باذوق قارئین بھی ملے۔ ہماری سب ہی قارئین تحریروں کے بارے میں ایک واضح نقطہ نظر رکھتی ہیں اور بڑے عمدہ الفاظ میں اسے بیان کرتی ہیں اور آپ کو تو ماشاء اللہ استاد کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اب آپ ریحانہ چودھری کو یہ درجہ دینا چاہتی ہیں۔ ریحانہ چوہدری واقعی بہت اچھے خط لکھتی ہیں۔ بہرحال بہت شکریہ، آپ کا خط پڑھ کر تسلی ہوتی ہے کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو مطالعہ کا صحیح ذوق رکھتے ہیں۔

رضوانہ وقاص کرلال ہری پور

میں سب سے ناراض ہوں کہ کسی دوست نے مجھے یاد نہیں کیا۔ گیارھویں مہینے سے بیمار ہوا ہے۔ اتنا زیادہ نہ کسی سے بات کرنے کا نہ کھانے پینے کا دل کرتا ہے۔ امی نے بولا "تم ہمت ہارتی جارہی ہو۔ دل کو مضبوط کرو۔" رضوانہ نے خوب ہر مہینے لا کر دیتے تھے۔ لیکن پڑھ نہیں سکی کیا کام ہوا بیمار سے تو پڑھوں گی امی نے ہمت بندھائی ہے کہ دل کو کہیں لگاؤ، کتابیں پڑھو۔ خط لکھو۔

اب آتے ہیں خواتین کی طرف جو 11 تاریخ کو ملا ماڈل تیار ہوئی بہت ہی اچھی لگی۔ اب ان شاء اللہ سعد کی شادی میں تیار ہوں گی۔ اور اپنی سب رسالے پڑھنے والی دوستوں کو بلاؤں گی۔ ماڈل کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا ہے۔

"کہنی سنی" پڑھی "کرن کرن روشنی" پڑھی۔ باتیں بہت ہی اچھی۔ "باتیں سحر خان سے" تصویر تو کوئی اچھی سی دیتیں۔ ڈراما لکھنے والی لڑکیوں سے یہی درخواست ہے میری۔ کپڑے بھی صحیح پہنیں اور دوپٹہ بھی سر پر لیا کریں۔

حمیرا شفیق میں نے سمجھا کالج پڑھتی لڑکی ہے (ہاہاہا) آپ نے اپنے والدین کی ... کی یہ بات اچھی لگی۔ مجھے اب بہت غصہ آنے لگ گیا ہے۔ چڑچڑی ہو گئی ہوں پتا نہیں کیوں ایسی ہوتی جارہی ہوں۔ بہت بیمار لیکن کوشش پھر بھی یہی کرتی ہوں کہ دوسروں کا خیال رکھ سکوں۔ "باسی سالن" فاطمہ نے اپنی اماں کو صحیح کہا کہ اگر کسی کے ساتھ بھلائی کرنی ہے تو اچھے طریقے سے کیجیے۔ باسی سالن بے چاری اماں بی کیسے کھاتی۔ چلیں جی سیمہ بیگم اپنی بھابھی کے گھر گئیں تو سمجھ آ گئی۔

"تجدید محبت" کمال صاحب کو بھائی کے ساتھ ایسا رویہ نہیں رکھنا تھا۔ ہمیں پہلے ہی سنبھل جانا چاہیے نہ کہ ٹھوکر لگے تو تب ہی۔ "پنکھڑی" اچھا لکھا مشا محسن علی نے۔ ہنسی مذاق بھی اور دکھ بھی۔ بھائیوں ... بہنوں کا خیال رکھنا چاہیے نہ کہ بوجھ، میری ایک عزیز دوست صباح نام ہے اس کا اگر میری کوئی بہن، دوست پڑھے تو ان کا پتا لگا تو ضرور بتانا ہے کہاں کھو گئی ہے۔ پلیز صباح خود اگر پڑھے تو مجھ سے لازمی رابطہ کرے۔

اور میرے بھتیجا افنان کی 3 جنوری کو سالگرہ ہے۔ ماشاء اللہ

زندگی کا کوئی بھروسا نہیں، بہت بیمار ہوں اب کہانی بہت ہے۔ میرے لیے سب نے دعا کرنی ہے شکریہ۔

ج: پیاری رضوانہ اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو اور آپ کے بھتیجے افنان کو خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے اور آپ کو صحت اور تندرستی کے ساتھ اپنے پوتوں اور پوتیوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب ہوں۔ آمین

رضوانہ بہن غصہ نہ کیا کریں۔ آپ کی امی بہت

digest library.com

اچھی ہیں۔ انھیں تکلیف ہوگی آپ کے غصہ سے اور دوسرے لوگ بھی بیزار ہو جائیں آپ بیماری کی وجہ سے بیزار ہو گئی ہیں۔ یہ فطری بات ہے بس کوشش کریں کہ اپنے غصہ پر قابو پالیں۔

سلمٰی مسرت......راولپنڈی

آپ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے اتنے سارے لوگوں کا خیال رکھنا بس ایک چھوٹی سی شکایت ہے کہ خواتین کے اکثر سروے رہ جاتے ہیں میں نے آپ کو تجویز دی تھی کہ جس مہینے قارئین بہنوں کا سروے لگتا ہو۔ اس ماہ میں انٹرویوز یا دوسرے سلسلوں میں سے کچھ ڈراپ کر دیا کریں اتنے شوق سے سب شرکت کرتی ہیں، اپنے جواب نہ پا کر تھوڑی سی مایوسی ہوتی ہے ابھی بھی آپ فروری میں شائع کر دیں سال نو کے سوالات نئے ناول کو ابھی پڑھا نہیں ہے بعد میں تبصرہ ہوگا۔

دراصل میرا اپنا دسمبر بہت زیادہ اداس گزرا خطوط کی محفل میں کوثی کے خط نے بہت زیادہ دکھی کر دیا، فی الحال کچھ بھی نہیں پڑھ سکی۔

ابھی پچھلے لوگوں کی جدائی بھولی نہیں تھی کہ ہماری فیملی میں 21 دسمبر کو چھ بہنوں کا اکلوتا بھائی اپنے چار معصوم بچے جن کی عمریں سات سال سے ایک سال تک ہیں، والدہ بہنوں بیوی کو روتا چھوڑ گیا دھند کی وجہ سے موٹر سائیکل ایکسیڈنٹ میں موقع پر ہی ڈیتھ ہو گئی پھر جنوری کے پہلے ہفتے میں ہی تین اموات ہوئیں جن میں میری بڑی بہو عائشہ کا جواں سال بھائی بھی شامل ہے۔ اللہ سب کی مغفرت کرے۔

تو کوثی بی بی اللہ نے آپ کو بہت بہادر بنایا ہے اللہ اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا یہ تو آزمائش ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی بہن اور بھانجی کے لیے ضرور اسباب پیدا کرے گا اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ سب قاری بہنیں کیوں اجالا اور مالا کی ڈیتھ پر اداس ہوئی ہیں، ہر گھر میں ایسی ہی ملتی جلتی پریشانیاں ہیں چاہے خیالی دنیا سہی اگر رائیٹرز اچھے خوش گوار انجام لکھ دیں تو کتنے دلوں کو خوشی ملے گی اب تو ٹی وی والے بھی انجام سے مایوس کر رہے ہیں۔ میرا فیورٹ ڈراما ''میں زمین تو آسمان'' میں بھی ہیرو کو مار دیا۔

تو پلیز وقتی سہی تھوڑی سی خوشی دے دیا کریں۔

ج: پیاری مسرت! آپ کا خط شامل اشاعت ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

ریحانہ چودھری......مدوکے

جنوری کا خواتین ڈائجسٹ ہمارے ہاتھ میں ہے اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ارسلان کے لیے بھی ایسی خوبصورت اور اتنی ہی خوب سیرت دلہن عطا فرمائے آمین۔

حسنٰی حسین کے نئے ناول (اجیال) کا آغاز ایک انتہائی دل کو چھو لینے والی نظم کے ساتھ ہوا ہے۔ مگر جب پڑھنا شروع کیا تو فی الحال تو اس کے ہر منظر میں ہر جذبے میں شدت ہی شدت نظر آئی ہے۔ کبیر بہت پراسرار بہت سفاک، بہت سی نفرت، بہت ہی حقارت، بہت سا صبر، بہت سی برداشت گویا جذبات کا ہر رنگ بہت مہارت سے برتا گیا ہو۔ یوں محسوس ہوا جیسے کسی کی محبت کی سرزمین پہ ان تمام فصلوں کی کاشت ہوئی ہے۔

عمارہ صفدر کا افسانہ (باسی سالن) ایک سبق آموز تحریر تھی۔ ساجدہ رمضان کا (تجدید محبت) بھی سادہ سی گاؤں کے مزاج سے مطابقت رکھنے والی خوبصورت تحریر تھی۔ (آسیہ رئیس خان) کا ناول (ہمت دشوار پسند) ایک مشکل پسند لڑکی کی بہت ثابت قدمی سے اپنے فیصلے پر ڈٹ جانے والی داستان تھی جو اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے اچھی لگی۔

سعدیہ عمیر بہترین ناول کا بہترین اختتام ویل ڈن الفاظ میں تعریف ممکن نہیں لگ رہی۔ مروج عالم کا۔ (راحت اور راحت) کر بھلا ہو بھلا کی تفسیر لگ رہا ہے۔ اچھا افسانہ تھا۔ ناہید اسماعیل کی ڈائری کا ورق بلاشبہ سارے کلام پہ فائق تھا جو کہ بلا مبالغہ بہترین انتخاب تھا۔ ناہید کمال کا ذوق پایا ہے آپ نے۔

ریحانہ وقاص کا (محبت کا سبق) پڑھ کر کئی بار دل میں ایک ہوک سی سنائی دی۔ رائٹر کی بات سے بھرپور اتفاق ہے کہ یہ۔ ماؤں کے ساتھ ہی ہوتا ہے جب ماں نہ



Scanned with CamScanner

digest library.com

رہے تو باپ تو خود اس عمر میں زندگی کے دن پورے کرتے نظر آتے ہیں۔

جب سورج صاحب نے میرے آنگن میں جھانکنے کی کوشش کی تو نویلہ (میری دیورانی) بھی پالک لے کر میرے پاس آ گئی کہ دھوپ میں بیٹھ کر کاٹ لیتی ہوں تو پھر پالک بناتے ہوئے اس کو ریحانہ وقاص کا افسانہ کہانی کی صورت سنایا تو وہ بھی بہت متاثر ہوئی۔ ثنا سفیان خان، آپ کو خواتین کی محفل میں خوش آمدید آسیہ رئیس خان کا تعلق بھی انڈیا سے ہے یہ ہم نہیں جانتے تھے۔ کوثی آپ کی بہن کے حالات جان کر دل دکھی ہو گیا۔ اللہ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے آمین۔

ارے واہ کمال ہو گیا ہماری تو حمیرا شفیع سے ملاقات ہو رہی ہے۔ بھئی سچ کہوں میں تو آپ کو ابھی چھوٹی سی عمر کی لڑکی سمجھتی تھی۔ بہر حال حمیرا ایک گداز دل رکھنے والی، پیار کرنے والی تابعدار با ہمت بیٹی، محبت کرنے والی بیوی اور شفیق اور ذمہ دار والدہ کے روپ میں بہت معتبر نظر آ گئیں۔

حنا محسن علی کا ناولٹ بیگم شروع کیا تو ایسا لگا کہ یہ ایک مزاحیہ تحریر ہوگی، مگر جوں جوں آگے بڑھتے گئے یہ تو ہمارے معاشرے میں موجود بے رحم حقائق کو مصنفہ نے چھا اور بیگم کے مضبوط کرداروں کے ذریعے بے نقاب کیا۔ آپ کو بتاؤں کل ہمارے گاؤں مدوکے میں میلہ تھا۔ سارا دن ڈھول بجتے رہے۔ شور و غل ہوتا رہا۔ پھر ایک فوتگی پہ بھی جانا پڑ گیا ورنہ کل ہی خط مکمل کر کے آپ کو بھیج دیتی۔

پیاری ریحانہ بہت شکریہ۔ آپ نے ہماری محفل کو رونق بخشی۔ آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی ہے، اتنا اچھا تبصرہ کرتی ہیں آپ اور بہت تفصیل کے ساتھ ہر کہانی کو پڑھ کر کرتی ہیں۔

سمن تحریم..... میانوالی

میں خواتین ڈائجسٹ میں لکھنا چاہتی ہوں مگر میرے حالات بہت ناساز گار ہیں۔ میرے پاس ایک موبائل فون ہی ہے۔ جس کے ذریعے میں میل پر آپ لوگوں سے رابطہ کر سکتی ہوں، وہ میرے لیے انتہائی مشکل ہے۔ میری ماں بے بس اور بے روزگار ہے جنہیں صبح شام کھانے کے طعنے ملتے ہیں اور اس پہ ظلم یہ کہ اگر ہم خود سے کچھ کمانا چاہیں تو بات ہمارے قتل پہ آ کر رکتی ہے۔

میرے پاس بہت محدود وسائل ہیں۔ یہ لکھنا بھی جب تک جب تک میں اس چیز کو چھپا سکتی ہوں اگر میرے باپ کو پتا چلا تو وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

سمن تحریم! آپ کے حالات زندگی پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں بہتری کرے۔

آپ خواتین شعاع میں لکھنا چاہتی ہیں اس کے لیے آپ کو خواتین شعاع کا گہرائی سے مطالعہ کرنا پڑے گا آپ کی تحریر "محرم محبت" ناقابل اشاعت ہے۔

ویسے بھی آپ افسانہ نگاری کو آمدنی کا ذریعہ نہیں بنا سکتی ہیں کیوں کہ پرنٹ میڈیا میں اتنی آمدنی نہیں ہے۔ آپ آن لائن کوئی ہنر سیکھ کر آمدنی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔

ثانی رانی..... نوشہرہ خان

"مالا" کے بارے میں فیڈ بیک دینا تھا۔ ہائے یہ کیا کیا آپ نے نمرہ جی!!! وہی ہوا نا آخر جس کا ڈر تھا۔ یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا چار سال پڑھ پڑھ کر آخر اینڈ تک کیا ہوگی؟

مالا نے اتنے سال اسٹرگل کی اس کا پھل اسے نہ مل سکا۔ ذارا اتنا کچھ کر کے بھی وہی لائف گزار رہی ہے اسے کچھ فرق نہ پڑا۔ ہیر بل پھر بھی وہی ہے لڑکیوں کے ہاتھوں کھلونا بننے والا۔ مالا کے ساتھ یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا آپ کو۔ زیادا آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ ماہر کو کچھ نہ ملا۔

ج۔ پیاری ثانی..... آپ نے اتنی کوشش کر کے ہمیں خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ نمرہ کے ناول کا اختتام آپ کو پسند نہیں آیا۔ لیکن مصنف کی خوشی اسی میں تھی۔ ہمیں بھی مالا کا دکھ ہے۔ آپ یہ سوچیں کہ زندگی میں ہمیشہ وہی نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے۔ سب اچھا اچھا کہاں ہوتا ہے۔

☆☆



Scanned with CamScanner

## حسنیٰ حسین

# ابتہال

### دوسری قسط

شاہ زیب اور میرال کی بیٹی ابتہال جو اپنی دادی عصمت بیگم کے گھر پرورش پا رہی ہے شاہ زیب اپنی دوسری بیوی اور بچوں کے ساتھ پردیس میں ہیں۔ میرال اور ابتہال نوکروں کی مانند زندگی گزار رہی ہیں۔

دل ربا اپنے نام کی طرح خوب صورت لیکن بدمزاج ہے، وہ اپنے شوہر شاہزل کو ناپسند کرتی ہے اسے اپنی ننھی سی بیٹی امل سے بھی کوئی لگاؤ نہیں وہ ہر صورت شاہزل سے طلاق اور اپنے سابقہ محبوب فیضان سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

عصمت بیگم ابتہال کی شادی کرنا چاہتی ہے، زندگی میں پہلی بار میرال ان کے حکم کے خلاف آواز اٹھاتی ہے اسے گھر سے بھاگی ہوئی ماں کی بیٹی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

ہوا کے دن ہیں!
میں سن رہا ہوں
مکان قبروں کی خامشی سے بھرے ہوئے ہیں
مکین سانسوں کی سرحدوں پر
گھٹن کے حملے کا شور سن کر ڈرے ہوئے ہیں

تری گلی سے گزر کے دن کی
فصیل کو پار کرنے والے
اداس راتوں کی بیرکوں میں دھرے ہوئے ہیں
بلا کے دن ہیں

میں دیکھتا ہوں
پناہ گاہوں کی چوکھٹوں پر اللہ کی مخلوق ہاتھ جوڑے ہوئے کھڑی ہے
ہجوم چہرے چھپائے پھرتا ہے
خوف کی اک صلیب ہر راہ پر گڑی ہے
میں آئینہ بن کے دیکھتا ہوں
وہ آنکھ منظر کے خالی پن سے اٹی پڑی ہے
سزا کے دن ہیں!
میں سوچتا ہوں
زمین فاقے سے مرنے والوں کی اجتماعی لحد سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے
کوئی بھی آفت دلوں میں پلتے حسد سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے
کسی بھی اجڑے دیار کا دکھ
ترے تبسم کو ڈھونڈتے خال و خد سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے
دُعا کے دن ہیں!
میں بولتا ہوں
مری مناجات سن کے شب کی
ضعیف پیشانی جھک گئی ہے
سوال کے پیرہن میں لپٹی پکار بھی تا اُفق گئی ہے

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

ہمارے ہاتھوں کے درمیاں جتنا فاصلہ ہے
دعا اثر سے بس اتنی دوری پہ رُک گئی ہے

وبا کے دن ہیں
میں مانتا ہوں
یہ دُکھ بھری رات کا سفر ہے
جواب کی جستجو میں چلتے ہوئے سوالات کا سفر ہے
مگر مجھے کوئی ڈر نہیں ہے
کہ مجھ کو درپیش ہجر کی رات کا سفر ہے
(عدنان محسن)

☆☆☆

ظہیر ہاؤس/اسلام آباد:

لاؤنج کی بتیاں کچھ دھیمی روشن تھیں، زرکار تاثر گھر کے ہر کونے سے جھلکتا تھا، چمک دار ٹائلز سیلنگ کا عکس دکھلاتے تھے، دیوار گیر کھڑکیوں سے لان کا سبزہ اور بیرونی دیوار کی سجاوٹ نظر آرہی تھی۔

وسط میں صوفے پر براجمان وہ سینے پر بازو باندھے بیٹھی تھی۔ اس کے لمبے سیاہ بال پشت پر گندھے ہوئے تھے، گھنیری سیاہ پلکوں پر کہیں کہیں آنسوؤں کی نمی ٹھہری تھی۔ سر جھکا ہوا تھا۔

اوپری منزل کی ریلنگ پر اپنے نائٹ گاؤن میں ملبوس مسز ظہیر نے یہ منظر انتہائی دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ریشم!! میں نے اس لڑکی کو درست چنا ہے یا غلط؟"

"آپ کا انتخاب ہمیشہ درست رہا ہے، بیگم!"

"لیکن اپنی بیٹی کے لیے تو میرا انتخاب غلط ہی ثابت ہوا۔" ریشم تاسف سے سر جھکا گئی۔

"ہر بار میرا فیصلہ درست نہیں ہوسکتا۔ دعا کرتی ہوں یہ فیصلہ درست رہے!"

گہری سانس بھر کر انہوں نے گاؤن کی ڈوری باندھی، اپنے گھنگھریالے بالوں میں ہاتھ چلاتے وہ سیڑھیاں اترنے لگیں۔ رات کے نو بجے آئلہ حدید کی آمد ان کے لیے اچنبھے کی بات نہ تھی۔

"ہمارے لیے چائے کا انتظام کرو، آج کی رات لمبی ہونے والی ہے!"

ریشم نے اثبات میں سر کو جنبش دی تھی۔

سیڑھیاں اتر کر انہوں نے سیدھا لاؤنج کا رخ کیا تھا۔ ان کے جوتوں کی ٹک ٹک سناٹے میں چہار سو گونجی، آئلہ نے بے اختیار سر اٹھایا۔ مسز ظہیر نے اب کے اس کا چہرہ واضح دیکھا۔

اس کی سبزی مائل براؤن آنکھوں میں غصے کا سمندر تھما تھا، دودھیا رنگت میں خون کی سرخی ٹھہری تھی، کٹاؤ لیے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

"ہیلو آئلہ!"

وہ ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھی، نہ ان کی ہیلو کا کوئی جواب دیا۔ ریشم ان کے عقب میں اوپن کچن کی طرف جا چکی تھی، کیبنٹ کھولے، وہ چائے کا انتظام کرنے لگی تھی۔ اس نے مسز ظہیر کے حکم پر لاؤنج کی تمام لائٹس کو مزید ہلکا کر دیا تھا۔ نیم تاریک سا منظر، روشنی اور اندھیرے سے الجھتا ہوا ان کی آنکھوں کو بھلا لگا۔

وہ اس کے سامنے سنگل صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے براجمان ہو چکی تھیں۔



digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

کچھ ہی دیر میں ریشم دوبارہ آئی تو اس کے ہاتھ میں باکس تھا، اس نے وہ باکس ان کے سامنے میز پر رکھ دیا تھا۔

"رفیق کیسا ہے؟"

آئلہ کی پتھریلی نگاہیں ان کے چہرے پر جمی رہیں، لب ساکت اور وجود مجسمہ رہا۔

"مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی!"

"مجھے بھی رفیق سے یہ امید نہیں تھی، سخت مایوس کیا ہے اس نے مجھے...... ....."

"آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں، میرے تایا بے گناہ ہیں!"

"جانتی ہوں ڈیئر میں ہی تو جانتی ہوں!"

ہونٹوں پر مسکان سجائے مسز ظہیر صوفے کی پشت گاہ پر اپنا بازو لمبا کیے اسے انتہائی دلچسپ نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

digest library.com

"میں تو کبھی نہیں چاہتی تھی، بات تمہارے تایا تک پہنچے، ان کا لہجہ سنجیدہ تھا۔" میں نے اپنے لائیر سے تمہارے تایا کی کیس ہسٹری معلوم کی ہے، بیس پچیس سال تک کنفرم جیل ہے!"

مستقبل کا ایک خوفناک سا نقشہ کھینچتے انہوں نے اسے تاریکی میں دھکیل دیا۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" بہت سوچ سمجھ کر اس نے سوال کیا تھا۔ دونوں ہاتھ آپس میں پیوست تھے۔

"دو سال پہلے بھی بتایا تھا، اب دوبارہ بتا رہی ہوں، تمہاری زندگی چاہیے، دے سکتی ہو؟؟"

ریشم چائے کے ساتھ حاضر ہوئی، ایک کپ اس نے اپنی مالکن کو پیش کر دیا تھا، دوسرا کپ اس نے آئلہ کے سامنے رکھ دیا۔

"بدلے میں تمہارے تایا کو میں کل ہی آزاد کروا دوں گی...."

"کھل کر بات کریں۔" اس کی دھڑکن اب تیز ہو چکی تھی، وجود ان گنت جالوں میں لپٹ چکا تھا۔ وہ جانتی تھی، واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا، اب جواب کسی بھی صورت انکار میں نہیں دیا جا سکتا تھا۔

"کھل کر ہی کرنے لگی ہوں۔"

انہوں نے ریشم کو اشارہ کیا، ریشم نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ باکس کھول دیا۔ اس میں کچھ کاغذات اور تصاویر تھیں جو وہ ایک ایک کر کے اس کے سامنے رکھتی گئی...

آئلہ پہلی نگاہ میں ہی اس چہرے کو پہچان گئی تھی جو اس کے سامنے سب سے پہلے رکھا گیا تھا۔ وہ ملک کے ایک معروف انڈسٹریلسٹ کا چھوٹا بیٹا مردان جلال تھا۔ وان گروپ آف انڈسٹریز کا مالک......

اخبار کے تراشے، اور ٹیب پر کچھ ہیڈ لائنز کے نمونے بھی دکھائے گئے۔ پھر شادی ایونٹ کی کچھ تصاویر بھی دکھائی گئیں۔ ان تصاویر سے جڑی ہر حکایت اسے اچھے سے ازبر تھی، ٹی وی اسکرین پر چلتی ہیڈ لائنز کا شور اس کی سماعت سے ایک بار پھر ٹکرایا، سوشل میڈیا پر وائرل، ہوتی دلہن کا چہرہ آنکھوں میں آ گیا، ایک خبر، ایک اطلاع، اور تجزیہ پیش کرتی ہر پوسٹ اس کی آنکھوں میں گھوم گئی...... ہر تصویر جو اس نے دیکھی، ہر لفظ جو اس نے پڑھا، سب ایک ہی پل میں اسے یاد آ گیا۔

"جو کہانیاں زہر سے شروع ہوں، کیا انہیں زہر پر ہی ختم نہیں ہونا چاہیے!" اپنے گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں چلاتے وہ سنجیدگی سے بولیں۔ آئلہ کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے تھم سی گئی۔ "مائی موسٹ فیورٹ رائٹر کا قول ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟"



Scanned with CamScanner

digest library.com

آئلہ کی خاموش نگاہیں ان کے چہرے پر جمی رہیں، لب ساکت، خیال جامد رہے۔ وہ ان کی ذومعنی گفتگو سے کچھ بھی اخذ نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ مسکرا کر سیدھی ہوئیں۔ ''اینی ویز...... کام کی بات کرتے ہیں!''

مسز ظہیر اب کے بولنا شروع ہوئیں تو اس کا سانس رکنے لگا، پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی، اور سر پہ آسمان ٹوٹنے لگا۔

مختصر سے لفظوں میں ایک سادہ سی پیشکش کر کے انہوں نے اس کے وجود کے پرخچے اڑا دیے، آنکھوں میں صدمہ اور بے یقینی لیے وہ مسز ظہیر کو دیکھ کر رہ گئی۔ سانس رک چکا تھا، دماغ تاریک...... کان سائیں سائیں کر رہے تھے،

مسز ظہیر کا پورا منصوبہ تیار تھا، وہ مکمل پلاننگ کے ساتھ میدان میں اتری تھیں، ان کے مہرے تیار تھے، ان کی سوچ واضح تھی...... ان کا انتقامی فیصلہ آج بھی قائم تھا۔

آئلہ اپنی جگہ سے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی، بیگ کی اسٹریپس پر گرفت بڑھائے، آنکھوں میں وحشت لیے......

''آپ...... آپ ہوش میں تو ہیں؟؟''

اپنی آنکھوں میں دلچسپی لیے انہوں نے مسکرا کر آئلہ کو دیکھا۔ ''بالکل ہوں!!

''یہ آپ کس قسم کا مطالبہ کر رہی ہیں مجھ سے؟''

''جانتی ہوں! مستقبل کی ڈاکٹر ہو، تمہارے لیے یہ راستہ مشکل ہے!''

''صرف مشکل نہیں، ناممکن ہے!'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے اس نے آنکھیں مسز ظہیر کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ''ایسی کوئی بات آپ مجھ سے کیسے کر سکتی ہیں؟ کیسے اتنی بے حس ہو سکتی ہیں!''

''اپنی اولاد کے لیے انصاف چاہنا بے حسی ہے؟''

'' کسی دوسرے کی اولاد کو امتحان میں ڈالنا ضرور بے حسی ہے!'' اس کی آنکھیں مکمل نم اور سرخ ہو چکی تھیں۔

'' کس کی اولاد ہو؟ تم کون ہو؟''

آئلہ کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گئیں.

''رفیق اگر تمہارا ساتھ نہ دیتا... تو آج تم کیا ہوتیں؟'' اس کے لہجے کی تلخی، اور تلخی سے جڑا سوال آئلہ کی تکلیف میں اضافہ کر گیا۔ ''میں اگر اس کی مدد نہ کرتی، تو آج تمہارا پڑاؤ کہاں ہوتا!''

وہ لاجواب ہو کر انہیں دیکھتی رہی۔

''آپ کے پاس آ کر میں نے اپنا وقت برباد کیا ہے!''

''تم یہاں سے جا کر زندگی برباد کرو گی۔ اپنی بھی، اور رفیق کی بھی......'' ان کا لہجہ اور تاثرات ایک ہی پل میں سخت ہو چکے تھے۔

آنکھوں میں قہر لیے آئلہ انہیں دیکھتی رہی۔

'' کیا چاہتی ہو تم... تمہارے تایا ساری زندگی کے لیے جیل میں سڑتے رہیں؟''

''وہ چور نہیں ہیں!''

''تو کورٹ میں ثابت کر دو۔ بات ختم!''

''انہوں نے پندرہ سال آپ کی نوکری کی ہے، کچھ تو اللہ کا خوف کریں......''



Scanned with CamScanner

"چلو میں تو ظالم، بے رحم ہوں، تم ہی اہل ترس بن جاؤ، ان پر خوف کھالو، میری پیشکش تسلیم کرلو!"
"قتل ایک چھوٹا جرم نہیں، بڑا گناہ ہے!"
"میرے لیے یہ قتل نہیں قصاص کا ایک روپ ہے!"
"تو پھر کھنکھٹا میں عدالت کے دروازے... ہلا دیں ایوان اور ادارے...... آپ کے پاس تو پیسہ، دولت، طاقت سب کچھ ہے۔"

digest library.com

"مقابل میں اگر کوئی طاقت ور ہو تو وار ناکام ہو جاتا ہے!"
"تو اس کے لیے آپ کو ہم جیسوں کی ضرورت ہے؟"
"تم جیسی کی ضرورت ہے!" مسکرا کر انہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ "میری چال کا ایک بہترین مہرہ تمہارے وجود پر فٹ بیٹھتا ہے! بہت محنت کی ہے میں نے تم پر...... تم میرا وہ کام بآسانی کر سکتی ہو جو کسی اور کو کرنے میں شاید کئی سال لگیں......"
"میں آپ کا کوئی کام نہیں کروں گی!" لہجہ حتمی تھا، نفی میں سر ہلاتے وہ ابھی تک بے یقینی میں مبتلا تھی۔
"یہ آپ لوگوں کی اپنی جنگ ہے، اس میں ہم لوگوں کو نہ ہی گھسیٹیں تو بہتر ہے!"
"ہماری ہر جنگ کامیاب اور ناکام تم لوگوں کی وجہ سے ہوتی ہے،" انہوں نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔
"آپ اپنی بیٹی کے غم میں پاگل ہو چکی ہیں!"
"انتقام اگر ایسے پاگل پن کا نام ہے تو مجھے یہ قبول ہے!" انہیں ذرا برا نہ لگا۔
"میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی، میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گی!"
"یعنی تم اپنے تایا کے لیے جیل کو قبول کر چکی ہو؟"
"میرے تایا کو اس معاملے سے دور رکھیں۔" اب کے اس کا لہجہ سخت اور آواز بلند ہوئی تھی۔
"تو بات یہ ہے آئلہ ڈارلنگ...... تمہارے تایا کو اس معاملے سے دور رکھنا اب تمہارے ذمے ہے، جب تک تم مان نہیں جاتیں تب تک......"
"تب تک آپ انہیں جیل میں بند رکھیں گی؟ بلیک میل کریں گی مجھے؟؟"
"نا نا!! ایسا نہیں سوچا میں نے... میری پلاننگ خاصی لمبی ہے، تمہیں یہاں اس پوزیشن میں لانے کے لیے مجھے دو سال لگے ہیں، مجھے کوئی جلدی نہیں، میں مزید انتظار بھی کر سکتی ہوں۔ اپنے تایا کو چھڑانے کی جو کوشش کرنی ہے کرلو......"
آئلہ کی برداشت کی ہر حد جیسے ختم ہونے لگی۔
"آپ......"
"اتنا ہائپر کیوں ہو رہی ہو بیٹا!! گھر جاؤ، وقت ہے تمہارے پاس، سوچو سمجھو پھر مجھے آگاہ کر دو، کوئی جلدی نہیں!" مسز ظہیر کی آنکھوں میں چمک اور لہجے میں مٹھاس گھل گئی تھی، وہ اس کی کیفیت سے حظ اٹھا رہی تھیں۔ "میں ڈرائیور سے کہہ دیتی ہوں، وہ تمہیں گھر ڈراپ کر دے گا۔"
"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" سرد مہری سے جواب دیتی وہ جانے کے لیے مڑی۔
"میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی آئلہ!"
"واپس تو میں یہاں مر کر ہی آسکتی ہوں۔" سخت لہجے میں کہتے وہ اسی وقت باہر آ گئی تھی۔
فہد باہر ہی اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ "کیا ہوا آپی؟ کوئی بات بنی؟" اپنے باپ کے لیے از حد پریشان



Scanned with CamScanner

اور بے تاب ہو کر اس نے پوچھا تھا۔
"گھر چلو فہد!" شدید سردی میں بھی اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔
فہد نے فوراً بائیک اسٹارٹ کردی، پوش کالونی کا سفر لمبا تھا، واپس اپنے محلے تک پہنچتے انہیں گھنٹہ لگا۔
تنگ و تاریک گلیوں سے ہوتی ہوئی بائیک ایک بوسیدہ گیٹ کے سامنے رک گئی۔ فہد نے ہارن دیا تو عائشہ
نے دروازہ کھول دیا۔
digest library.com
بائیک سے اتر کروہ سیدھا اندر داخل ہوئی تھی۔
ناصرہ تائی اس کے انتظار میں پریشانی سے کچی اینٹوں کے صحن میں ٹہل رہی تھیں، آئلہ پر نگاہ پڑتے وہ فوراً
اس کی طرف لپکیں۔
"کیا...... کیا کہا میم صاحبہ نے؟"
وہ انہیں جواب دیے بنا اندر گھر میں چلی گئی۔ دائیں جانب کمرہ کا دروازہ کھولتے اس نے بتی جلا دی، بیگ
اس نے کرسی پر رکھ دیا تھا۔
"آئلہ!" ناصرہ تائی عجلت میں اس کے پیچھے آئی تھیں، ان کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں، دوپٹے سے
جھانکتے الجھے بکھرے بال، چہرہ زرد تھا۔
"کیا کہا میم صاحبہ نے؟ کیا چاہتی ہیں وہ تم سے؟" وہ چپ رہی۔
"آئلہ!" ناصرہ تائی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ "مسئلہ حل کرنے گئی تھیں تم؟"
"ہاں گئی تھی کرنے... نہیں ہوا؟"
"کیوں نہیں ہوا؟" ان کی آنکھوں میں وحشت آن ٹھہری، "وہ ریشم بی بی تو کہہ کر گئی تھیں میم صاحبہ کو صرف
تم سے کام ہے! تم وہ کام کردو تو وہ تمہارے تایا کو چھڑوا دیں گے!"
"نہیں کر سکتی!"
"کیوں نہیں کر سکتیں!" اسے کندھوں سے دبوچ کر وہ چیخ پڑیں۔
"خریدنا چاہتی ہیں وہ مجھے، کیا چاہتی ہیں آپ... بیچ دوں خود کو؟" وہ جواباً زیادہ بلندی سے چلائی۔ ناصرہ
کا وجود ایک لمحے کے لیے پتھر ہوا، آس پاس اندھیرے چھا گئے۔
"کہ... کیا کہہ رہی ہو؟"
"وہ مجھے خریدنا چاہتی ہیں،" شدت جذبات سے اس کی آواز کانپی تھی، آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں، چہرہ
سرخ ہو رہا تھا۔
"رفیق کی رہائی کی قیمت کیا تم ہو؟" بے یقینی سے ان کے لب ہلے۔
"تائی امی......" اسے جھٹکا لگا۔
"تو کر دو ادا یہ قیمت!! بیچ دو خود کو!"
آئلہ کے سر پر جیسے آسمان آ گرا۔
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں!" شدت کرب سے اس کا دل پھٹ گیا۔
"کیوں؟؟ کیا مشکل ہے تمہارے لیے؟ اپنے تایا کے لیے تم اتنا نہیں کر سکتیں؟؟" وہ نیم دیوانی ہو چکی
تھیں۔
"اللہ کے لیے بس کریں" وہ رو پڑی۔
"تمہارے تایا نے تمہارے لیے کیا نہیں کیا... بتاؤ کیا نہیں دیا؟ اپنے بچوں کو سرکاری اسکول میں بھیجا مگر


Scanned with CamScanner

تمہارے لیے خوب خرچا کیا، بھاری فیسیں بھریں، قرضے اٹھائے، تم نے جو جو کورس کرنا چاہے انہوں کروائے، خاندان والوں کی ناراضی مول لے کر تمہیں کالج یونیورسٹی تک بھیجا...... آج... آج انہیں تمہاری ضرورت پڑی ہے تو تم......"

"تائی امی.. خدا کے لیے...... بس کریں"..ہاتھ جوڑ کر وہ گڑگڑائی۔

"کیوں بس کروں میں؟" وہ پوری شدت سے چیخیں۔

ان کی پوری دنیا اجڑ چکی تھی، تین جوان بیٹیوں کا ساتھ تھا، شوہر کی غیر موجودگی میں زندگی کا ادنیٰ سا تصور ہی ان کے لیے سوہانِ روح تھا۔ چوری کا تگڑا کیس تھا ان پر... ساری زندگی ایمان داری سے گزارنے والے رفیق حسن پر اچانک ہی یہ افتاد آ پڑی تھی، جن صاحب کے وہ ڈرائیور تھے، ان کی ہی طرف سے چوری کا الزام لگا تھا، تمام ثبوت ان کے خلاف جاتے تھے، پرچا کٹ چکا تھا، کیس عدالت تک پہنچ گیا تھا، وکیل نے کہہ دیا تھا وہ انہیں نہیں بچا سکتے، مقابل ایک ایسی شخصیت تھی جس کے ساتھ کوئی صلح صفائی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی، چوری کی مد میں جس بھاری رقم کا وہ مطالبہ کر رہے تھے اس کی ادائیگی ناممکن تھی۔ ایسے میں ان کی سابقہ مالکن، مسز ظہیر جن کے یہاں وہ گزشتہ دس سالوں سے ڈرائیونگ کرتے رہے تھے، انہوں نے رابطہ کیا تھا، ریشم کے ذریعے انہوں نے ناصرہ کو مدد کا پیغام بھیجا تھا بدلے میں انہیں آئلہ حدید سے کوئی کام تھا۔

ناصرہ کا خیال تھا، کام کچھ بھی ہو، اپنے تایا کے لیے آئلہ جان کی بازی بھی لگا دے گی... مگر اس کے سامنے وہ تمام کشتیاں جلائے حاضر ہوئی کہ آئلہ حدید مسز ظہیر کو واضح انکار کر کے آئی تھی۔

"خدا کے لیے آئلہ......" روتے گڑگڑاتے اب کے وہ اس کے پیروں میں گر گئیں۔ "میری بچیوں کی خاطر آئلہ...... تم یہ کڑوا گھونٹ پی لو... تم کہتی تھیں نا رفیق... تم ان کے لیے مرجاؤ گی، مر ہی جاؤ آئلہ۔"

آئلہ ساکت پتھر تھی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ ناصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے تایا کے سوا میرا اس دنیا میں کون ہے؟ بتاؤ میں کیا کروں گی، میں کدھر جاؤں گی؟؟ تین جوان بچیاں ہیں میری، ایک معذور ہے، بتاؤ میں خرچے کہاں سے پورے کروں گی، چوری کا الزام ہے، باپ جیل میں ہوگا تو میری بچیوں کے اچھے رشتے کہاں ہوں گے!! خدا کے لیے آئلہ! میری خاطر، میری بچیوں کی خاطر......"

اس کی ساکت پلکوں میں لرزش ہوئی، آنسو گالوں پر پھسل گئے، عائشہ دروازے کے پاس آ گئی تھی، اپنی ماں کو روتا گڑگڑاتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگی تھی، کچھ ہمت کر کے ناصرہ کمرے سے چلی گئیں، اس نے اٹھ کر دروازے پر لاک لگا دیا۔ دروازے کے ساتھ لگی اب وہ دھیمی دھیمی سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔

"آئیہا!" ناصرہ نے ایک بار پھر دروازہ دھڑ دھڑایا۔

"تم کہتی تھیں نا رفیق سے... کہتی تھیں نا، تایا میں کسی دن آپ کے ہر احسان کا قرض چکا دوں گی... تو بس چکا دو قرض......!"

دروازے سے گھسٹ کر وہ ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی، اس کے سامنے سنگل بیڈ رکھا تھا، دائیں طرف کھڑکی تھی اور بائیں جانب ریک تھا، جس میں اس کی تعلیمی اسناد رکھی تھیں، سرٹیفکیٹ اور میڈلز سجے تھے، آرٹ کے نمونے رکھے تھے، کامیابیوں کی حکایتیں دھری تھیں اور خوابوں کی ایک دنیا رکھی تھی۔

"میں بھی پاگل ہوں، کس کے سامنے اپنا سر پھوڑ رہی ہوں!" ناصرہ دروازے کے اس پار کھڑی تھیں "تم تو حدید کی اولاد ہو، وفا تمہارے خون میں ہو ہی نہیں سکتی، جس طرح وہ اپنے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ کر گیا تھا، بالکل اسی طرح آج تم بھی انہیں تنہا کر آئی ہو......" آنسو پونچھتے وہ دروازے سے ہٹ گئی تھیں۔

اس نے اپنا سر گھٹنے پر رکھ لیا تھا۔



digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

صحن میں فہد بوجھل دل کے ساتھ کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

سہ پہر کا سورج غروب ہونے کو تھا۔ درختوں سے گھری سڑک آہنی ریلنگ تک پہنچا کر ختم ہو چکی تھی۔ اس کے آگے اور پیچھے دو جیپیں تھیں، خاص آدمی مسلح گارڈ بھی تھے۔

عقبی نشست کا دروازہ کھولا گیا تو وہ اپنی پوری شان کے ساتھ گاڑی سے اتر آیا تھا۔

سیاہ شلوار سوٹ، قیمتی نفیس بند جوتے، سرمئی شال کندھوں پر ڈالے اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔

اس کے گارڈ مؤدب سے اطراف میں پھیل چکے تھے۔

ریلنگ کا دروازہ اس کے لیے کھولا گیا تھا۔ آہستہ سے قدم اٹھاتے اس نے ایک اچٹتی نگاہ اپنے آبائی قبرستان پر دوڑائی تھی۔ نگاہیں ذرا دیر کو بھٹکتی اس ایک قبر پر جا ٹھہریں۔ جس کے قریب پہنچ کر اس کے قدموں کی حرکت تھم گئی تھی۔

digest library.com

"زرگل بہرام گردیزی!"

ساتھ ہی سن پیدائش، اور سن وفات درج تھی۔

آنکھوں میں سرخی لیے وہ چند لمحوں تک قبر پر لگے کتبے کو دیکھتا رہا۔ پھر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"ہم دو نہیں ایک ہیں!" دو نفیس ہاتھ اس کے کندھوں پر آ ٹھہرے۔ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گڑ گئیں۔

"تم میں! اور میں تم!"

اس نے قبر کی مٹی کو چھوا۔ عقب میں گارڈ چوکنا تھے، گاہے بگاہے وہ اپنے مالک کو بھی دیکھ لیتے تھے۔

"زندگی طاقت کا نام ہے تیمور! طاقت ہے تو سب کچھ ہے!"

اپنی انگلیوں کی کپکپاہٹ کو اس نے مٹھیاں بھینچ کر دبایا۔

"طاقت...... پیسے کی طاقت...... سیاست کی طاقت!"

اس کے عقب میں ریلنگ کے اس پار ہلچل ہونے لگی تھی۔ گارڈ متحرک ہو چکے تھے، وہ گاڑی سے نکلتی شخصیت کے سامنے ادب سے سرخم کرنے لگے تھے۔

ایک گارڈ نے دروازے کے اس پار سے اسے بہرام گردیزی کی آمد کی اطلاع پہنچائی تھی۔

کچھ ہی دیر میں بہرام گردیزی اس کے پہلو میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

معمول کے برعکس آج وہ بھی شلوار سوٹ میں تھے، سفید بال نفاست سے کٹے ہوئے، سر کے بال اور مونچھیں بھوری تھیں، کہیں کہیں سے بال بالکل سفید تھے، مضبوط سراپا۔ عمر کے اس حصے میں بھی چاق و چوبند تھے۔

برابر میں کھڑے اب وہ بھی قبر کو دیکھ رہے تھے۔ مغفرت کی دعا کرتے چند لمحوں کے بعد انہوں نے اپنا رخ اس کی جانب کیا۔

وہ اجنبیوں کی طرح دم سادھے چپ رہا۔ جو جنگ دادا کی وراثت پر شروع ہوئی تھی وہ دونوں کے مابین آج بھی قائم تھی۔

"کس کا غم منانے آتے ہو؟" بہرام گردیزی کے تاثرات میں عجب سرد مہری تھی۔

"اپنے نقصان کا!" اس نے گردن موڑ کر انہیں جواب دیا۔ اس کے اعصاب تناؤ کا شکار تھے۔ کشادہ پیشانی پر لکیریں آ چکی تھیں۔

"زرگل کی موت اور تمہارا نقصان؟؟" بہرام گردیزی کے لہجے میں تمسخر آ گیا۔ "تم نے بابا کی پوری جائیداد بھی ہتھیالی اور بہن کو بھی راستے سے ہٹا دیا!"

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے میں آپ کی چال چلوں گا؟" تیمور کی آواز سخت ہوئی۔

"جو آپ نے چچا کے ساتھ کیا ہے میں بھی وہی کروں گا؟"

بہرام گردیزی کے تاثرات یک دم بدل گئے، غصے سے رگیں ابھر آئیں۔ "منہ بند رکھو تیمور!" آواز پست کیے وہ اپنی بھاری آواز میں غرائے۔

"کیا ایسا نہیں ہوا تھا؟ بڑے بابا کیوں آخری وقت تک یہی بات کہتے رہے؟"

بہرام گردیزی کی آنکھوں میں خون آ چکا تھا۔ اس کے تاثرات پتھریلے، اس کا وجود شعلوں کی زد میں تھا۔

"اور یقیناً اسی وجہ سے انہوں نے آپ کو جائیداد سے بھی عاق کیا۔"

"تیمور!" اب کے ان کی آواز بلند ہوئی تھی۔

"جا رہا ہوں!! مجھے اچھا نہیں لگ رہا زرگل کی قبر پر آپ سے کوئی بحث یا بدمزگی ہو!"

شال کا ایک سرا اپنے دوسرے کندھے پر ڈالتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جا چکا تھا۔

بہرام گردیزی مٹھیاں بھینچے وہاں کھڑے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

زارا کی منگنی پر ہونے والی ملاقات کے بعد سے فیضان نے اپنا نمبر بند کر رکھا تھا، واٹس ایپ کا لاسٹ سین کئی دن پہلے کی تاریخ دکھا رہا تھا، انسٹاگرام پر اس کی غیر حاضری اب طویل ہو چکی تھی اس کا کوئی بھی پیغام کسی بھی ایپ سے موصول نہیں ہو رہا تھا۔ دل ربا از حد پریشان اور بے حد بے قراری تھی، بار بار اس کا نمبر ٹرائے کر کے وہ تھک چکی تھی، نیند آنکھوں سے کوسوں دور، دلی سکون مکمل غارت ہو چکا تھا، وہ پریشان سی کبیر ہاؤس میں بولائی بولائی پھرتی رہی۔

اسے احساس تھا اس نے فیضان کو ناراض کر دیا ہے، وہ اس کی خاطر شاہزل کی جان تک لینے کو تیار تھا، وہ اسے پانے کے لیے راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پار کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اسے صرف دل ربا کا ساتھ چاہیے تھا، مگر دل ربا نے کیا کیا؟؟ وہ خاموش رہی، اور فیضان نے اسی خاموشی کو اپنے لبوں پر طاری کر لیا، اس نے بریک اپ کر لیا، رابطہ منقطع کر دیا۔

چار دن جس کرب میں گزرے، یہ دل ربا ہی جانتی تھی، شاہزل اگر اس سے کوئی بات کرتا تو یقیناً وہ اس سے بھی لڑ پڑتی، تاہم وہ خاموش تھا، اس نے ایک بار بھی اس کی پریشانی کی وجہ پوچھی، نہ اسے گھر سے جانے پر کوئی روک ٹوک کی، پانچویں دن وہ سارا دن گھر سے غیر حاضر رہی، شام میں بھی وہ کافی تاخیر سے گھر لوٹی۔

کبیر منزل میں سناٹوں کا راج تھا، سب اپنے کمروں میں تھے، وہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے بیڈروم میں آ گئی تھی، امل کو سینے پر لٹائے شاہزل بھی گہری نیند میں تھا،

وہ ایک تنفر بھری نگاہ شاہزل پر ڈالے واش روم میں گھس گئی تھی، واش بیسن کے سامنے اس نے اپنا چہرہ دیکھا جو رو رو کر سرخ ہو چکا تھا، نم آنکھوں میں درد ٹھہرا تھا۔

"پلیز فیضان......خدا کے لیے جواب دو!"

اس نے فیضان کے نمبر پر بھیجے جانے والے سینکڑوں میسجز میں ایک اور میسج کا اضافہ کیا، مگر جواب پھر بھی ندارد۔

منہ دھو کر اس نے اپنا لباس تبدیل کر لیا، بالوں کا جوڑا بنائے وہ سنگل صوفے پر بیٹھ گئی تھی، موبائل انگلیوں

digest library.com



Scanned with CamScanner

میں دبا ہوا تھا، سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں، اگر فیضان نے دوبارہ کبھی اس سے کوئی رابطہ نہ کیا تو؟ اگر اس نے اس کا گھر بچانے کی کوشش میں سحر سے ہی نکاح کر لیا تو؟

آنکھیں موند کر اس نے کئی خاموش آنسو اپنے اندر اتار لیے، پھر آنکھیں کھولیں تو نگاہ سیدھی شاہزل پر جا ٹھہری۔

digest library.com

اس کی آنکھوں کا درد یکا یک قہر میں بدل گیا، تاثرات میں سختی آ گئی، کیا فیضان کا حل اس کے لیے اتنا مشکل تھا کہ بروقت وہ اقرار وانکار...... کچھ نہ کر سکی؟ لب بھینچے وہ کافی دیر تک اسے دیکھتی رہی۔

"میں خود غرض انسان نہیں ہوں لیکن یہاں تمہیں اور مجھے خود غرض ہونا پڑے گا!"

کچھ سوچتے، سمجھتے وہ اپنے خیالات میں تھم سی گئی تھی۔

طلاق شاہزل دے نہیں رہا تھا، خلع وہ لے نہیں سکتی تھی، زبردستی رشتہ وہ ختم نہ کرنا چاہتی تھی کہ اسے اپنے خاندان، ماں اور بھائیوں کا ڈر تھا، اس تمام عرصے میں وہ تصویر کا صرف ایک پہلو دیکھتی رہی تھی اور بھول بیٹھی تھی دوسری طرف شاہزل بھی تو ہے۔

اس نے ایک پل کے لیے بھی نہ سوچا کہ طلاق کے بعد اس کا ردعمل کیسا ہوگا؟ محبت کے دعوے دار کی محبت جب طلاق کے امتحان سے گزرے گی تو کیا وہ تب بھی اس کوئی رعایت برتے گا یا پھر انتقاماً اس کی زندگی اجاڑ دے گا؟

پھر اسے امل کا خیال آیا۔ فیضان امل کو قبول لنے کو تیار تھا، وہ اسے کئی بار بتا چکا تھا، اسے امل کو ساتھ رکھنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ تمام معاملات وقت سے پہلے طے تھے، فیضان ہر تعاون کے لیے تیار تھا، وہ اس کی ہر جنگ اپنے طریقے سے لڑنا چاہتا تھا، وہ شاہزل کبیر سے اسے ہر حال میں آزاد کروانا چاہتا تھا۔ بدلے میں اسے صرف دلربا کا ساتھ درکار تھا۔

حل مشکل مگر انتہا کا مناسب...... قتل ایک حادثہ، سازش خفیہ...... بیوگی کی اوڑھے وہ ہر الزام، ہر نفرت اور جواز سے بچ سکتی تھی، وہ اپنی زندگی کو نئے سرے سے، نئے انداز میں فیضان کے ساتھ شروع کر سکتی تھی۔

ایک پل کو رک کر اس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

یہ گھر، بنگلہ جائیداد، کاروبار...... ہر ایک شے میں اس کا حصہ تھا۔ اس طرح وہ سفیر بھائی کو بھی ایک حد میں رکھ سکتی تھی۔

فیصلہ جو ایک ہفتے سے نہ ہو رہا تھا، وہ ایک لمحے میں ہو گیا۔

اب کے اس نے موبائل اٹھایا۔ چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا پھر میسج لکھ دیا۔

"میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں فیضان! پلیز میری بات سنو!"

نیند میں امل کسمسائی تو شاہزل کی آنکھ کھل گئی۔ دل ربا کو سر پر کھڑا دیکھ وہ چونک سا گیا۔ موبائل ہاتھ میں لیے وہ ایک سرد کٹیلی نگاہ اس پر ڈالے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

شاہزل کبیر گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

وادی ہرناٸی کا آسمان دھند میں لپٹا تھا، سردی شدید تھی۔ اپنے کمرے سے نکل کر ابتہال کچھ دیر تک کھلی فضا میں کھڑی رہی تھی، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر لبوں تک لاتے وہ معمول کی طرح عقبی دیوار کی طرف چلی گئی تھی جو پیچک کی بیل سے مکمل طور پر ڈھکی ہوئی تھی، وہاں اس نے کئی پودے اگا رکھے تھے، شاہ بلوط کے نیچے اس کا بنچ بھی رکھا تھا جس پر برف جمی ہوئی تھی۔



Scanned with CamScanner

معمول کی طرح اس نے بیلوں کے ڈھیر کو ذرا سا سرکایا تو دیوار میں بڑا شگاف واضح ہو گیا۔
اس دیوار پر ابتدا میں صرف کچھ دراڑیں پڑی تھیں، جو زلزلے کے جھٹکوں کے باعث رفتہ رفتہ شگاف میں بدل گئی تھیں۔
digest library.com
اس نے اسی شگاف سے دوسری جانب دیکھا۔ بے قابو ہوتی گھاس کے اس جانب گردیزی ہاؤس تھا۔
وادی ہرنائی میں ایسے کئی عالیشان گھر، قصر، اور فارم ہاؤسز تھے۔ اور ان میں ایک یہی گھر ایسا تھا جو گزشتہ پچیس سالوں سے سنسان پڑا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ زمان ہاؤس کی مشرقی دیوار گردیزی ہاؤس کی عقبی دیوار کے ساتھ مشترکہ تھی۔
ایک نظر دھند میں لپٹے مکان، اس کی بالکونیوں اور دیوار گیر خاموش ویران کھڑکیوں پر ڈالتے وہ پیچھے ہٹ گئی تھی، بیل کے پتوں نے مستطیل شگاف کو ڈھک دیا تھا۔
آہستگی سے قدم اٹھاتی وہ شاہ بلوط کے نیچے جا کھڑی ہوئی، اس نے ٹوٹی ہوئی شاخ کو چھو کر دیکھا، بار بار... پھر اس نے بنچ کے پیچھے گلاب کے پودے کو چھوا۔ چند لمحوں کے بعد پنجوں کے بل بیٹھ کر اس نے دیوار کنارے مٹی پر ہاتھ رکھا، پھر وہی ہاتھ اس نے درخت کے تنے پر رکھ دیا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ مدھم سی... مبہم سی... پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی...
زیر لب کچھ گنگناتے وہ زمان ہاؤس کے مرکزی لان کی جانب چل دی تھی۔
اس کے عقب میں شاہ بلوط کے نیچے رکھے بنچ کی برف پگھلنے لگی تھی۔ اور شگاف کے اس پار گردیزی ہاؤس کے لان میں... خودرو گھاس اور پودوں سے سرد ہوا کا جھونکا سرسرا کر گزر رہا تھا۔
تاریک سیاہ کھڑکیوں کے اس پار سناٹے جامد رہے تھے، پردے ساکن...... دروازے بند... بیرونی گیٹ بھی مقفل......
گردیزی ہاؤس کی تختی آج بھی سیاہ، کچھ سنہری، کچھ گرد آلود سی بیرونی دیوار پر لگی ہوئی تھی۔
وادی ہرنائی کی بلندیوں سے اس مکان کا منظر دھند میں غائب ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

کبیر کمپنی میں بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ چل رہی تھی، میٹنگ ہال کی تمام کرسیاں پر تھیں، سفیر مرکزی کرسی پر براجمان بریفنگ سن رہا تھا اور اس کے عین برابر میں بیٹھے شاہزل کی نگاہیں میز پر کھلی فائل پر ٹھہری ہوئی تھیں، اس کے تاثرات سختی میں ڈھلے ہوئے تھے۔ میٹنگ کے دوران وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ سفیر کے فیصلوں میں آج اس نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔
میٹنگ برخاست ہو چکی تو سفیر نے ایک بار پھر اسے دیکھا۔ "شاہزل!"
"مجھے لگتا ہے ہمیں اکرام کبیر سے خود بات کرنی چاہیے!"
"تایا ہیں وہ ہمارے!" سفیر نے اسے ٹوکا۔
"کسی رشتے کا لحاظ رکھا ہے انہوں نے؟ مارکیٹ میں یہ کیا افواہیں پھیلا رہے ہیں وہ ہمارے بارے میں؟ ہماری کمپنی کی ریپوٹیشن پر کتنا فرق پڑ رہا ہے اس سے!"
"میں یہ نہیں کہہ رہا تم غلط ہو، ہم ان سے اپنے طریقے سے نمٹیں گے!"
"یہی بات آپ ہر بار کہتے ہیں، کہاں ہے وہ طریقہ؟ کام آیا؟ ہم ان کی چال کیوں نہیں چلتے؟ جس طرح وہ چھپ کر وار کر رہے ہیں، ہم کیوں نہیں کر سکتے!"
"ممی نے ہمیں یہ سب نہیں سکھایا شاہزل!"


Scanned with CamScanner

"بابا نے تو سکھایا ہے!" سفیر ایک پل میں خاموش ہو گیا۔ "انہیں اپنے کسی دوست سے، دشمن سے، مارکیٹ کے کمپیٹیٹرز سے کوئی خطرہ نہیں تھا، انہوں نے ہمیشہ تایا کا ذکر کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے صرف وہی ان کے بعد ہم سے سب ہتھیانے کی کوشش کریں گے!"

سفیر گہری جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر سیدھا ہو بیٹھا۔

"میرے خیال سے گھر کی ٹینشن تمہارے دماغ پر سوار ہو رہی ہے، تم بریک کیوں نہیں لے لیتے؟"

"کیا زندگی سے بریک لیا جا سکتا ہے؟" تنفر سے جواب دیتے وہ باہر دیکھنے لگا۔

سفیر کو لگا اب یہی وقت ہے، اسے بات کرنی چاہیے۔

"تم نے اپنی زندگی کے فیصلوں اور معاملات میں ہمیشہ اپنی من مانی کی ہے، چاہے اسکول ہو، کالج ہو، یونیورسٹی ہو، تم نے ہمیشہ اپنی پوزیشن، اپنی ویلیو، اپنے اسٹیٹس کو مقدم رکھا ہے۔ اس لیے می بابا نے ہمیشہ تمہاری رائے کا احترام کیا۔"

digest library.com

شاہزل کا سر جھکا رہا، وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

"میں نے آج تک تمہیں کچھ نہیں کہا، لیکن اب چپ نہیں رہ سکتا۔"

شاہزل جانتا تھا، بات کس رخ جا رہی تھی۔

"تم ایسے تو نہیں تھے کہ کوئی ری جیکٹ کرے تو اسے مڑ کر بھی دیکھو!"

اس کے دل میں کوئی بھالا سا گڑ گیا۔

"محبت اپنی جگہ، لیکن عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ وہ کھڑے کھڑے تمہیں ہمارے سامنے ذلیل کر دیتی ہے اور تم اسے اف تک نہیں کہتے۔ کچھ کہہ بھی دیتے ہو تو کیا تبدیلی آتی ہے؟"

"بھائی۔"

"تمہاری کیوں نہیں سمجھ میں آ رہا وہ نہیں رہنا چاہتی تمہارے ساتھ۔ وہ مسلسل تم سے طلاق مانگ رہی ہے، اور تم اس رشتے کو کھینچے جا رہے ہو!"

"میں اس سے محبت کرتا ہوں!"

"محبت میں زبردستی نہیں ہوتی شاہزل!! آپ کسی کو باؤنڈ نہیں کر سکتے۔"

گہری سانس لے کر اس نے اپنا سر ہتھیلیوں میں گرا لیا۔

"امل ابھی چھوٹی ہے، جب بڑی ہو گی تو اس پر ان تمام باتوں کا کیا اثر پڑے گا؟"

امل کا خیال آتے ہی اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"دل، با کا رویہ اب ہر حد سے بڑھ رہا ہے!! وہ نہیں رہنا چاہتی۔ اور جہاں تک۔ میں سمجھ پایا ہوں، تم سے شادی اس کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔"

"میرے لیے یہ سب مشکل ہے بھائی!"

"امل کے بارے میں سوچو گے تو ہر تکلیف آسان لگے گی!"

"میں اس کے بارے میں ہی تو سوچ رہا ہوں۔ میں کیسے اسے ماں سے جدا کر دوں؟"

"کیا ماں اس کی زندگی میں ہے؟"

وہ لاجواب ہوا۔

"سارا دن ملازم اسے سنبھالتے ہیں،"

وہ چپ رہا۔ سفیر نے اب کے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تمہیں فیصلہ کرنا ہی ہوگا!"



Scanned with CamScanner

شاہزل خاموش بیٹھا رہ گیا۔

digest library.com

☆☆☆

گل ویلفیئر ہائی اسکول کی لائبریری کے لیے شہر سے کتابوں کی ڈونیشن کا ایک اور ٹرک بھیجا گیا تھا، اس بار علمی وادبی کتابیں پاکستان کے مختلف شہروں سے ڈونیٹ کی گئی تھیں۔

کلاس ٹیچر مس فرزانہ نے اسکول لائبریری میں نئی کتابوں کی ترتیب وترکیب اس کے ذمے سونپ دی۔ بریک ٹائم وہ لائبریری ہال میں چلی گئی۔

اس نے کارڈ میز پر رکھا تو مادام فارا نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

وہ لائبریری ہال میں کتابوں کے کئی ریکس کو بغور دیکھتی پیچھے چلی گئی۔ اس کی بائیں جانب دیوار گیر کھڑکیاں تھیں جن کے اس پار دھند میں لپٹا سبز قطعہ نظر آ رہا تھا، اور وہ عالیشان بورڈ بھی جس پر گل ویلفیئر ہائی اسکول لکھا ہوا تھا۔ اس نے رخ موڑ کر اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ کئی کارٹنز پیک شدہ حالت میں جوں کے توں رکھے گئے تھے، سینئر کلاس کی دو لڑکیاں سامنے والے ریک میں کتابیں سیٹ کر رہی تھیں اور اتنی مدھم آواز میں باتیں کر رہی تھیں کہ سرگوشی تک کا گمان بھی نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے کارٹن کھول کر کتابیں نکالیں، ان کے ناموں کی، رائٹرز کی لسٹ بنائی، ریک کا نمبر لکھا، اور پھر ترتیب سے اردو کی الگ اور انگریزی ادب کی کتابوں کو الگ سے رکھنے لگی۔

رکھنے سے پہلے وہ کتاب ہاتھوں میں لے کر اس کی سلامتی کا جائزہ ضرور لے لیتی، اگر کوئی ورق پھٹا ہوا ہو، تو ٹیپ سے جوڑنا بھی ضروری تھا۔ مگر صد شکر کہ کتابیں سب ہی اچھی حالت میں تھیں، ان پر نہ کوئی ضرب تھی، نہ کوئی عرق تھا، نہ ہی لکیر......

"کسی نے لے کر نمائش کے لیے ہی رکھ دی ہوں گی۔"

اس نے سوچا۔

پھر اس نے دوسرا کارٹن کھولا، نئے سرے سے جانچ شروع کی، ترتیب شروع کی۔

ایک کتاب ہاتھ میں لے کر ورق گردانی کرنے لگی تو ایک پوسٹر کتاب کی بیک سائڈ سے پھسل کر قدموں میں جا گرا۔

کرسی دھکیل کر وہ پیچھے ہوگئی، جھک کر اٹھاتے وہ ایک دم سے رک گئی۔ فولڈ کیا ہوا پوسٹر پھٹا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے ابتہال؟" مادام فارا کی آواز پر وہ ایک دم سے چونکی، اور اسی سرعت سے وہ صفحہ اس نے اپنے ہاتھوں میں لیا، مگر وہ پھر بھی چھوٹ گیا۔

"آئم سوری!"

"کچرا ڈسٹ بن میں......" وہ گھور کر چلی گئیں۔

اس نے انہیں صرف جاتے ہوئے دیکھا، پھر سانس روک کر وہ صفحہ اٹھا لیا۔ آن کی آن میں چند منظر اس کی آنکھوں میں گھومے......وہ ایک پل کو ٹھٹکی، پھر اس نے فولڈ کیے ہوئے صفحے کو آہستگی سے کھولا۔

وہ ایک ہینڈسم سے بائیکر کا پوسٹر تھا جو کسی میگزین کے صفحے سے پھاڑا گیا تھا۔

اپنا ہیلمٹ داہنے ہاتھ میں لیے، سیاہ وسرخ امتزاج کے ٹریک سوٹ میں ملبوس، سنہری آنکھوں میں کامیابی کی چمک لیے، لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے وہ سر اٹھائے کھڑا تھا۔ اس کی ٹریک شرٹ پر نیون حروف میں VON کا لوگو چمک رہا تھا۔

اس نے وہ صفحہ ایک طرف رکھ دیا، کتاب کے بقیہ صفحے پلٹے۔ آخری کور پر کچھ لکھا تھا۔



Scanned with CamScanner

''ہشم تاشفین کی طرف سے......

digest library.com

بریرہ عبید کے لیے!''

ہیپی برتھ ڈے!

اس نے پھر دوسری کتاب نکالی، تیسری، چوتھی، ۔

وہ تمام کتابیں کسی بریرہ کو ایک ہی شخص کی طرف سے گفٹ کی گئی تھیں۔ ہشم تاشفین کی طرف سے......

اسکول کے ہال اور پلے گراونڈز میں اچانک گھنٹیاں بجنے لگیں تو اس نے چونک کر سر اٹھایا، پھر وہ صفحہ فولڈ کر کے اپنے سویٹر کی جیب میں ڈال لیا۔

ابھی کام باقی تھا، سو کارٹن دیوار کے ساتھ لگا کر وہ باہر چلی آئی تھی۔

ہال سے گزر کر سیڑھیوں کا رخ کرتے ہی اس کی سماعت سے سینیئر کلاس کی لڑکیوں کی آوازیں ٹکرانے لگی تھیں، لڑکیاں پرجوش سی کسی کہانی کو ڈسکس کر رہی تھیں، سوال اٹھا رہی تھیں، جواب دے رہی تھیں،

''اسی لیے تو تاشا جے میری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں!''

وہ کلاس میں داخل ہوئی تو ایک ڈسکشن وہاں بھی چل رہی تھی، لڑکیاں گروپ بنائے تاشا جے کی اشاعت کردہ نئی قسط پر بات کر رہی تھیں،

وہ انہیں مکمل نظرانداز کرتی اپنی میز پر جا بیٹھی۔ اسی لمحے اردو کی ٹیچر کلاس میں داخل ہوئیں، لڑکیاں فوراً اپنی کرسیوں پر جا بیٹھیں۔ ایک نگاہ کھڑکی سے باہر سرسبز میدان پر ڈالتے ہوئے ابتہال نے بیگ سے کتاب نکال لی تھی اور یکسوئی سے اردو کی مس کی بات سننے لگی تھی۔

رمشہ اسی وقت اس کے برابر میں آبیٹھی، آج بھی اس نے اسکارف نہیں اتارا تھا۔

قلم ہاتھ میں لیے ابتہال نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا، سویٹر کی آستین سے جھانکتے اس کے ہاتھوں پر جگہ جگہ نیل اور زخم پڑے ہوئے تھے، وہ آستین کو کھینچ کھینچ کر زخموں کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

ابتہال نے گہری سانس بھر کر نگاہ ہٹالی تھی۔

☆☆☆

لاؤنج میں نیم دراز دلربا کی آنکھ موبائل کی اس مخصوص رنگ ٹون پر کھلی تھی جو اس نے فیضان کے لیے لگا رکھی تھی، ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے اس نے فوراً سے کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہی... ہیلو فیض......!'' اس کے سامنے صوفے پر اریبہ ہاتھ میں ٹیبلٹ لیے بیٹھی تھی۔ دلربا کو اس کی موجودگی کا فوراً احساس ہوا تھا۔

''یہ کیا طریقہ تھا؟ تم نے مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟'' چہرے پر غم، [illegible]، ناراضی کے ملے جلے تاثرات لیے وہ اسی وقت اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ اریبہ نے اسے گلاس ڈور دھکیل کر باہر لان کی طرف جاتے دیکھا پھر نگاہیں ٹیب پر گاڑ لیں۔

اسی لمحے دردانہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے؟؟''

''تاشا جے جسٹ ڈراپڈ آ نیو ایپیسوڈ ممی!'' خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس نے کہا۔

دردانہ نے مسکرا کر سر کو جنبش دی، اور اسی لمحے اس کی نگاہ شیشے کی دیوار کے اس پار دلربا پر پڑی۔ انداز سے لگتا تھا وہ جیسے غصہ، اور ناراضی دکھا رہی ہو، ڈانٹ رہی ہو، کئی ایک بار اس نے آنسو بھی پونچھے۔



Scanned with CamScanner

دردانہ کی بھنویں حیرت سے اٹھ گئیں۔ دل ربا اب رک کر کچھ سن رہی تھی، نفی میں سر ہلاتے اس نے پریشانی کا اظہار کیا تھا، مگر دوسری جانب کی گفتگو طویل ہو رہی تھی، وہ کافی دیر تک کچھ سنتی رہی تھی۔ پھر اثبات میں سر ہلاتے وہ لان چیئر پر جا بیٹھی تھی۔ اب اس کی پشت دردانہ کی طرف تھی۔

دردانہ کی پرسوچ نگاہیں کافی دیر تک اس کی پشت پر جمی رہیں پھر وہ سر جھٹک کر سامنے صوفے پر آ بیٹھی۔

"اریبہ؟" اس نے کچھ یاد آ جانے پر پکارا مگر اریبہ چہرے پر خوف اور وحشت کے تاثرات لیے کہانی میں غرق تھی۔

digest library.com

"اوہ گاڈ!!اب کیا ہوگا؟" کہانی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ری ایکشن بھی دے رہی تھی۔

اسے کام بتانے کا ارادہ ترک کر کے وہ خود ہی کچن میں چلی گئی۔

اریبہ کے ٹیب سے جھلکتی تاشا جے کی ویب سائٹ پر ویوز کا گراف مسلسل بڑھتا جا رہا تھا، قسط کے نیچے کمنٹس کی بھرمار ہو رہی تھی۔

☆☆☆

شہر ایبٹ آباد میں گردیزی حویلی کے وسیع و عریض لان میں خود رو پودوں اور گھاس کی کٹائی کا کام جاری تھا، دور تاحد نگاہ بلند فصیل نما دیواروں کے اس پار اونچے لمبے درخت نظر آتے تھے، اندر فوارے اور باغیچے تھے، پتھروں کی روش اور گاڑیوں کے لیے پورچ بھی تھا۔

اپنی گاڑی سے اتر کر، پتھریلی روش پر چلتے تیمور گردیزی نے سب سے پہلے ان عالیشان گاڑیوں کو دیکھا جو سامنے ہی کھڑی تھیں۔ سیڑھیاں چڑھتا وہ حویلی کے اندر داخل ہو چکا تھا۔

حویلی کیا تھی، قدیم و جدید کا امتزاج لیے مغلیہ دور کا کوئی محل...... اس کے تابعدار ملازمین کی ایک فوج تھی جو اپنا ہر کام چھوڑے اس کے استقبال کے لیے حاضر ہو چکی تھی۔

وہ خلیل گردیزی کا پوتا، ان کی پوری جائیداد اور سیاسی نشست کا اکلوتا وارث تھا، ملک بھر میں اس کی کافی شہرت تھی، اندرون اور بیرون ملک کئی کاروبار تھے، زمینیں اور جائیداد تھی، پیسے کی خوب ریل پیل تھی، اس نے گل فاؤنڈیشن کے تحت کئی سکول اور ہاسپٹل بنا رکھے تھے، کئی تعمیراتی کام اس نے ایبٹ آباد کے گرد و نواح میں مختلف قصبے اور گاؤں میں شروع کر رکھے تھے۔

اس کا ہر کام ایک طے شدہ منصوبے کے تحت چلتا تھا اور وہ اپنے ہر پراجیکٹ پر خاص نظر بھی رکھتا تھا۔ دادا کی نسبت اسے بہت سے فیصلوں اور احکامات کی بدولت کافی پذیرائی ملی تھی، اسے انٹرویو کے لیے ٹی وی پر بلایا جاتا تو ریٹنگ چڑھ جاتی۔ جس جلسے میں اس کی شرکت متوقع ہوتی، وہ ہال بھر جاتا۔ ایک کامیاب زندگی کا خاکہ کیسا ہونا چاہیے، اس خاکے پر تیمور گردیزی فٹ بیٹھتا تھا۔ دنیا اسے ایسے ہی دیکھتی تھی۔ مکمل... بے عیب... پرفیکٹ...

سیڑھیاں عبور کر کے اپنے عالی شان بیڈروم میں داخل ہوتے اس نے لکڑی کا بھاری منقش دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا تھا۔ شال اس نے کندھوں سے ہٹا کر صوفے کی طرف اچھال دی تھی۔ وسیع و عریض کمرے میں، جہازی سائز بیڈ اور اس کی مشرقی سمت دیوار گیر کھڑکیاں اور ان کھڑکیوں سے جھلکتی تیز روشنی رات کی تاریکی میں چمکتی ہیڈلائٹس سے مشابہ ہو گئیں۔

اس کی آنکھیں ایک بار پھر چندھیا گئیں۔ پلکیں جھپکا کر اس نے خشک لبوں کو تر کیا، گردن کی رگوں میں ابھار پیدا ہوا۔ پیشانی پر قطرے چمکے۔ اس کی چال کا وہ سارا اعتماد اور مضبوطی کمرے کے اندر ایک دم سے فنا ہو چکی تھی۔



Scanned with CamScanner

گہری سانس لیتے، دائیں سے بائیں دو چار چکر کاٹتے وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
اس کی آنکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔ اور چہرے اضطراب چھایا تھا۔
چند لمحے ہی گزرے تھے کہ موبائل بج اٹھا، اس نے جیب سے نکال کر نوٹیفیکیشن دیکھا، پھر میسج کھول لیا۔
"یو ڈڈ این امیزنگ جاب ٹوڈے!! سو پراوڈ آف یو!"
موبائل اس کے ہاتھ میں لرز گیا تھا۔
اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے موبائل رکھ دیا۔ اور اپنا سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا۔
اس کی آنکھوں کے سامنے ایک کے بعد ایک کئی مناظر چلنے لگے تھے، کانوں میں کئی آوازیں گونج رہی تھیں۔

digest library.com

اس کا سر جھکا رہا۔ اور نگاہیں فرش پر جمی رہیں۔
کھڑکیوں کے اس پار ایبٹ آباد کا آسمان اپنی وسعتوں میں سیاہ بادلوں کو ہر جانب پھیلانے لگا۔ سورج اب چھپ گیا تھا۔
مگر اس کی آنکھوں میں ابھی بھی کچھ چبھ رہا تھا۔

☆☆☆

"درے!"
"جی بھائی!" درفشاں لاؤنج میں بیٹھی موبائل چلا رہی تھی فوراً سے بولی۔
"ہالہ کو دیکھا ہے؟"
"باہر بیٹھی تھی وہ تو۔"
وہ اسی وقت باہر چلا گیا۔ تجسس سے مغلوب ہو کر وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔
دائیں جانب پچھلی لان کی طرف وہ دھوپ میں بنچ پر بیٹھی تھی۔
"یہ آج تم کس لڑکے کے ساتھ جنگل کے راستے سے آئی تھیں؟"
ابتہال نے کتاب سے نگاہ اوپر اٹھائی۔ وہ اس کے سر پر کھڑا شدید غصے میں لگتا تھا۔
"تم نے دیکھا ہے تو معلوم بھی ہوگا۔"
"مجھے کیفی نے بتایا ہے۔"
"کیفی نے یہ کیوں نہیں بتایا، وہ لڑکا کون ہے؟"
"ہالہ!"
اسی پل ملازم لڑکا بیرونی دروازے سے بھاگتا ہوا اندر آیا۔
"وہ رومی بھیا آئے ہیں، کہتے ہیں ہالہ کو باہر بھیجو۔"
وہ بھی جیسے کہیں جانے کے لیے تیار ہی بیٹھی تھی، فوراً سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کہاں جا رہی ہو تم؟ میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے!" سمیر کا غصہ شدید ہوا۔ وہ بات کر رہا ہو اور کوئی اٹھ کر چلا جائے، ایسا تو گھر کا کوئی بھی فرد نہیں کرتا تھا۔
"تمہاری کوئی بات شروع بھی ہوئی تھی؟" رک کر اسے دیکھا۔
"درفشاں اندر بیٹھی ہے، یہ سوال جواب اس سے کیا کرو، مجھ سے نہیں!"
مٹھیاں بھینچے سمیر نے اسے اس پل بیرونی گیٹ عبور کرتے دیکھا۔
وہ باہر نکلی تو رومی سامنے ہی کھڑا تھا، عمر یہی تیرہ چودہ برس تھی، جینز، سویٹر، کوٹ اور جاگرز پہنے



Scanned with CamScanner

ہوئے......اس کے سیاہ بال گھنگھریالے تھے، جسم کچھ فربہی مائل تھا، رنگت گندمی، اور آنکھوں پر چشمہ تھا
"تاشا جے نے نئی قسط کب کی اپ لوڈ کر دی اور تم ابھی تک پڑھنے نہیں آئی ہو۔"
"آ ہی رہی تھی،" بیگ کندھے پر ڈالے وہ آہستگی سے بولی، رومی الٹے پاؤں اس کے آگے چلنے لگا، وہ
ان تمام جھلکیوں اور تصاویر کا حوالہ دے رہا تھا جو اس کی پسندیدہ ترین رائٹر نے کچھ گھنٹے پہلے ہی اپنے انسٹاگرام پر
پوسٹ کیے تھے، سوال و جواب کے سلسلوں میں کوئی ہنٹ شیئر کیا تھا، حروف کے ہیر پھیر میں کوئی نمبر دکھایا تھا،
کرداروں پر بات کرتا رومی اپنی تھیوریز پیش کر رہا تھا، ان کی گفتگو ہمیشہ کی طرح قصے کہانیوں سے شروع ہوتی
، کرداروں [illegible] ومزاج اور ان کی شخصیات کی ہر پرت کو کھوجتی طویل ہونے لگی، رومی کوئی رائے دیتا تو وہ
اسے رد کرتی، اس [illegible] خیال ہوتا تو رومی مذاق میں اڑا دیتا۔
"تاشا جے کی [illegible] کہانی کو سمجھنا آسان نہیں ہے،" وہ رومی کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہو چکی تھی،
موبائل فون پر بات [illegible] کرتے صبا کی نگاہ اس پر پڑی تو دور سے ہی انہوں نے ہاتھ ہلا دیا۔ صدر دروازے
سے اندر، لاؤنج سے پھر سیڑھیوں [illegible] جاتے، وہ رومی کے والد اور دادا سے بھی ملی۔ حمید صاحب کل ہی
لاہور سے لوٹے تھے اور اس کے لیے گفٹ [illegible] لائے تھے، ان کے بے انتہا اصرار پر اس نے گفٹ کھولا تو تہہ شدہ
نفیس سا گلابی سویٹر سامنے تھا۔
"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے [illegible] واپس رکھ دیا۔
"ضرورت کے تحت نہیں، محبت سے دے رہا ہوں بیٹا، ہمارے لیے رومی اور تم ایک ہی ہو!" اب کے
انہوں نے اصرار کیا تو وہ انکار نہ کر پائی، صبا آنٹی کے کہنے پر اس نے [illegible] کر دکھایا۔
"بالکل تمہارے سائز کا ہے، اب اسے اتارنا مت!" خفگی [illegible] سے کہہ کر وہ چلی گئیں۔
اس گھر کا ہر ایک فرد اس سے خوش اخلاقی سے ملتا تھا۔ رشتے کی اپنی [illegible] نوعیت تھی، محبت میں اس کا بھی
ایک حصہ تھا۔
کچھ دیر بعد وہ رومی کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی تھی، اس کی رائٹنگ ٹیبل [illegible] اب وہ لیپ ٹاپ پر
نئی قسط پڑھنے لگی تھی۔
رومی کچھ مضطرب، کچھ ایکسائٹڈ سا ٹہلنے لگا تھا، وہ ہر تھوڑی دیر بعد گھوم کر اس کے تاثرات ضرور دیکھ لیتا۔
قسط کے اختتام تک ابتہال کے تاثرات ایک سے رہے، آخری صفحے کے آخری جملے پر اس نے ایک لمبی
سانس بھری، پھر کرسی کا رخ موڑ لیا۔
"حیرت ہوئی!"
"نہیں!"
"کیا مطلب نہیں؟"
"مجھے ردا پر پہلے سے شک تھا۔"
"مگر تم نے اپنے اس شک کا اظہار تو کبھی نہیں کیا" رومی نے اسے گھورا۔
"میں اپنے شک اپنے پاس ہی رکھتی ہوں۔"
رومی بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر اس نے انسٹاگرام پر تاشا جے کا پروفائل کھولا، اگلی اقساط کی جھلکیاں دیکھیں،
پوسٹس پڑھیں، تاشا جے نے کچھ دیر قبل نئی تصویر پوسٹ کی تھی، وہ تصویر گیلڈ فورڈ کے ایک قدیمی قلعے کی تھی، اس
کی در و دیوار اور جنگلی نرگسی پھولوں کی بھی... کیپشن میں کوئی شعر لکھا تھا، ریڈرز کی محبت اور خلوص کا شکریہ بھی ادا
کیا گیا تھا۔



digest library.com
Scanned with CamScanner

"کیا خیال ہے ہم بھی اپنا تبصرہ دیں؟"

"تم دینا چاہتے ہو تو دو"

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تھی،

..."ہالہ... سمیر آیا ہے، تمہیں تمہاری دادو بلا رہی ہیں"

رومی نے گردن گھما کر ابتہال کو دیکھا، اس کے لب سختی سے بھنچ چکے تھے،

"ٹھیک ہے، اب میں چلتی ہوں!" بیگ کندھے پر ڈالتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔

"مگر آج تو ہم نے کچھ پلان کرنا تھا، یاد ہے وہ گرد یزی ہاؤس......"

"پھر کبھی!" مختصر کہہ کر وہ اسی وقت کمرے سے چلی گئی۔

صبا آنٹی سے مل کر وہ باہر آئی تو سمیر سامنے ہی کھڑا تھا۔

"دادو نے بلایا ہے تمہیں!"

"وہ مجھے کب سے بلانے لگیں؟" اس کے قریب پہنچ کر اس نے الٹا سوال داغا۔

"گھر جا کر خود پوچھ لو!" سمیر کی مسکراہٹ پھیلی۔

وہ گھر پہنچی تو عصمت بیگم اس کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ درفشاں سنگل صوفے پر دھنسی موبائل چلا رہی تھی۔

digest library.com

"سنا ہے رومی واپس آ گیا ہے!"

اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ عصمت بیگم کو دیکھے گئی۔ سیاہ شلوار سوٹ پر گلابی رنگ کا انتہائی پیارا سویٹر اس پر خوب بچ رہا تھا، سویٹر نیا تھا، غالباً رومی اس کے لیے لایا تھا، عصمت بیگم کے لب ایک ہی پل میں بھنچ گئے۔

"یہ سویٹر کہاں سے آیا؟" اسے اندازہ نہیں تھا عصمت بیگم اب اس کے پہننے اوڑھنے پر بھی نظر رکھیں گی۔

"رومی لایا ہوگا، اور کون لائے گا اس کے لیے؟" طنزیہ لہجے میں جواب سمیر نے دیا تھا۔ رومی کے نام پر درفشاں ایک دم سے چونکی، پھر اس نے ابتہال کو دیکھا، سویٹر تو کمال کا تھا۔

عصمت بیگم کو غصہ آ گیا۔ "کیا سوچیں گے وہ تمہارے بارے میں؟ بھوکی ندیدی ہو؟ پہننے اوڑھنے کو کچھ نہیں ہے تمہارے پاس؟ جب بھی وہ کچھ دے تم لے لیتی ہو!"

ابتہال چپ رہی۔

"اب وہ اسلام آباد سے واپس آ گیا ہے تو روز روز چکر لگیں گے؟ کبھی جنگل کے، کبھی ان کے گھر کے؟ بچی نہیں ہو اب تم کہ ایسے منہ اٹھا کر، کے بھی گھر چلی جاؤ"...

اس نے سوچا، وہ پوچھے، اتنے سالوں بعد اب اچانک انہیں خیال آیا وہ بچی نہیں، اس کا آنا جانا درست نہیں؟ حیرت انگیز طور پر اس نے تب بھی کچھ نہ کہا۔ سمیر کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں، وہ اس کے تاثرات میں غصہ، چڑچڑا پن، اور نخوت دیکھنا چاہتا تھا مگر ابتہال نے اپنا چہرہ سپاٹ کر رکھا تھا۔

"آئندہ تم اس کے ساتھ گھر نہیں جاؤ گی، اسکول سے سیدھا گھر آنا ہے، جنگل میں جانے کی ضرورت نہیں......"

ابتہال نے اب کے سمیر کو دیکھا، یقیناً یہ پٹیاں اس کی ہی پڑھائی ہوئی تھیں۔

"اور یہ سویٹر جس سے لیا ہے، کل واپس کر دینا اسے،"

"کل کیوں؟ میں ابھی واپس کر آتی ہوں!" اس تمام عرصے میں اس نے زبان کھولی اور سویٹر اتارتے باہر



Scanned with CamScanner

نکل گئی۔
عصمت بیگم کی تو کچھ سمجھ میں نہ آیا فوراً سے سمیر کو باہر بھیجا۔
"وہ تو چلی گئی!"
"کہاں؟"
"رومی کے گھر دادو!" وہ اپنی جگہ سے یک دم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ناسمجھی کا تاثر لیے...... کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ان کا موبائل فون بج اٹھا۔ رومی کے دادا حمید صاحب کی کال تھی۔ عصمت بیگم کے تو گویا ہوش ہی اڑ گئے۔ کیا ابتہال سچ میں۔ انہوں نے کال ریسیو کرتے انتہائی خوش گواریت سے انہیں سلام کیا مگر دوسری جانب سے جواب کچھ سردمہری سے دیا گیا۔
"بھابھی! یہ آپ نے کیا کیا؟ اتنی ٹھنڈ میں بچی کو سویٹر واپس کرنے بھیج دیا!"
عصمت بیگم کا داہنا ہاتھ پیشانی پر آ گیا۔ "نہیں بھائی صاحب میں نے تو۔"
"ہماری بچی ہے، اپنے گھر کی ہے، تحفے میں سویٹر اگر میں نے دے دیا تو کیا ہو گیا؟" حمید صاحب انتہائی خفا ہو رہے تھے۔ "کیا ہم فیملیز کے درمیان تحائف کا تبادلہ پہلے کبھی نہیں ہوا؟"
"بھائی صاحب، آپ غلط سمجھ رہے ہیں، میں نے ایسا کچھ......"
"میں خود لے کر آیا تھا، صبا اور اس کے لیے ایک ہی جیسے رنگ کا میں نے خود پسند کیا تھا، آپ نے ابتہال کو ندیدی اور بھوکی کہا......وہ تو لے ہی نہیں رہی تھی، میں نے زبردستی اسے دیا ہے!"
عصمت بیگم شرم سے پانی پانی ہونے لگیں۔ ان کے گمان میں اگر ہوتا کہ ابتہال چلی جائے گی تو وہ ہرگز ہرگز یہ بات نہ کہتیں۔
"میں معذرت چاہتی ہوں بھائی صاحب، ایسی کوئی بات نہیں۔" گھبراہٹ میں انہیں بات کو رد کرنا یاد نہ رہا۔
"بھابھی! مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی......وہ ہماری بھی بچی ہے، رومی کے ساتھ پلی بڑھی ہے، آپ کیسے تفریق کی بات کر سکتی ہیں؟"
معاملے کو ٹھنڈا کرنے میں انہیں وقت لگ گیا، کوئی وضاحت کارآمد نہ تھی کہ معذرت کر کے وہ رد کا آپشن خود ہی رد کر بیٹھیں۔
معذرت کر کے فون بند کیا اور شدید غصے میں وہ دروازے تک آئیں۔ ابتہال سویٹر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اندر داخل ہو رہی تھی، عصمت بیگم کو طیش کے عالم میں سیڑھیوں پر کھڑا دیکھا تو اسی طرف آ گئی۔
"شکر کریں، میں نے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ مجھے ان کے گھر جانے سے بھی روک رہی ہیں!" عصمت اسٹیپس پر کھڑی تھیں اور وہ نیچے تھی، فاصلہ کم، مگر اونچائی زیادہ تھی، فرق زیادہ تھا۔
"اپنی ماں کی طرح ڈائن بن گئی ہو"...
"ماں ڈائن ہوتی تو مجھے نہ بننا پڑتا!"
عصمت بیگم کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئیں۔
"شاہ زیب آ جائے تو تمہارا بندوبست کرتی ہوں۔"
باپ کے ذکر پر ابتہال کی آنکھوں میں سختی آ گئی۔ "قتل کریں گی یا زندہ زمین میں گاڑیں گی؟"
"نکاح کر کے رخصت کروں گی تمہیں جلد از جلد......"
ابتہال کو ہنسی آ گئی۔ "گویا دفن کریں گی مجھے!"



digest library.com
Scanned with CamScanner

"ہاں!!ہاں دفن کروں گی تمہیں، یہ جو قینچی کی طرح زبان چلتی ہے اسے کاٹ کر رکھ دوں گی!" عصمت بیگم کا خون کھولنے لگا۔

"آج رومی کے دادا مجھ سے اس زخم کا پوچھ رہے تھے، میں نے کہہ دیا گر گئی تھی،" اس نے پیشانی سے بال ہٹائے۔ "اگلی بار بتا دوں گی، کیسے گری تھی!"

اپنے سویٹر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ لان کے راستے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

شدید غصے کے عالم میں عصمت بیگم اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھیں۔

digest library.com

☆☆☆

بادلوں کی ہلکی ہلکی گھن گرج سے ہرنائی کا آسمان گونج اٹھا تھا، پوری وادی طوفانی ہواؤں کی زد میں آ چکی تھی۔ گھنے جنگلات کی گہرائیوں میں ذرا سی بلندی پر لکڑی کا دو منزلہ مکان ایستادہ تھا جس کی سرخ رنگ کی مخروطی چھت پر بارش تڑ تڑ برس رہی تھی، قریب میں تالاب تھا، بکریوں کا ایک باڑا بھی...... انہی بکریوں اور گھوڑے کے لیے چھوٹی سی کوٹھری بنائی گئی تھی تاکہ سرد موسم اور بارشوں میں انہیں حفاظت میں رکھا جا سکے......

اسی کوٹھڑی کا دروازہ سختی سے بند کرتے اموجان بارش میں بھیگتی ہوئی گھر کے اندر آ گئی تھیں، لکڑی کا پھاٹک بند کر کے زنجیر چڑھا کر انہوں نے تالا لگا دیا تھا۔

ان کے عقب میں سرعت سے گلہری کی طرح پھدکتا راکان سیڑھیاں چڑھ کر، اتر کر اور بھاگ بھاگ کر کھڑکیوں پر کنڈیاں چڑھا رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ کٹی ہوئی لکڑیوں کا ڈھیر آتش دان کے پاس جمع کرتا میز پر چڑھ گیا تھا۔ اوپری کیبنٹ سے موم بتیوں کا شاپر نکالے وہ کود کر نیچے اترا۔

اموجان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ سیاہ ٹراؤزرز پر سفید رنگ کا سویٹر زیب تن کیے وہ اب آتش دان میں لکڑیاں ڈال رہا تھا، اس کے جاگرز کے تسمے کھلے ہوئے تھے، ہوڈی کندھوں پر گری ہوئی تھی، سنہری براؤن بال بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھرے تھے۔ ٹھنڈ کے باعث ناک اور بھرے بھرے گال سرخ تھے۔

نظر ہٹا کر وہ کھڑکیاں چیک کرنے لگیں، کہیں کوئی کھڑکی کھلی نہ رہ گئی ہو، اوپر نیچے ہر جانب سے تسلی کر کے، اپنے ہاتھ میں میگا ٹارچ اٹھائے اب وہ اس کے پاس آ گئی تھیں۔ ڈرائنگ روم نما ایک کھلی جگہ تھی جہاں آتش دان کے گرد دو صوفے رکھے تھے، شعلوں کی لپک جھپک کے ساتھ لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

۔آتش دان کے سامنے لکڑی کے فرش پر نرم گدا، اس پر رضائی، اور رضائی کے اوپر ایک اور رضائی لیے وہ پیٹ کے بل لیٹا تھا، اس کے ہاتھوں میں تاشہ جے کی ایک کتاب تھی جو وہ آج اسکول کی لائبریری سے لایا تھا۔ اموجان اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

بادل اس شدت سے گرجے کہ وہ کتاب کو رکھتا فوراً سے اموجان کی گود میں اپنا منہ چھپا گیا۔

اس کی پیشانی کا بوسہ لیتے اموجان نے بے اختیار کھڑکیوں کی طرف دیکھا۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک میں ایک ناگہانی آفت کا تصور پوشیدہ تھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں اللہ کا ذکر اور دعا کا ورد شروع کر دیا۔

راکان نے پھر سے کتاب اٹھالی، چند ایک بار صفحہ پلٹتے اس کی آنکھیں پورے دن کی تھکاوٹ لیے نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سینے پر گر گئی۔ اموجان نے کتاب ہٹا دی، اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے انہوں نے رضائی اس پر اوڑھا دی تھی۔

ان کے عقب میں میز کے اس پار شیلف بنے ہوئے تھے، جہاں لکڑی کے منقش باکس دھرے تھے، شیشم اور دیودار کی تختیاں رکھی تھیں، نقش و نگاری کا سامان بھی پڑا تھا، لکڑی کٹائی کے اوزار بھی تھے...... وہیں کہیں ان

کے ہاتھ سے کاڑھے ہوئے غالیچوں کا ڈھیر بھی رکھا تھا۔ اور کڑھائی سے مزین میز پوش اور تکیوں کے غلاف بھی...... ان کا ہنر گھر کے ہر کونے میں موجود تھا،

گھر کے اندر جگہ جگہ ٹارچ لائٹس کے سوا موم بتیاں روشن تھیں۔ جانے کیوں ان بتیوں کو دیکھ کر انہیں ابتہال کا خیال آیا۔

digest library.com

راکان کی طرف سے کچھ تسلی کر کے وہ اٹھ کر شیلف کے پاس چلی گئیں۔ پنجوں کے بل بیٹھ کر انہوں نے آخری دراز کھولی۔ اوپر سے غالیچے ہٹا کر انہوں نے نیچے دیکھا۔۔ دراز کے اندر ایک ڈبہ رکھا تھا، اور سفید رنگ کا لپٹا ہوا ایک مفلر بھی...... جس پر خون کے پھیلے ہوئے داغ تھے، اور مٹی لگی تھی۔ گہری سانس بھر کر انہوں نے جیسے ان اشیاء کی موجودگی کی تسلی کی تھی...... غالیچہ اوپر رکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بادلوں کی گھن گرج مشرق سے اٹھی تو ان کی نگاہ بے اختیار راکان کی طرف چلی گئی۔

رضائی اوڑھے وہ گہری نیند سو رہا تھا، اب کوئی آواز اس کے آرام میں مخل نہیں ہو سکتی تھی۔

کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتی رہیں۔ پھر سامنے میز پر جا بیٹھیں۔ ٹارچ کی روشنی میں سر جھکا کر وہ ادھورا غالیچہ مکمل کرنے لگی تھیں۔ ان کے عقب میں کھڑکیوں کے اس پار ہرنائی کا جنگل بارش کے شور میں اپنی ہر آواز اندر کہیں دبا چکا تھا۔

☆☆☆

شاززیب کی آمد کی خبر خاندان بھر میں پھیل گئی تھی۔ چودہ برس بعد وہ واپس آ رہا تھا۔ عصمت آراء کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ تخت پر بیٹھے بیٹھے کئی انتظام کر لیے، کئی لوگوں کو فون گھما دیا۔ اس کے دوست احباب اور آخر میں انوشے کی ماں سے بھی بات کی۔ وہ کراچی میں رہتی تھیں اور اس خبر پر بے انتہا خوش تھیں۔

گھر کی، کمرے کی حتیٰ کہ شاہ زیب کے کمرے کی بھی صفائی انہوں نے میرال سے کروائی۔ ملازمہ ساتھ تھی مگر زیادہ محنت اسے ہی کرنا پڑتی تھی کہ اگر جو ذرا سی کمی بیشی رہ جاتی تو عصمت بیگم کے عتاب کا نشانہ وہی بنتی تھی۔

ان کی بہو انوشے کے دیدہ زیب ملبوسات ہینگ کر کے اس نے الماری میں لٹکائے، جو کپڑے اور شلوار سوٹ شاہ زیب کے لیے منگوائے گئے تھے، انہیں بھی استری کر کے اس نے الماری میں سجایا۔

عصمت بیگم وہیں تھیں۔ ہر کام اپنی نگرانی میں کروا رہی تھیں۔ ذہن کسی نہ کسی سوچ میں الجھتا تو وہ میرال کا چہرہ دیکھنے لگ جاتیں۔ بالکل عام سے حلیے میں وہ انہیں پاس کھڑی ملازمہ سے بھی کم تر لگی۔ ملازمہ کے کم از کم کپڑے تو اچھے تھے مگر اس کے تو۔۔۔

جانے کس احساس کے تحت ان کے لبوں پر مسکراہٹ سی ابھری۔ انہوں نے ملازمہ کو وہاں سے بھیج دیا۔

"اس گھر کی نوکرانی ہو تب ہی اس کمرے میں ہو، تمہیں کچھ اور سمجھا ہوتا تو یہاں نہ کھڑا کرتی۔"

ڈریسنگ ٹیبل پر کاسمیٹک کا کچھ سامان ترتیب سے رکھتے اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس نے عصمت بیگم کا عکس دیکھا۔ جانے کیوں وہ عکس دھندلا ہوا۔ حالانکہ وہ تو بس اپنا کام کر رہی تھی۔ وہی کام جو معمول کا تھا۔ وہی صفائی جو روز ہوتی تھی۔

"تمہیں دیکھ کر ان لڑکیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو گھر سے بھاگ کے شادی کرتی ہیں!" عصمت بیگم کا سر ہنوز اٹھا ہوا تھا، گردن میں سریا تھا، آنکھوں میں غرور اور انداز میں تمکنت۔

وہ جھک کر کچھ چیزیں درازوں میں رکھنے لگی۔ پھر اس نے بیڈ پر تکیوں کی ترتیب درست کی۔

"تمہاری بھی کیا زندگی ہے،" ان کے لہجے میں طنز اترا۔ "اللہ کی پناہ!"



Scanned with CamScanner

اسی لمحے درفشاں بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ "دادو! پھپھو کا فون ہے!"
عصمت بیگم کے تاثرات ایک دم سے نرم پڑ گئے۔ فون کان سے لگاتے انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔ کام وہ مکمل کر چکی تھی۔ سو باہر آ گئی۔
سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آئی تو کامران نے چائے کا مطالبہ کر دیا۔ اس نے چائے بنا کر دی اور پھر ذرا دیر کو ستانے کے لیے سرما کی دھوپ میں جا بیٹھی۔ جو کمرہ اسے دیا گیا تھا وہ کچن سے ملحق مگر گھر سے الگ تھا۔ وہاں ایک شاہ بلوط تھا یا پھر لکڑی کا بنچ جس پر اکثر ابتہال بیٹھی رہتی تھی۔ آج وہ اندر تھی اور اسے کھڑکی سے دیکھ کر باہر آ گئی تھی۔

digest library.com

لان میں رنگ برنگی بتیاں لگوائی جا رہی تھیں۔ شادی کا گھر تھا مگر اب تمام تیاریاں وقت سے پہلے کی جا رہی تھیں۔ تاکہ شاہ زیب کا استقبال شان دار طریقے سے ہو۔
ملازمہ اسے وہیں طویل لسٹ تھما کر گئی کہ اسے شام کے کھانے پر کیا کیا بنانا ہے۔
"بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں۔ آٹھ بجے کی فلائٹ ہے، نو بجے تک کھانا تیار ملنا چاہیے!"
کاغذ کے ٹکڑے کو ہاتھ میں لیے وہ خالی نظروں سے سامنے دیکھنے لگی۔
"ورے نے مجھ سے پوچھا شاہ زیب آ رہا ہے، تمہاری فیلنگز کیسی ہیں، غلط سوال تھا، غلط بندی سے پوچھا اس نے۔"
میرال گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ بند دروازے سے ٹیک لگائے وہ اپنی طنزیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمائے ہوئے تھی۔ برابر کٹے کتھئی بال ماتھے پر بکھرے تھے، آنکھوں میں کئی شکوے دھرے تھے۔ اس کے چہرے پر دھوپ پڑتی تھی تو صبیح رنگت سرخ ہو جاتی۔ مگر اس پل چہرے پر دھوپ نہ تھی، پھر بھی وہ سرخ لگ رہی تھی۔
"سوال تو آپ سے ہونا چاہیے! پندرہ سال بعد شاہ زیب آ رہا ہے۔ پندرہ سال بعد!" شاہ زیب کے لیے اس کا لہجہ اور الفاظ کسی بھی ادبی تقاضوں سے عاری ہوتے تھے۔ وہ اس کے لیے بس ایک اجنبی سا مرد تھا جسے درفشاں اس کا "ڈیڈ" کہتی تھی۔ اور میرال اس کے لیے ایک عام سی عورت تھی جسے سب اس کی "ماں" کہتے تھے۔ خود اس نے اپنی زندگی میں دونوں کو نہ کوئی مقام دے رکھا تھا نہ رتبہ۔
"آپ اس کے کمرے کی صفائی کر کے آ رہی ہیں!" وہ میرال پر ہنسی۔ "اس کی بیوی آ رہی ہے، بچے آ رہے ہیں! کیسے رہیں گی اب آپ یہاں؟ سامنا کریں گی؟" اسے سوچ سوچ کر مزا آ رہا تھا۔ وہ میرال کی بے بسی پر مسرور ہو رہی تھی۔
"ویسے کتنی حیرت کی بات ہے نا۔ جو بھگا کر لایا تھا اس کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور جسے بھگا کر لایا تھا وہ گھر کی نوکرانی بنی ہوئی ہے۔"
میرال کے تاثرات میں کرب گھل گیا۔ آنکھ کے گوشے بھیگ گئے۔ ابتہال کی ہر بات ایسے ہی تیر کی طرح دل میں پیوست ہوتی تھی۔
"چپ کر جاؤ!"
"مجھ سے درفشاں نے پوچھا۔ آپ سے کسی نے نہیں پوچھا؟ آپ کی دیورانی جیٹھانی نے، سکو نے بھی نہیں پوچھا؟"
میرال اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس کے لیے وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔
"ایک بار اپنے گھر سے بھاگ گئی تھیں آپ۔ یہاں سے نہیں بھاگ سکتیں؟" اسے جاتا دیکھ کر ابتہال کو یک



Scanned with CamScanner

دم غصہ چڑھا۔ مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اندر جا چکی تھی اور ایک بار پھر اس نے خود کو کام میں مصروف کر لیا تھا۔ کچن میں اب وہ شام کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ کھانا جو اسے شاہ زیب اور اس کی فیملی کو بعد میں پیش بھی کرنا تھا۔

digest library.com

☆☆☆

باغیچے میں کرسی پر بیٹھے شاہزل نے گہری سانس لے کر نگاہوں کا زاویہ بدلا تو دروازے کے اس پار اسے دلربا نظر آئی۔ اس نے سفید رنگ کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ اور بال آج کھلے چھوڑ رکھے تھے، ہاتھوں میں ٹرے لیے وہ دروازہ دھکیل کر اندر آ گئی تھی۔ وہ اسے یوں ناشتے کی ٹرے اٹھائے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

''میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' میز پر ٹرے رکھتی وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر تک یہاں وہاں دیکھتے وہ کچھ ہمت مجتمع کرتی رہی، کئی بار اس نے گال پر پھسلتی لٹوں کو پیچھے کیا، اپنے بندوں کو چھوا، پھر اس کی جانب دیکھا۔

''میں نے اس رات تم سے کافی روڈلی بات کی،'' وہ بولی تو اس کا لہجہ سخت نہیں تھا۔ ''بلکہ میں نے تم سے ہمیشہ روڈلی ہی بات کی ہے۔''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''امل کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اور میں پھر بھی چلی گئی، بعد میں مجھے احساس ہوا میں نے بہت غلط کیا...... انفیکٹ میں ہمیشہ سے تمہارے ساتھ غلط ہی کرتی آ رہی ہوں!'' کپ میں چائے انڈیل کر اس نے سامنے رکھ دیا۔ کیک پیس بھی پیش کر دیے۔

آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی لیے وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

''تم سوچ رہے ہو گے، اچانک یہ بدلاؤ کیسا ہے؟ اور میں ہر رات سوچتی ہوں، تمہاری محبت کے جواب میں میرا رویہ کیوں ایسا ہے؟ دردانہ بھابھی کہتی ہیں۔ میں اپنا گھر برباد کر رہی ہوں، لیکن میرے اپنے کچھ ایسے ایشوز ہیں کہ میں انہیں بھی سمجھ نہیں پائی...... زارا نے مجھے اپنی ایک دوست سے ملوایا ہے، ڈاکٹر فریحہ، وہ ایک تھیراپسٹ ہیں، ہماری کافی لمبی گفتگو ہوئی۔'' بات کرتے کرتے اس نے اپنا ہاتھ شاہزل کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ شادی کے بعد پہلی بار الفت اور محبت کی کوئی ابتدا اس کی طرف سے ہو رہی تھی۔ ''میں نے اس سے ہماری زندگی کے بارے میں بات کی۔ میرا یہ رویہ، اور تلخی اور جس طرح سے میں تم سے بھاگنے کی کوشش کرتی ہوں، اس نے بتایا، مجھے کچھ ایشوز ہیں، اور یہ کہ میں انہیں حل کر سکتی ہوں اور ہم دونوں ایک اچھی خوش گوار زندگی گزار سکتے ہیں! اس لیے۔ میں کوشش کر رہی ہوں کی ہمارے درمیان سب ٹھیک ہو جائے۔ آئم رئیلی سوری فار اوری تھنگ۔''

شاہزل اسے دیکھ کر رہ گیا، وہ طلاق کے لیے وکیل سے بات کر چکا تھا، اس نے کاغذات بھی تیار کروا لیے تھے،

''میں اس رشتے کو نبھانا چاہتی ہوں شاہزل!''

وہ جانتی تھی شاہزل کبیر کو اس سے محبت تھی، اسے علم تھا وہ اس کی دھڑکن اور کمزوری بھی تھی۔ یقین تھا کہ وہ معذرت قبول کر لے گا اور اس نے کر لی۔ دلربا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے دھیرے سے مسکرایا۔

''اٹ مینز آلوٹ میں کافی پریشان تھا!''

کرسی گھسیٹ کر قریب بیٹھتے ہوئے اس نے شاہزل کے کندھے کے ساتھ اپنا سر مس کیا۔ اور اوپر راہداری کی دیوار گیر کھڑکیوں سے یہ منظر دیکھتے دردانہ کی بھنویں اٹھ گئیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے بھئی۔ دلربا اور اتنی رومانٹک!'' اسے یقین نہیں آیا۔ بات بات پر طلاق مانگنے والی دلربا کو



Scanned with CamScanner

اچانک یہ کیا ہو گیا تھا۔
اور نیچے باغیچے میں دلربا شاہزل کے ساتھ پہلی بار خوش اخلاقی اور اسلوبی سے ناشتہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

ابتہال کچن کی کھڑکیوں میں آ کھڑی ہوئی۔ نگاہیں میرال کے چہرے پر جمی رہیں۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی میراں غم کے پہاڑ کہاں چھپائے رکھتی تھی کہ چہرے پر زلزلے کے آثار ہی نہ تھے۔ اس کی آنکھوں میں سالوں کا سکوت ٹھہرا تھا۔ اور تاثرات میں کوئی دکھ نہ تھا۔ ابتہال کو لگا میراں کا چہرہ حقیقی نہیں کسی روبوٹ کا ہے۔ یا کسی بے جان سی مورت کا جس کے تاثرات کو خاموشی میں ڈھال دیا گیا ہے۔
وہ کچن میں اسے دیکھنے کئی بار آئی، ہر بار اس نے چاہا وہ اسے ٹوٹتے بکھرتے، اور کچن کے فرش پر ڈھیر ہوتا دیکھے۔

digest library.com

شاہ زیب کی واپسی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ضرب کاری تھی، چوٹ گہری تھی۔ اس نے چاہا دراڑ پڑ جائے۔ میراں کے اندر کے سناٹوں میں طوفان برپا ہو، بھونچال آ جائے مگر کچھ نہ ہوا۔ وہ روزمرہ کی طرح پورے اہتمام سے اپنا کام کر رہی تھی۔، دیکھ بھال کر کے، کہیں کوئی کمی بیشی نہ رہ جائے۔ روزمرہ کی طرح اس رات کا کھانا بھی اہتمام سے تیار ہوتا رہا۔
وہ مایوس ہو کر پلٹ گئی۔ کمرے میں کچھ دیر تک ٹہلتی رہی۔ پھر اس نے خود کو ٹٹولا۔ اس کے احساسات کیسے تھے؟ وہ کیا سوچ رہی تھی؟ کیا چاہ رہی تھی؟ ہارن کی آواز کے ساتھ شور سنا تو فوراً ہی باہر آ گئی۔ شاہ بلوط کے پاس رک کر اس نے بہت آگے تک دیکھا۔
گاڑی پورچ میں کھڑی کی جا چکی تھی۔ شاہ زیب باہر نکل رہا تھا۔ تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک وجیہہ مرد، جیل سے جمے ہوئے بال، اور نکھرا ہوا چہرہ۔ ساتھ ہی اس کی بیوی تھی۔ مغربی طرز کے لباس میں ملبوس انتہائی سٹائلش سی، مگر وزن کچھ بڑھا ہوا تھا، دو بیٹیاں بھی تھیں۔
وہ بے تاثر نگاہوں سے انہیں دیکھتے وہاں کھڑی رہی۔ چھپ کر، جیسے کسی کی تاک میں ہو، انتظار میں ہو، جیسے شاہ زیب گھر کے تمام افراد سے ملنے کے بعد کوئی سوال، استفسار کرے، کسی کو تلاشے، کسی کا پوچھے۔
مگر اس کے لیے وہاں "غائب" کوئی نہ تھا، سب "حاضر" تھے۔ ماں، بہن بھائی، بھانجے بھتیجے۔ کیسی رونق لگ گئی تھی۔ ایک شاہ زیب کی واپسی نے کتنی خوشیاں بکھیر دی تھیں۔
وہ عصمت بیگم کو دیکھتی رہی جو اپنے بیٹے کی بلائیں لیتے نہ تھکتی تھیں، پوتیوں کو بھینچ کر خود سے لگاتی تھیں، اور بہو کو بار بار اپنے قریب کر رہی تھیں۔ ایسی، چاہت، محبت اور الفت کا نظارہ اسے متحیر سا کر گیا۔
وہ اندر چلے گئے تو وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی دیوار گیر کھڑکیوں کے پاس آ گئی۔ اندر کا منظر یہاں سے نظر آتا تھا۔ وہ شاہ زیب کو دیکھ رہی تھی۔ یک ٹک۔ پلکیں جھپکائے بنا۔
اس نے شاہ زیب کا چہرہ ایک تصویر میں دیکھ رکھا تھا۔ مگر وہ تصویر پندرہ سال پرانی تھی، اور ساکت تھی۔ یہ چہرہ نیا تھا اور زندہ تھا۔ وہ پہلی بار اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ باپ جس نے اسے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے الگ اور منفرد نظر آ رہا تھا۔
"ابتہال بنت شاہ زیب! اب پلٹ جاؤ واپس!" اس کے اندر ایک آواز ابھری، ایک شور اٹھا اور وہ پیچھے ہٹی، پھر کمرے میں چلی گئی۔
اس کے تاثرات میں اب وہی خاموشی آ چکی تھی اور آنکھوں میں وہی سناٹا چھا گیا تھا۔ اب وہ بیڈ پر بیٹھی تھی اور میراں کو سوچ رہی تھی۔



Scanned with CamScanner

میرال کیا کرے گی؟ اتنا عرصہ بعد...... شاہ زیب کو سامنے دیکھے گی... تو کیا کرے گی؟ پھر سے جگہ ہتھیائے گی، شور کرے گی یا اس محبت کے ہاتھوں ماری جائے گی، جو محبت گزشتہ پندرہ سالوں سے اسے پل پل مارتی آرہی تھی۔

اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ آگئی۔ ٹانگیں جھلاتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر دروازے کو دیکھا۔ دل چاہا اٹھ کر جائے اور میرال اسفند کا اب چہرہ دیکھے، آنکھیں دیکھے، چیخیں سنے اور اس پر ہنسے، خوب ہنسے۔

پندرہ سالوں کا انتظار!

اور ملا بھی تو کیا؟

شوہر۔ اس کی بیوی اور بچے!

وہ ہنسنے لگی۔

میرال کتنی پاگل تھی؟ بھلا کوئی کسی بے وفا کی خاطر، اپنی زندگی کے قیمتی ماہ و سال کا بھی یوں ضیاع کرتا ہے؟ بھکاری بن کے اس در پہ رہتا ہے جس کا وہ حق دار ہو۔

وہ سوچتی رہی اور آنکھوں میں حظ لیے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

☆☆☆

کبیر ہاؤس کا ماحول دلربا کے رویے کی وجہ سے اچانک بدل گیا تھا۔ اب وہ صبح کے ناشتے پر اور شام کے کھانے پر بھی ڈائننگ ٹیبل پر نظر آنے لگی تھی۔ ملازموں کے ساتھ اس کا لہجہ ویسا ہی تھا مگر گھر کے مکینوں کے ساتھ اس نے جیسے ایک ان دیکھی سی صلح کر لی تھی۔

اریبہ اور ہادی سے اس نے خوب باتیں کیں، سفیر سے بھی اپنے رویے کی معذرت کر لی مگر دردانہ سے اس نے اپنا فاصلہ ہنوز بنائے رکھا۔ دردانہ معنی خیز نگاہوں سے اس کے رویے کا بدلاؤ ملاحظہ کرتی رہی۔

"یہ کیسی تھیراپسٹ ہے جس نے ہماری دلربا کو اتنا بدل دیا؟"

دلربا کافی بنا رہی تھی، سلگ کر رہ گئی۔

"تمہاری کہانی میں کافی جھول ہیں، سمجھ میں نہیں آرہا۔" اپنی پیشانی کو چھو کر وہ مسکرائی۔ دردانہ کی مسکراہٹ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے زہر لگی تھی۔

"کیا سمجھ میں نہیں آرہا؟" اس نے کافی مگ میں انڈیلی۔

"یہ طلاق طلاق کرتے اچانک اتنی محبت کیسے جاگ گئی؟"

دلربا نے بہت ضبط سے اس کی طرف دیکھا۔

"بھئی مجھے بھی اپنی تھیراپسٹ سے ملاؤ، میں اس کے ہاتھ چومنا چاہوں گی کہ دنیا بھر کے نفسیاتی ماہرین چھ ماہ، سال لگا دیتے ہیں اور تمہیں تمہاری ڈاکٹر نے ایک دن میں ٹھیک کر دیا۔ بھئی واہ!"

دلربا کا دل چاہا، گرم کافی اس کے چہرے پر انڈیل دے، یا کارنر میں رکھی ہوئی چھری اٹھا کر اس کے پیٹ میں گھونپ دے۔ اس کا پورا وجود ان دیکھی آگ میں ایک بار پھر جلنے لگا تھا۔

سفیر اور اس کے بچے، حتی کے شاہزل تک نے یقین کر لیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کو سنوارنے اور اس رشتے کو نئی طرز پر نبھانے کی کوشش کر رہی ہے مگر دردانہ......

"ماننا پڑے گا، بہت جینئس ہو!! لیکن تمہارے اس کھیل کو انجوائے کرنے سے زیادہ مجھے انجام کا سسپنس زیادہ ہو رہا ہے، میرے لیے اس وقت تم نیٹ فلیکس سیریز بنی ہوئی ہو، اور ہر نئے دن تمہارا ایک نیا ایکٹ مجھے بہت انٹرٹین کر رہا ہے......"



digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

تپتے ہوئے بیگم پر دلربا کی گرفت سخت ہوگئی تھی۔ اس کے پورے کھیل کا پردہ چاک کیے وہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

digest library.com

"ویسے اچھا ہوگا اگر تم میرے بجائے سفیر بھائی پر توجہ دو۔"

دردانہ کو ہنسی آگئی۔ "یہ بات تم کہہ رہی ہو؟؟ جس نے اپنے شوہر کو بس ابھی دو ہفتوں سے دیکھنا شروع کیا ہے۔"

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی!" وہ غصے سے پاؤں پٹختی کچن سے نکل گئی۔

"دلربا ڈارلنگ!" اس نے کچن سے نکل کر اسے پکارا۔ "کل کا دن مجھے زیادہ انٹرسٹنگ لگنا چاہیے، سنا ہے تم شاہزل کے ساتھ گھومنے پھرنے جا رہی ہو۔"

دلربا نے سامنے ہی ڈرائنگ روم کا دروازہ زور سے بند کر دیا تھا۔

دردانہ لبوں پر مسکراہٹ لیے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

"کتنی بار کہا ہے دردانہ! مت الجھا کرو اس سے!"

دردانہ کمرے میں داخل ہوئی تو سفیر نے کہا۔ بیڈ پر نیم دراز وہ موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔

"الجھ کہاں رہی ہوں، میں تو اسے سلجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"وہ پہیلی نہیں ایک انسان ہے۔"

"انسان زیادہ پیچیدہ ہوتے ہیں، انہیں زیادہ غور سے دیکھنا پڑتا ہے!" وہ اس کے پاس آ بیٹھی۔

"دردانہ۔ اتنی مشکل سے گھر کا ماحول کچھ پرسکون ہوا ہے، اب اسے پلیز خراب مت کرو۔"

"خراب میں کر رہی ہوں؟ آپ کو اس کے رویے کا بدلاؤ عجیب نہیں لگ رہا؟"

"دلربا کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے، اس میں عجیب کیا ہے؟"

"یہ احساس اسے آپ سب کے ساتھ ہوا ہے، میرے ساتھ نہیں ہوا؟"

"تو تم اس لیے اس کے پیچھے پڑی ہو کیونکہ اس نے تم سے ایکسکیوز نہیں کیا؟"

دردانہ نے مسکرا کر سفیر کو دیکھا۔ "کیا آپ نے آج سے پہلے مجھے اس کے کسی رویے یا ٹانٹرم پر کوئی کمنٹ کرتے دیکھا ہے؟"

سفیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ دلربا کا رویہ اس گھر میں جیسا بھی رہا تھا، دردانہ نے کبھی بھی اس کی کسی حرکت پر ردعمل نہیں دیا تھا۔ بات جب ہادی اور اریبہ پر آئی تھی تب بھی نہیں۔ اس نے صرف بچوں کو سمجھا دیا دلربا کا سامنا نہ کریں اور بات یہیں ختم ہوگئی تھی۔ مگر اب۔

"دردانہ!"

"وہ بہت چالاک لڑکی ہے، ایکٹ کر رہی ہے۔"

"کم آن یار! اب ایک طرف سے آگ بجھ گئی ہے تو تم نے بھڑکا۔"

"بھڑکا کہاں رہی ہوں!" لہجے میں اطمینان لیے وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "آپ کو دکھا رہی ہوں، بعد میں نہ کہیے گا، دردانہ تم نے کیوں نہ کہا"

سفیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

"بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں اور کتنی دیر ہے؟" سکینہ بی بی نے کچن کے دروازے میں رک کر پوچھا تھا۔



Scanned with CamScanner

"بس ہوگیا۔" کہہ کر وہ تمام ڈشز ایک ایک کر کے ڈائننگ ہال میں رکھتی گئی۔

"نوکرانی ہو تب ہی یہاں ہو، تمہیں کچھ اور سمجھا ہوتا تو کبھی یہاں کھڑا نہ کرتی!"

اس کا حلیہ ابتر تھا، چہرے کی رنگت زرد پڑ رہی تھی، کچھ لٹیں گالوں سے لگی ہوئی تھیں، اور ہلکا لباس سلوٹ زدہ سا کہ صبح اسے جلدی میں کپڑے استری کرنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ سکینہ بی بی نے سر تا پیر اسے دیکھا پھر تاسف سے سر ہلاتے ایک گہری سانس بھری۔

digest library.com

"اللہ بھلا کرے تیرا!"

میرال نے نہیں سنا۔ وہ آخری ڈش اٹھائے ڈائننگ روم میں گئی۔ میز پر عصمت بیگم کے پہلو میں بیٹھے شاہ زیب نے نگاہ اٹھائی۔ میرال کی نظروں سے ٹکرائی۔

کئی لمحے، کئی پل جانے کس عذاب سے گزرے، گزشتہ پندرہ سال سمٹ کر ختم ہوئے، وقت کہیں پیچھے لے گیا، یونی ورسٹی کے سرسبز احاطے پر اس کے ساتھ ہنستی ہوئی وہ لڑکی، ریستوران میں شادی کی پیشکش کرتا وہ، سڑک کنارے بارش میں بھیگ کر اس کے پاس آتی میرال بنت اسفند......اور......

"میرال بنت اسفند! کیا آپ کو شاہ زیب ولد زمان احمد کے ساتھ حق مہر سکہ رائج الوقت پانچ ہزار روپے یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے؟"

"شاہ زیب!"

وہ عصمت بیگم کی آواز پر چونکا، وہ انوشے کی پکار پر ہلا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ سب اسے دیکھ رہے تھے۔

کامران نے اچٹتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ ثمرہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ وہ جان گئے ابھی کیا ہوا تھا۔ وہ کیوں پتھر ہوگیا تھا۔ برابر میں بیٹھی انوشے ہر بات سے لاعلم تھی، اس وجود سے بھی جو ابھی ابھی اس کے شوہر کو ہلا کر گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرال کے لیے ایک دم سے غصہ اور نفرت آ گئی۔

ڈش میز پر رکھتے وہ عصمت بیگم کی جانب متوجہ ہوئی جنہوں نے سرد مہری سے کوئی آرڈر دیتے اسے جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔ اور وہ چلی گئی تھی۔ شاہ زیب کی نگاہوں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا۔ وہ ذرا بھی نہیں بدلی تھی، گزشتہ ماہ و سال جیسے اسے چھو کر بھی نہ گزرے ہوں، عمر جیسے روک دی گئی ہو، نہ وزن بڑھا تھا، نہ روپ میں تبدیلی آئی تھی، ویسی ہی دبلی پتلی سی۔! ہاں فرق شاید اس رنگت میں تھا جو مرجھا گئی تھی اور اس چہرے پر جو کملا کر رہ گیا تھا۔ تبدیلی بس اس کے حلیے اور لباس میں آ گئی تھی۔

کھانا شروع کر دیا گیا۔ سب گفتگو میں حصہ لینے لگے، جو باتیں رہ گئی تھیں وہ پوچھی جانے لگیں، یمنی اور ارزا بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں۔ درفشاں، انوشے کے ساتھ چپکی بیٹھی تھی۔

کھانا ختم ہوا تو چائے کا دور چلا اور پھر شاہ زیب اور اس کی فیملی کو ان کے کمروں تک پہنچایا گیا، تا کہ وہ سفر کی تھکان دور کر سکیں اور گہری نیند سو سکیں۔

خود عصمت بیگم بھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ یونہی سونے کی کوشش کرتے شاہ زیب زمان ناکام ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"تم اتنے گھٹیا نکلو گے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا!" زمان صاحب کی غصیلی آواز اس کی سماعت سے ٹکرانے لگی تھی۔ "شرم آتی ہے مجھے تمہیں اپنی اولاد کہتے ہوئے بھی، کیا یہ تربیت کی تھی میں نے تمہاری؟ اس دن کے لیے پال پوس کر جوان کیا تھا کہ تم اس طرح دوسروں کی زندگیوں سے کھلواڑ کرتے پھرو۔"



Scanned with CamScanner

"بابا میری چھوٹی سی غلطی......"

"غلطی نہیں ہے یہ!" وہ دھاڑے تھے۔ "نکاح کیا ہے تم نے اس سے... گھر سے بھگایا ہے اسے!" آنکھوں میں میرال اسفند کے چہرے کے ساتھ ہی خون اتر آیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ کمرے سے باہر تھا اور آہستگی سے سیڑھیاں اتر کے نیچے آیا تھا۔

digest library.com

کچن سے برتنوں کی کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ دروازے میں رک کر اس نے اندر دیکھا۔

شام کے اس پہر پورے کچن کی صفائی کر کے میرال اسفند، استعمال شدہ برتن دھونے میں مصروف تھی، کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔

"تو وقت نے اپنے طور پر ثابت کر دیا، گھٹیا میں نہیں تم تھیں!"

کانچ کا گلاس میرال کے ہاتھوں سے چھوٹ کر سنک میں جا گرا، ایک دم سے مڑ کر اس نے پیچھے دیکھا۔

"مل گئی تمہیں اپنی جگہ، پالیا سکون؟"

وہ کاؤنٹر ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ جس کی ایک جھلک دھڑکنوں کو منتشر کرتی تھی، آج فنا کر گئی، وہ جس کی آواز محبت کا احساس لگتی تھی، آج موت کا پیغام بن گئی۔

"میری بربادی کے لیے تم نے یہ زندگی چنی!" اس کے لہجے میں قہر تھا۔

آنکھوں میں درد بھری خاموشی لیے وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ سنک میں پانی گرتا رہا، شور اٹھتا رہا۔

"تم نے کہا تھا شاہ زیب میں تمہیں برباد کر دوں گی، تو سوچا کیوں نہ آج اس بربادی کا چہرہ دیکھا جائے!"

اس کے عقب میں کچن دروازے کے پاس ابتہال رک گئی تھی، سانس روکے وہ دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی، اس کی دھڑکن اتنی شدید تھی کہ آواز کانوں میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔

"تمہاری وجہ سے بابا مجھ سے ناراض چلے گئے، فیملی میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا، کوشش تو بہت کی تم نے لیکن کامیاب تو نہیں ہوئیں۔......"

کس قدر ضبط کے ساتھ میرال نے نظر ہٹائی اور سنک بند کر دیا۔

"میں ہمیشہ یہی سوچتا رہا، تم یہاں تک کیسے پہنچیں، میرے گھر، میرے ماں باپ تک، کس نے تمہیں راہ دکھائی، کس نے تمہارا ساتھ دیا!" آنکھوں میں ایک نفرت لیے وہ بولا تو لہجے میں حقارت سی تھی۔ "بہت سوچنے پر یاد آیا وہاں عباد تو تھا۔"

عباد کا ذکر کرتے اس کے چہرے پر کراہت کے اثرات نمایاں ہوئے۔

"جو لڑکیوں کو کپڑوں کی طرح بدلتا ہے، اس نے تمہیں بدلنے کے لیے کیا لیا۔"

"بس..... شاہ زیب......!" اس کی آنکھوں میں سرخی آچکی تھی، نمی آچکی تھی، درد اب ہر زخم سے اٹھ رہا تھا۔

"اتنا بڑا احسان کیا آخر اس نے تم پر... کچھ تو لیا ہوگا؟ کوئی تو سودا کیا ناں تم نے اس سے؟"

میرال کے کان سائیں سائیں کرنے لگے، آس پاس جیسے دھماکے ہو رہے تھے، ویرانی میں موت نظر آنے لگی تھی۔ عزت کی دھجیاں بکھری ہوئی تھیں، اس کی کرچیاں وجود میں اب کھبتی نظر آئیں۔ وہ آنکھوں میں غم، صدمہ اور بے بسی لیے اسے بہت کرب سے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ چہرہ جو کبھی خوب صورت لگا کرتا تھا، وہ کتنا کریہہ تھا، وہ وجود جو آنکھوں کی ٹھنڈک تھا، وہ کتنا متعفن تھا، اس کی سوچ کتنی گھٹیا، اس کا کردار کتنا گرا ہوا تھا۔ اسے محبت ہوئی بھی تو کیسے انسان سے؟ اس نے اپنی پوری زندگی داؤ پر لگائی بھی تو کس انسان کے لیے؟



Scanned with CamScanner

پندرہ سال بعد اسے یاد رہا تو بس یہی۔ تجسس تھا بھی تو فقط اس بات کا کہ وہ گھر تک کیسے آئی۔

"مجھے یہ سمجھنے میں کافی وقت لگ گیا، لڑکی ایک بار کسی کے پیچھے بھاگے تو ساری عمر بھاگتی ہی رہتی ہے، کبھی کسی کے ساتھ...... کبھی کسی کے ساتھ...... اماں مجھے سب بتاتی رہتی ہیں، اس گھر میں بھی جو تم کر رہی ہو، اور کرتی آرہی ہو۔"

میرال نے بمشکل سانس لیا۔ جس جہنم میں وہ رکی ہوئی تھی، اس کا داروغہ آچکا تھا۔ حساب کی فہرست طویل تھی، عذاب کی لسٹ اب طویل ہو رہی تھی۔

"خیر...... میں تم سے ابتہال کی بات کرنے آیا ہوں!"

میرال کا سانس رک گیا۔

"وقت پر ابارشن کروا لیا ہوتا تو آج وہ ہمارے درمیان ڈسکس نہ ہوتی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے، اماں کی خواہش ہے، میں اس معاملے کو مزید نہیں لٹکا سکتا۔"

دروازے کے اس پار کھڑی ابتہال کی پھٹی پھٹی آنکھیں اپنے باپ کی پشت پر جمی رہ گئیں۔

"اس کے معاملے میں جو فیصلہ ہوگا، وہ میں خود کروں گا، تمہارا انکار مجھے مل چکا ہے لیکن میرے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں۔"

ابتہال نے چاہا میرال اسے جواب دے، اس پر چیخے، اسے غصہ دکھائے۔

میرال ساکت تھی، خاموش، مجسمہ بنی، پتھر میں ڈھلی۔ گویا سانس بھی نہ لے رہی ہو۔

اپنی بات پوری کر کے وہ جانے کے لیے مڑا تو ابتہال تیزی سے دروازے سے ہٹ کر پردے کے پیچھے ہو گئی۔

کچھ ہی دیر بعد اس نے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر جا چکا تھا۔

کچن میں واپس جانے کی ابتہال میں دوبارہ ہمت نہ ہوئی۔ وہ واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس سے کچھ سکون نہ ملا تو عقبی دروازہ کھول کر باہر آگئی۔

کافی دیر تک وہ گہری سانسیں لیتی رہی۔ یوں جیسے اپنی سماعت پر یقین کرنا چاہ رہی ہو۔ شاہ زیب کے لفظوں کو سمجھنا چاہ رہی ہو۔ اس کے ارادوں کو پرکھنا چاہ رہی ہو۔

کافی دیر بعد وہ کمرے میں آئی تو میرال اسے بستر پر بیٹھی دکھائی دی۔ اس کی رنگت زرد تھی اور آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔ معمول کی طرح۔

ابتہال چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔

"شاہ زیب واپس آرہا ہے، آپ کے کیا احساسات ہیں!"

اسے اپنا سوال یاد آیا۔ اس نے احساسات کی بات کی، ابتہال پر اب انکشاف ہوا تھا۔ میرال اسفند تو زندہ بھی نہیں تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆



digest library.com

Scanned with CamScanner

تہنیت آفرین ملک

# نرمل کوٹ کی رعنا تراب

نزل کوٹ میں سورج سرمئی بادلوں کا لباس پہنے آیا تھا۔ گہرے سیاہ بادلوں نے پورے پہاڑی وادی کو گویا اپنی آغوش میں لپیٹ لیا تھا۔

پہاڑی سرمئی چڑیا نے پتھر کی دیواروں اور لکڑی کے شہتیر رکھنے والے قصبے کی، واحد لائبریری کی کھڑکی کو معمول کی طرح کھٹکھٹایا اور آنکھیں ٹکا کر لائبریری میں جھانکا۔

قدیم کتابوں سے بھی دیواریں آنکھیں موندے اسے دیکھ رہی تھیں، جو اس لائبریری کی واحد مکین تھی۔

وہ جو سیلن زدہ چھت کے نیم اندھیرے کمرے میں آرام دہ کرسی پہ جھولتی چڑیا کی چہکار سنتی چونک گئی۔

بوڑھے، کانپتے ہاتھوں سے اس نے تپائی پہ پڑی عینک اٹھا کر پہنی اور سہارا لیتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

''نزل کوٹ میں سرما کی برسات شروع ہو گئی ہے، آخر!'' بڑبڑاتے ہوئے وہ چلتی کھڑکی کے سامنے رکی اور کھڑکی کا ہینڈل گھما کر پٹ وا کر دیے۔

بھیگی سرمئی چڑیا تیزی سے اندر داخل ہوئی اور اوپر شہتیر کے طاق میں چھپ گئی۔

رعنا نے ایک نظر سرمئی چڑیا پر ڈالی، جو گھونسلے میں جا کر دبک سی گئی تھی اور دوسری نظر کھڑکی سے باہر۔

پہاڑی پر بنی دو منزلہ لائبریری کی دوسری منزل پر لائبریرین کا ذاتی کمرہ ہونے کی وجہ سے، بارش میں برستا پورا نزل کوٹ اس کی نظروں کے سامنے تھا۔

اس نے گہری سانس لی اور بارش میں بھیگتی وادی کو تکتی رہی، لیکن چند لمحوں بعد اسے احساس ہوا کہ اب اس کا جسم سردی جھیلنے کے قابل نہیں رہا۔

کھڑکی سے باہر درخت کی شاخیں جھک کر رعنا کے کان میں کچھ کہنا چاہتی تھیں، لیکن بارش ہر بار انہیں کہنے سے روک رہی تھی۔ بھوری لکڑی کی الماری سے شال ڈھونڈتی رعنا کا ہاتھ ایک چھوٹی سی صندوقچی سے ٹکرا گیا اور صندوقچی ایک تیز آواز کے ساتھ زمین سے ٹکرائی۔ رعنا کا دل ہل گیا۔

''بڑھاپے میں دل سب سے پہلے کمزور ہوتا ہے۔''

اس نے شال نکال کر دیوار کی کھونٹی پہ لٹکائی اور جھک کر تمام چیزیں صندوقچی میں رکھنے لگی۔ کبھی کبھار ساری زندگی کا سرمایہ، یادوں کا لباس پہن کر ایک صندوقچی میں سما جاتا ہے۔

عینک کا شیشہ دھندلا رہا تھا، اور باہر بارش کا شور بھی بڑھ رہا تھا۔ رعنا نے کانپتے ہاتھوں سے عینک اتاری اور نیلے مخملی کپڑے میں لپٹی یادوں کو تھامتی اٹھی۔

شال لپیٹتے ہوئے وہ کھڑکی کے پاس موجود کرسی پر بیٹھ گئی اور بھیگتے نزل کوٹ کو دیکھتی رہی۔

تپائی پر چائے کا تھرماس اور مخملی کپڑے میں لپٹی کوئی یاد پڑی تھی اور وہ چاہ کر بھی اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہی تھی۔

سرمئی چڑیا کا جسم خشک ہو گیا تھا، اب وہ گھونسلے سے جھانکتی رعنا کو دیکھ رہی تھی جو ہمیشہ لائبریری کے دروازے کھلے رکھتی تھی۔ حالانکہ سالوں گزر رہے، کبھی کوئی اس لائبریری میں نہیں آیا اور نہ ہی کبھی قصبے والے جھانکتے تھے۔ سرمئی بادلوں نے شہر کی روشنی چوری کر لی تھی۔ رعنا نے

لالٹین کو کرسی کے عین اوپر لٹکا رکھا تھا، لیکن چونکہ پردے بندھے ہوئے نہیں تھے، اس لیے ہوا کے دوش پر لالٹین کی لو لہرا جاتی تھی۔

رمنا کی کتابوں کی الماری اس لہراتی ہوئی روشنی میں مختلف سائے دیکھتی۔

سرمگی چڑیا اب کرسی کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنی رمنا نے گردن موڑ کر چڑیا کو دیکھا اور نم آنکھوں سے مسکرائی۔

digest library.com

سرمئی چڑیا اڑی اور اس کے کندھے کے گرد
لپٹی شال میں پاؤں چھپا کر بیٹھ گئی۔
دونوں نرگل کوٹ کو بھیگتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔
دور ایک ریسٹ ہاؤس تھا، یقیناً بارش میں
سیاح اس وادی میں ٹھہرنا چاہتے تھے۔ کانپتے ہاتھوں
سے رعنا نے مخملی پرت کھولی اور بڑبڑائی،
"برکھا رت، یادوں کا موسم ہوتا ہے۔"
مخملی پرت میں ترتیب سے لفافے میں لپٹے
خط رکھے تھے۔ رعنا نے دیمک زدہ کاغذ کو چھوا، اس
کے لفظ مٹے مٹے ضرور تھے، لیکن قابل شناخت۔
رعنا نے عینک دوبارہ سے لگائی اور لہراتی ہوئی
روشنی میں یادوں میں کھو گئی۔

☆☆☆

عزیز از جان!
گو کہ یہ کوئی وضاحت نہیں، پھر بھی یہ بتلاؤں
گی کہ
"یہ میری زندگی کا پہلا خط ہے۔"
اور تمہاری خوش قسمتی (میری خوش فہمی) بھی کہ
رعنا تراب اپنی زندگی کا پہلا خط لکھ رہی ہے
تمہیں، یعنی رومی عالم کو۔
جب تک میں نے جذبات کو قرطاس پر نہیں
اتارا تھا، تب تک میں دیوان لکھنے کا دعوا کر سکتی تھی،
لیکن اب!
دیکھو تو باہر بارش برس رہی ہے اور بارش نے
پورے شہر کو لائبریری میں آنے سے روک دیا۔
لائبریرین ہونا بڑے مزے کا کام ہے۔
آج کے دن میں ہوں، کتابیں ہیں، اور
بارش۔
اچھا رکو! تم بھی خط کی وجہ جاننا چاہتے ہو؟
جب میں نے پہلی دفعہ تمہیں دیکھا، تب نہ تو
وقت کی سوئیاں ٹھہری تھیں، نہ ہی زمین کی
گردش۔ بس مجھے پوری کائنات کے ادھورا ہونے کا
احساس ہوا تھا۔

شاید میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں،
یا شاید نہیں۔
تمہارے جواب کی منتظر،
رعنا تراب

آنسو آنکھوں کی باڑ توڑنے کو بے قرار تھے۔
کھڑکی کے باہر کوئی کبوتر بارش میں بھیگ رہا
تھا، مگر اڑ نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

حیات من!
گو کہ پچھلے خط کو میں زیر بحث نہیں لاؤں گی،
لیکن میں شرمندہ ہوں کہ کل برستی بارش میں تم بھیگے
ہوئے لائبریری میں آئے۔
یقین مانو، مجھے بالکل یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ تم
ہی ہو۔ میں آنکھیں بند کیے، بارش کی موسیقی سنتی،
تمہیں دیکھ رہی تھی، کہ اچانک جب آنکھ کھولی تو تم
سامنے تھے۔
مجھے شرمندگی ہے کہ تم کسی کتاب کا پوچھ رہے
تھے جو شاید کسی مصور نے لکھی تھی۔
"اچھا تو تم مصور ہو؟"
اور تم نے بتایا کہ اس لائبریری میں تم نے نیا
منظر تراشا ہے۔ نجانے کیوں تمہارا لہجہ الجھا ہوا
تھا۔ کاش میں تم سے پوچھ سکتی کہ تمہارے الجھنے کا
سبب کیا ہے۔ اور یہی آج خط لکھنے کی وجہ بھی
ہے---
اتفاق دیکھو! آج بھی بارش لائبریری کی
کھڑکیوں کو گیلا کر رہی ہے۔ سردی نے شہر والوں کو
مقید کیا ہوا ہے، اور میں تمہاری یاد کے حصار میں
ہوں۔
منتظر کہ شاید تم مجھے اپنا جان کر وجہ بتاؤ،
نم آنکھوں سے اس نے پرانی دیوار پر لٹکے
پینڈولم کو دیکھا، وہ سالوں سے رکا ہوا تھا۔

☆☆☆

اب اس نے سفید لفافہ کھولا:
جاناں!



Scanned with CamScanner

برستی بارش کو گواہ بناتی، میں تمہیں یہ تیسرا خط لکھ رہی ہوں۔

تم آئے تھے اور بہت دیر تک کھوئی ہوئی کتابوں کو تکتے رہے۔ پریشانی تمہارے حسین چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

مجھے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ تم تو لوگوں میں بہت مقبول ہو۔ سب تم سے ملنے کے لیے آتے رہے، ماسوائے میرے۔

میں نے کئی بار قدم تمہارے سمت بڑھائے، کبھی کتابیں ترتیب سے رکھنے کے بہانے، اور کبھی یوں ہی۔

تم نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ اور شاید تم مسکرائے بھی۔ میں تیزی سے مڑ گئی۔

شاید مجھے نہیں مڑنا چاہیے تھا۔ روبرو اظہار محبت، محبت کو نیا جنم دیتا ہے۔ مجھے شرمندگی ہے کہ میں ایسا نہ کر پائی۔

ہم مشرقی لڑکیاں اگر مگر... میں بہت الجھی رہتی ہیں۔ ہمیں اپنا وقار محبت سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

نہ جانے کیسی باتیں کر رہی ہوں۔ کیسا وقار؟

آج تک سارے خط میں نے ہی لکھے ہیں۔

میری خطاؤں سے درگزر کرتے ہوئے مجھے بتاؤ تم پریشان کیوں ہو۔

مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔

ہمیشہ تمہاری،

رعنا تراب

سفید پھول کی پتیاں دھیرے سے جھڑ کر پانی پر بہتی دور جا رہی تھیں۔

☆☆☆

رفاقتِ قلب!

آج سرما کی بارش نے رات سے ہی پورے شہر کو گھیرا ہوا تھا۔ طبیعت خرابی کے باوجود میں لائبریری آئی کہ شاید تم آؤ گے؟

اور میری خوش قسمتی کہ تم موجود تھے۔ بہت خاموشی سے تکتے ہوئے۔

مجھے یقین ہے کہ محبت دو دلوں پر ایک ساتھ اترتی ہے۔

اگر میرا دل بے قرار ہے، تو تمہارا پرسکون کیسے ہو سکتا ہے؟

میں نے بہت ہوش مندی کی اور میں تمہاری آنکھوں کے سامنے والی کرسی کو کھینچ کر بیٹھنے لگی۔

تمہارے چہرے کی حیرت مجھے ہنسنے پر مجبور کر رہی تھی۔

بارش درختوں پر برس رہی تھی، اور کھڑکیاں بھی نم تھیں۔ مجھے اپنی ہتھیلی اس سے بھی زیادہ نم لگی۔ ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

مجھے سارے جواب مل گئے تھے۔

تم جو نہیں کہہ پائے، وہ تمہاری آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

آج یہ خط اس خوشی کے نام۔

صرف تمہاری،

رعنا تراب

☆☆☆

حیاتی!

ہجر کے دن تو عموماً بھی آسان نہیں ہوتے
اور مجھ پر یہ برسات میں آ جاتے ہیں

آج کل یہ شعر میرے لبوں پر رہتا ہے، جانتے ہو؟ بہار کا موسم گزر گیا۔

خزاں رسیدہ شاہین پھر سے لوٹ آنے کو ہیں
میں اب تک ان برسات میں الجھی ہوئی ہوں
تم لوٹ کر نہیں آئے موسم گزرتے جا رہے ہیں۔

تمہارا شاگرد سرِراہ ملا، وہ بہت جلدی میں تھا، لیکن میری درد بھری صدا کو نظرانداز نہیں کر پایا۔

وہ کہتا ہے: ''تم چلے گئے ہو کہاں؟ کوئی نہیں جانتا۔ سب سمیٹ کر چلے گئے، میرے دل سمیت۔''



Scanned with CamScanner

digest library.com

ایک لڑکی آئی تھی، اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور بھورے بال تھے۔ ایسے ماڈرن لوگ اس قصبے میں نہیں ہوتے۔ وہ میرے پاس آ کر ٹھہر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی سختی نے مجھے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا۔ بنا کچھ کہے وہ پلٹ گئی تھی۔

میں جانتی ہوں اس کا تم سے کوئی تعلق تھا۔ کیسا تعلق؟ معلوم نہیں۔

کیا یہ خط تمہارے پچھلے پتے پر پہنچے گا؟ معلوم نہیں!

مجھے کچھ معلوم نہیں ـــ کچھ بھی نہیں۔

اداس اور غم زدہ

رعنا تراب

اچانک لائبریری کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ رعنا ایک لمحے کے لیے ماضی سے حال میں لوٹ آئی۔

شاید بارش کا شور تھا۔

رعنا نے ترتیب سے خطوں کو واپس رکھا اور بارش میں بھیگتی گزرگاہ کو تکتی رہی۔

لائبریری میں کرسی کھینچنے کی واضح آواز آ رہی تھی۔

رعنا کا دل تھم گیا، چڑیا بھی سر اٹھائے نیچے دیکھ رہی تھی۔ رعنا نے کھڑکی سے جھانکا۔

شاید وہ خط پڑھنے میں اتنی محو تھی کہ سڑک پار کرنے والا کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ حیران تھی۔ نہ جانے کون تھا؟

خود کو سہارا دیتی وہ کرسی سے اٹھی۔

بارش کی بوچھاڑ نے اوپر والے خط کو بھگونا چاہا۔

رعنا نے تیزی سے انہیں ہاتھ میں اٹھایا۔ انہیں کھونے کا دکھ وہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ مخملی کپڑا ہاتھ سے پھسل کر زمین پر گر گیا۔

خط کانپتے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامتے ہوئے، وہ لکڑی کی سیڑھیوں پر قدم جماتی، لائبریری کے ہال میں پہنچی۔

سامنے کوئی تھا جو الماری کی کتابوں کو دیکھ رہا تھا۔

پشت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بارش سے اس کا اونی کوٹ بھیگ چکا تھا اور اس کا جسم لرز رہا تھا۔ آہٹ پر وہ مڑا۔ وہ کوئی بوڑھا شخص تھا۔

بہت لمحوں تک وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

پھر وہ کمزور قدموں سے چلتا، اسی میز والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، جس پر کبھی رعنا بیٹھی تھی۔ وہ خاموش، ساکت نظروں سے دیکھتی رہی۔

"میں بہت، بہت دور سے آیا ہوں۔"

بوڑھے کی آواز میں نمی تھی، یقیناً اس کا سبب بارش نہ تھی۔ اس نے ایک سفید پینٹنگ رعنا کی سمت بڑھائی۔ رعنا نے خود کو تصویر میں دیکھا، آنکھیں موندے ہوئے مسکراتی ہوئی۔

"تم ہی وہ دنیا منظر ہو جس کو میں نے تراشا تھا۔"

اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ پینٹنگ تھامتا ہوا، وہ اٹھا، اور ایک ہاتھ بھی نہ پوسٹ کیے خطوط کی طرف بڑھایا۔

رعنا نے خطوط اپنی پشت کی طرف کر کے چھپا لیے۔

"اب اظہار کا وقت نہیں رہا۔"

وہ اس کی نم آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ باہر بادل زور سے گرجے، تو جیسے وہ ہوش میں آیا۔

اگلے لمحے وہ پلٹا اور خاموشی سے بارش میں گم ہو گیا۔ دروازے کے سامنے پینٹنگ کو گلے سے لگائے، وہ اسے دور جاتے دیکھ رہی تھی۔

بارش کے قطرے پینٹنگ کے رنگوں کو خراب کر رہے تھے اور خطوط کو گیلا بھی۔



Scanned with CamScanner

digest library.com

شازیہ الطاف ہاشمی

# عورت

گرمیوں کی کڑوی کسیلی گرم شام، اس روز کچھ زیادہ ہی گدلے رنگ کی ہو گئی جب نور نے میکے جانے کا فیصلہ اچانک ہی کر لیا تھا۔

"اگر وہ دوسری شادی کر سکتا ہے ایک دوسری عورت کو مجھ پر ترجیح دے سکتا ہے تو میں کیا اسے اکیلا کر کے اپنے نہ ہونے کا احساس نہ دلاؤں۔"

ایک عورت جب سمندر کے گہرے پانی پر جمے بوسیدہ جھاگ کی طرح سوچتی ہے تو اسے اپنی بے وقعتی کا پختہ یقین ہو چکا ہوتا ہے۔

پہلے پہل تو نور تمام دن اپنے نقش و نگار پر جمی وقت کی تہہ کو کھوجتی رہی، پھر یہ کوشش اسے بے کار لگی ایک مرد کے پاس جب پیسہ آتا ہے تو خود کو ہی نہیں بلکہ اس عورت کو بھی بدل دیتا ہے۔ جو سالوں سے اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ ابھی چند مہینوں پہلے ہی نور اور

Scanned with CamScanner

خاور ایک تھے سردیوں کی سرد راتوں میں چاند میں ایک دوسرے کی شکل ڈھونڈا کرتے تھے لیکن یہ پورا سچ نہیں ہے آدھا سچ ہے صرف وہ ہی تھی جو خاور کو ہر معاملے ہر قصے میں لاکھڑا کرتی تھی۔

عورت کی محبت کبھی پرانی نہیں ہوتی، وہ اسے تازہ رکھتی ہے کبھی اپنے آنسوؤں سے تو کبھی اپنی آہوں سے اور کبھی اپنی جان دے کر بھی۔ مرد کی محبت بہت نازک ہوتی ہے بہت جلد مرجھا جاتی ہے۔

عورت محبت ہے محبت کرنے کے لیے بنی ہے سنی تو نور بھی تھی مگر اب وہ بے نور ہو گئی کوئی اس سے اس کا محبوب چھین کر لے گیا تھا۔

خاور کے تو احساس میں بھی نور کہیں نہیں تھی کیا عشق ایسا ہوتا ہے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ عشق کا تو نام ہی برا ہے کون لیتا ہے عشق کا نام کوئی بھی نہیں، ہر کوئی اس سے دامن چھڑانا چاہتا ہے مگر جب یہ کسی کا دامن پکڑ لے تو بڑی سختی کرتا ہے۔ بہت سختی۔

اب آسمان بھلے ستاروں سے بھرا رہے یا بادلوں سے اسے کیا، خاور اب گرجتا نہیں تھا بولتا نہیں تھا کاش وہ بولتا برستا رہتا روح سیراب رہتی دل بھرا رہتا، اتنی پیاس تو نہ ہوتی کبھی۔

☆☆☆

"کل سب بڑے ماموں کے گھر جا رہے ہیں۔"

ایک اعلان تھا جو ہر ایک کو خوش کر گیا بچے دکھ سہہ کر نڈھال ہو رہے تھے اپنے ہم عمر بچوں سے کھیلنا چاہتے تھے، اس غم کو تھوڑی دیر کے لیے ہی بھلا دینا چاہتے تھے کہ کوئی ان کے باپ کو لے گیا تھا کسی ایسی جگہ جہاں وہ نہیں رہتے ان کا خیال نہیں رہتا۔

بڑے ماموں کا گھر، نانی کا گھر جہاں مہربان چہروں سے زیادہ مہربانیاں برستی ہیں، سارے میں ان کے آنے کا سن کر خوشی کی لہر دوڑ گئی ہر کوئی اس کے گلے لگتا اور کچھ ماتھا چوم کا محبت کا اظہار کرنا چاہتے تھے محبت کا اظہار سا وہ میں نے بھی ایک بار اظہار محبت کیا تھا اور اب میں کچھ بھی نہیں ــــ ایک ٹھکرائی ہوئی عورت کے سوا۔ دل کا حال ہائے دل کا حال کہہ کر بندہ کیسا اچھا ہلکا سا ہو جاتا ہے بوجھ پھینک کر گردن سیدھی کر لینے والے جیسا ایک طوفان تھا جو کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔

نیند آ کر بھی نہیں آئی، جیسے وہ بھی نور کو چھوڑ کر جا چکی ہو۔

اپنی ماں کا خیال کر کے نور کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

"آؤ نوری تمہارے بال بنا دوں کوئی خیال ہی نہیں ہے تجھے تو۔"

ہاں کیسے خیال کرتی ہے سچ ہے مائیں، مائیں ہی ہوتی ہیں جب کہ بچے ہمیشہ ــ بچے ہی رہتے ہیں کبھی بڑے نہیں ہوتے ان کی بوڑھی نگاہیں انہیں کبھی بڑا ہوتے ہوئے نہیں دیکھتیں۔

وہ ساری عمر چاہی گئی تھی اسے اپنی چاہت کا مکمل یقین تھا، وہ ساری عمر بھی وہاں بیٹھی رہے تو کوئی نہیں کہے گا کہ نور تم کب جاؤ گی؟

ہر طرف محبت کی پکار، ہر طرف عزت ہی عزت بہنیں نثار تو بہنوئی عزت دیتے صرف خاور ہی کو میری خوش اخلاقی نظر نہیں آئی کیوں آخر کیوں؟

اس کا چہرہ اتنا بجھا ہوا تھا کہ کوئی بھی پہچان سکتا تھا کہ نور ٹوٹ کر بکھر چکی ہے، اتنی محبت اتنا مان پا کر اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں اور دل کے درد پر اختیار نہ رہا بہنوں کے جھرمٹ میں سورج بن کر چمکنے والی آج بے نور ہوئی بیٹھی تھی۔

موسم کے سارے پھل، موسم کے سارے کھانے اور محبت اور محبت' وہ تو کب کی کھو چکی، وہ کہاں رہی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر درد کی داستان۔

"ایسی گری پڑے خاندان کی نہیں ہو تم نور' کہہ دو اسے طلاق دو تو میں آ جاتی ہوں۔ نہیں تو نہ سہی۔"

digest library.com


ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

| | |
|---|---|
| پیاسا دل | آمنہ ریاض |
| اور موسم .. | راحت جبیں |
| زندگی اک روشنی | رخسانہ نگار عدنان |
| خوشبو کا کوئی گھر نہیں | رخسانہ نگار عدنان |
| شہر دل کے دروازے | شازیہ چوہدری |
| تیرے نام کی شہرت | شازیہ چوہدری |
| دل ایک شہر جنوں | آسیہ مرزا |
| آئینوں کا شہر | فائزہ افتخار |
| پھول بھلیاں تیری گلیاں | فائزہ افتخار |
| بھلا دو سب گلے | فائزہ افتخار |
| یہ گلیاں یہ چوبارے | فائزہ افتخار |
| مٹی سے محبت | فوزیہ عزیز |
| دل اسے ڈھونڈ لایا | آسیہ رزاقی |
| بکھر جائیں خواب | آسیہ رزاقی |
| [illegible] | فوزیہ یاسمین |
| اماوس کا چاند | عنیزہ سعید |
| رنگ خوشبو ہوا اور دل | افشاں آفریدی |
| دستک کے سلسلے | راحت جمیل |
| آج گلشن پہ چاندنی | راحت جمیل |
| دستک حزن | راحت جمیل |
| میرے دل میرے مسافر | نیلم عمر قریشی |
| تیری راہ میں رل گئی | سمیرا شریف طور |
| شام آرزو | ام سلطانہ فخر |


ابی آج بھی ابی ہی تھیں جو گم سی تھیں کہ نور بوجھ نہیں نور تو نور نظر ہے۔

سارے میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی بہنیں ساکت تو بہنوئی حیران یہ کیا ہو گیا ہوا کیسے!

دل کا درد زبان تک آ کر بے وقعت ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے بڑے بھائی نے ہی اسے دکھ سے دیکھا اور ابھی بولنے ہی والے تھے کہ دل پر ایک اور بوجھ آن گرا۔

"میں مادرا کو طلاق کسی صورت نہیں دے سکتا تم نہیں آنا چاہتیں تو نہ آؤ۔"

چند الفاظ تھے کہ سر پر چوٹ لگنے جیسا احساس تازہ خون بہنے کی بو نور نے صاف محسوس کی۔ کبھی کبھی زبان و بیان زندہ درگور بھی تو کر دیتے ہیں۔ "مجھے کہنا نہیں چاہیے تھا میں کسی کو بھی نہ بتاتی۔" یہ بات اب اس نے خود سے کہی تھی وہ لمحہ آ کر گزر چکا تھا۔

اگلے ہی پل اس نے خود کو سمیٹ لیا تھا۔ خود کو اکٹھا کرنا آنا چاہیے اس نے اپنا چہرہ عزم سے مضبوط کیا۔

"میں تو کہتا ہوں نور اپنے گھر چلی جاؤ اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے گڑیا۔ لاؤ میں چھوڑ آؤں۔"

اس قدر پسینہ تھا کہ جیسے تمام گرمیاں اسی کے اندر بسیرا کیے بیٹھی ہوں، ایک عزت کا بھرم تھا سو وہ بھی ٹوٹ گیا۔ گھر تو ویسے ہی اجڑ گیا، اب بکھرے تنکے ہی سہی۔

"میں خاور کو سمجھالوں گی بات کروں گی اس سے۔"

نور نے ایک بار پھر عزت کا دامن تھامنا چاہا جو چھوڑ کر بے شک چلا جائے گا مگر ایک سرا ہاتھ میں تو رہے۔

☆☆



Scanned with CamScanner

آنیسہ عائشہ

# دو نقطے رمضان کی

وقت کی قلت کے احساس سے اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ اب وہ موزریلا اسٹکس کو چکن کے گرم تیل میں ڈال رہی تھی۔ اس نے ساری اسٹکس کو فرائی کیا اور دسترخوان پر پہنچی جہاں سب افطار کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی قریبی مسجد سے بلند ہوتی اذان کی آواز سنائی دی۔

سب نے افطار کی دعا پڑھی اور روزہ کھول لیا۔

چکن بریانی، فروٹ چاٹ، دہی بھلے، رول، سموسے، فنگر چپس، مختلف طرح کی چٹنیاں، دو تین طرح کے مشروب اور خاص الخاص آج کی بنائی گئی ”فرائیڈ موزریلا اسٹکس۔“

میز انواع و اقسام کے کھانوں سے بھری پڑی تھی۔ چیزوں کو چکھتے چکھتے ہی پیٹ بھرنے لگا تھا۔ سب کو رغبت سے کھاتے دیکھ کر اس کا افطار کے بابرکت وقت میں دعا نہ مانگ سکنے کا ملال جاتا رہا۔

”عمیر، عزیر چلو بیٹا نماز کا وقت ہو رہا ہے۔“

”اچھا نا اماں بس تھوڑا سا کھالیں پھر چلتے ہیں۔“ عمیر منمنایا۔ عذیر خاموش رہا مگر اس کے تاثرات بھی عمیر کے حمایتی ہونے کا پتا دے رہے تھے۔ اماں نے ایک نظر دونوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کے مقابلے میں کھائے چلے جارہے تھے۔ امی نے دوبارہ پکارا۔

”عمیر، عذیر سنائی نہیں دیا کیا! یہ کھانے ادھر ہی ہیں، نماز پڑھ کر کھالینا۔“

وہ دونوں برے برے منہ بناتے اٹھ کر چل دیے۔

☆☆☆

قدسیہ بیگم رمضان المبارک میں آنا جانا بہت کم کردیتی تھیں مگر اس بار بیٹی کے بہت اصرار پر چلی آئی تھیں۔ وہ کافی عرصے بعد رہنے کے لیے آئی تھیں۔ دونوں بچے اماں کے آنے سے خوش تھے۔ سب سے بڑی ثمامہ بی ایس آنرز کی طالبہ تھی پھر عمیر اور عذیر دونوں ہشتم کلاس میں اور سب سے چھوٹی عذرا دوسری کلاس میں پڑھتی تھی۔

”ثمامہ نے کوکنگ سیکھ لی ہے اور اس رمضان تو اس نے سارے کچن کے کام اپنے ذمے لے لیے ہیں ماشاءاللہ۔“ امی جان خوشی خوشی بتارہی تھیں۔

”جی نانو میں نے تو رمضان اسپیشل پلان بنایا ہے۔ یہ دیکھیں۔“ وہ اب انہیں تفصیلات بتارہی تھی کہ کس طرح اس نے اپنی امی اور نیٹ کی مدد سے ترکیبیں اور طریقے دیکھ کر بہت سی چیزیں پہلے ہی تیار کر کے فریز کرلی تھیں۔ قدسیہ بیگم نے ایک نظر فل بھرے فریج پر ڈالی۔ ”آپی آج کیا اسپیشل بنائیں گی؟“ عمیر نے پوچھا۔ ”کل جو آپ نے موزریلا اسٹکس بنائی تھیں نا وہ بہت مزے کی تھیں“۔ عذیر نے لقمہ دیا۔

”نانو! رمضان مجھے سب سے اچھا لگتا ہے کیوں کہ اس میں ہمیں مزے مزے کی یمی یمی چیزیں کھانے کو ملتی ہیں اور آپ کو پتا ہے، مما بابا ہمیں بالکل منع نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ رمضان میں مومنوں کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، اس لیے ہم جو مرضی بنائیں جو مرضی کھائیں اور تو اور اپیا بھی رمضان میں مزے مزے کی ریسپی ٹرائی کرتی ہیں،

digest library.com



Scanned with CamScanner

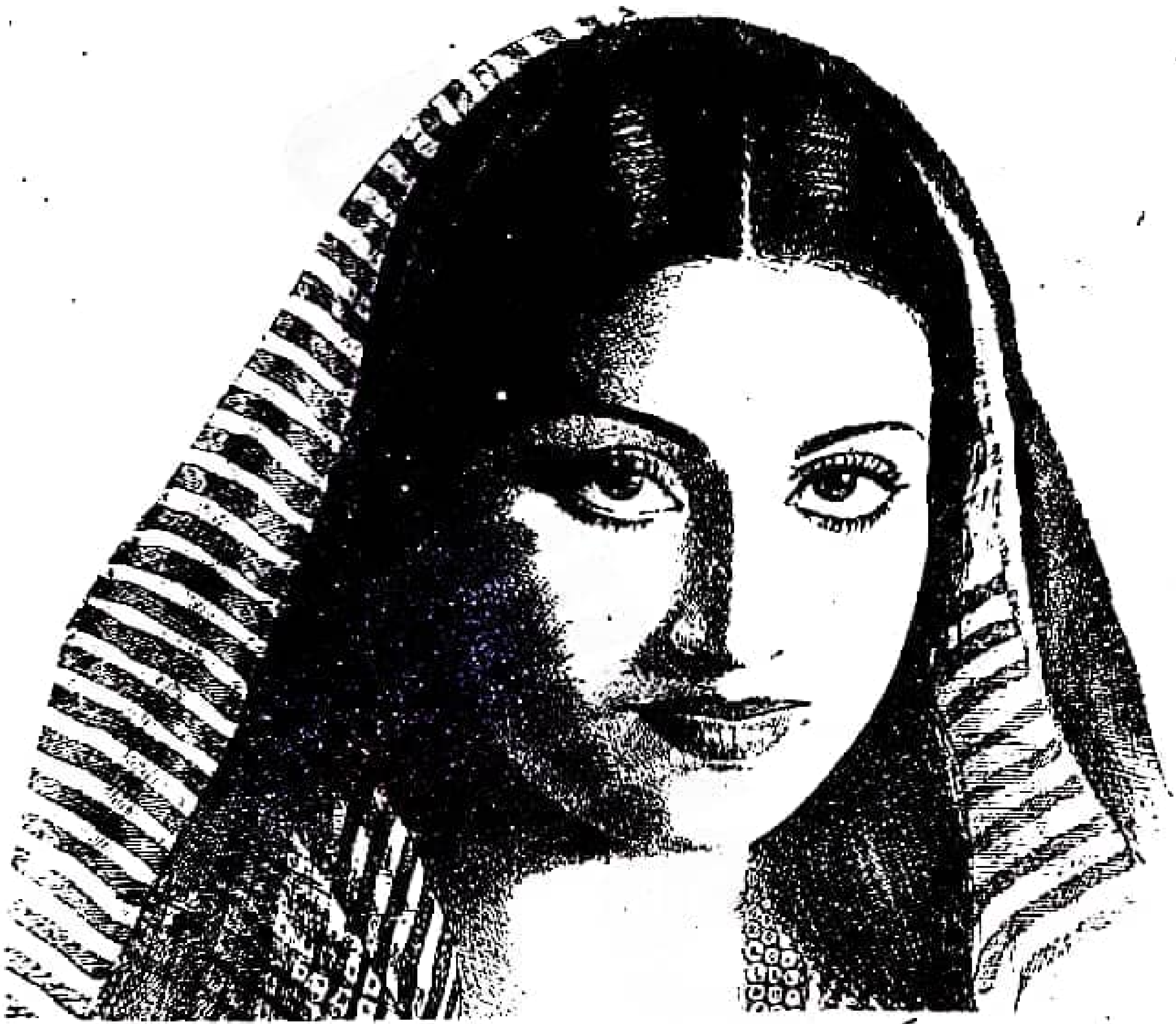

نانو ماں جب میں روزہ رکھتی ہوں نا تو مما، بابا مجھے انعام بھی دیتے ہیں۔"

باتونی اور چلبلی سی عذرا بولی تو بولتی چلی گئی۔

"اُف عذرا! سانس تو لے لو۔" آخر ثمامہ کو اسے ٹوکنا پڑا۔

"بس رمضان کی اپنی ہی رونقیں ہیں اماں جی" کمرے میں داخل ہوتے ہوئے فرمان صاحب بھی گویا ہوئے۔

سب کے چہرے مسرت اور جوش خروش سے دمک رہے تھے سوائے خاموشی سے ان کی باتیں سنتی قدسیہ بیگم کے جن کے چہرے پر تاسف پھیلتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

افطار کے بعد سے بی پی لو ہو جانے سے ثمامہ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، وہ آج کا روزہ نہیں رکھ پائی تھی تو دوسری طرف عذیر پیٹ پکڑے بیٹھا تھا۔ قدسیہ بیگم نے رات کو تراویح کے بعد چاروں بچوں کو اپنے پاس بلا بھیجا۔

"بچو! کیسا گزر رہا ہے آپ سب کا رمضان؟ کتنے روزے رکھے ہیں آپ لوگوں نے؟" نانو جی

پانچ، چار ایک ثمامہ، عمیر، عذیر، عذرا چاروں نے بالترتیب جواب دیا۔



Scanned with CamScanner

"نمازیں؟ پانچ، چار، تین" ملا جلا جواب آیا۔
"نوافل؟ تسبیحات؟" جھکے سر کے ساتھ جواب نفی میں تھا۔
"آپ لوگ مجھے بتائیں گے کہ رمضان کے بارے میں آپ لوگ کیا جانتے ہیں؟"
انہوں نے نرمی سے سوال کیا تو ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"روزے کا مطلب ہے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھانے پینے اور دیگر جائز نفسانی خواہشات سے رکے رہنا۔" ثمامہ کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔
"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔" حمیر بھی بول اٹھا۔
" روزہ رکھنے سے ہمارے اندر ایثار اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔" عذیر نے بھی اپنے دماغ میں موجود معلومات کو کھنگالا اور زبان دی۔
تینوں بچوں نے اسلامیات کی کتاب میں پڑھی رٹی رٹائی یاد رہ جانے والی معلومات دہرا دیں۔ "ماشاء اللہ آپ لوگوں کو تو کافی معلومات ہیں روزے سے متعلق۔ سب سے پہلے ہمیں پتا چلا کہ روزہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے رکھنا ہے کسی انعام کے لیے نہیں۔" وہ پاس بیٹھی عذرا کا سر سہلاتے ہوئے بولیں۔
"دوسرے نمبر پر روزے کا مقصد ہمیں نیکوکار بنانا ہے تو مطلب ہمیں رمضان میں نیکی کے کام زیادہ سے زیادہ کرنے چاہئیں۔"
عذیر نے بتایا روزہ رکھنے سے ہمارے دل میں نیکی اور ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کا کیا مطلب ہوا بیٹے؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔
"اس کا مطلب ہے کہ جب ہم سارا دن بھوکے پیاسے رہیں گے تو ہمیں بھوکے اور ضرورت مند۔ لوگوں کی بھوک پیاس کا اندازہ ہوگا اور اس سے ہمارے دل میں ان کے لیے ہمدردی پیدا ہوگی نا۔" ثمامہ نے متانت سے جواب دیا۔
"پر اگر کوئی سحری ٹائم ہی اتنا پیٹ بھر کر کھا لے کہ اسے سارا دن بھوک پیاس محسوس ہی نہ ہو یا افطار کے وقت طرح طرح کے کھانوں سے پیٹ بھر لے تو اس کے دل میں کیسے ہمدردی پیدا ہوگی؟"
"مگر نانو اماں سحری اور افطاری کرنا سنت ہے۔"
"بالکل بیٹا! سحری و افطاری کرنا اور کروانا دونوں سنت ہیں۔ مگر میں آپ لوگوں کو دلچسپ بات بتاؤں ہمارے علماء اور صالحین جہاں رمضان میں دوسرے کاموں سے اجتناب کرتے تھے وہیں اس بات کا اہتمام بھی کرتے تھے کہ حلال رزق سے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:
"اللہ تعالیٰ کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں ہے جتنا کہ پیٹ کا پُر ہونا ناپسند ہے۔"
ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ "آدمی کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے۔"
جبکہ ہم لوگ سحری کھاتے کھاتے فجر قضا کر دیتے ہیں، ظہر اور عصر افطار کی تیاری میں گزرتی ہیں تو مغرب افطار کھاتے کھاتے اور اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عشاء کے لیے کھڑا ہی نہیں ہوا جاتا۔
گیارہ ماہ ہم کھاتے ہی تو ہیں تو ایک ماہ اللہ کے لیے بھوکا نہیں رہ سکتے کیا؟"
"اوہ نانو ہم تو کتنا غلط کرتے ہیں، ہم بھی آئندہ سے ایسا ہی کریں گے۔" "ان شاء اللہ۔" نانی اماں نے کہا۔
"ان شاء اللہ ہم بھی ان باتوں کا خیال رکھیں گے۔"
بلند آواز پر انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں امی بابا دونوں کھڑے تھے وہ نہ جانے کب خاموشی


Scanned with CamScanner

digest library.com

سے آکر ان کی محفل کا حصہ بن گئے تھے۔

☆☆☆

ثمامہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو پُرنور لطف بھری کیفیت طاری ہوتی چلی گئی۔ آج سحری سادہ اور مختصر تھی۔ ہر روز کی طرح بھاگ دوڑ اور دسترخوان سجانے کی فکر نہیں تھی۔ سب بچوں نے پُرسکون انداز میں بھوک رکھ کر سحری کی۔

نماز فجر اور تلاوت قرآن پاک کے بعد سب اپنے کاموں میں لگ گئے۔

☆☆☆

ثمامہ نے دیکھا کہ باباجان رجسٹر پھیلائے حساب کتاب میں معروف تھے۔ "بیگم ہر سال رمضان کے لیے الگ سے اضافی بجٹ بناتے ہیں مگر کبھی خیال نہیں آیا کہ اس اضافی حصے کو فضول خرچی کے بجائے ضرورت مندوں کے لیے وقف کردیں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں جی ہمیں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا خیال کرنا چاہیے۔" ثمامہ خوش گوار حیرانی لیے پلٹ گئی۔

☆☆☆

آج نانو نے اپنی زیرِ نگرانی افطاری تیار کروائی تھی جو تلی ہوئی چیزوں کے بجائے سادہ چاول، پھلوں اور غذائیت بھرے کھانوں پر مشتمل تھی۔ پھر بچوں نے ان کے ساتھ مل کر افطاری کے چھوٹے چھوٹے حصے تیار کیے جو عمیرا اور عذیر نے تینوں بچوں کی بنائی گئی فہرست کے مطابق اپنے مالی لحاظ سے قدرے کمزور اور ضرورت مند دوستوں اور ہمسائیوں کے گھر پہنچانے تھے۔

"نانو جنت میں ڈھیر ساری چاکلیٹس بھی ہوں گی؟ اور کیا انگور بھی ہوں گے اور پیکی فنگر چپس بھی ہوں گی ہے نا؟ اور ہم وہاں۔"

باتونی عذرا کی بولتی اب بھی بند ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی مگر آج اس کے سوالات کی نوعیت بدل گئی تھی وہ جنت اور اس کے متعلق پُرتجسس تھی۔

نانو مسکراتے ہوئے اس کے سوالات کے جواب دے رہی تھیں۔ تب ہی عمیرا اور عذیر تیزی سے داخل ہوئے۔ افطار کے برتن تقسیم کرنے میں دونوں میں مقابلہ بازی چل رہی تھی۔

"افففف عذیر، عمیر کبھی تو کمپیٹیشن سے باہر نکل آیا کرو۔" ثمامہ نے دونوں کو بازی لے جانے کے لیے ہلکان ہوتے دیکھ کر کہا۔ امی جان نے سارے منظر نامے پر نظر دوڑائی اور زیرِ لب مسکرا کر کہہ اٹھیں۔

"رمضان کی اپنی ہی رونقیں ہیں"۔

☆☆


ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

| | |
|---|---|
| زرد موسم | راحت جبیں |
| حساب دل رہنے دو | نبیلہ عزیز |
| محبت من محرم | عمیرا احمد |
| ایک تھی مثال | رخسانہ نگار عدنان |
| یہ گلیاں یہ چوبارے | فائزہ افتخار |
| دست مسیحا | نگہت سیما |
| گل کہسار | فرح بخاری |

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی




Scanned with CamScanner

سمیرا حمید

# گونج

ہمارے گھر کی چھت گر گئی۔ پورا گھر ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ کچھ نہیں بچا۔ چند گھنٹوں کی بارش نے محلے کے کسی گھر کو اس کی جگہ سے نہیں ہلایا اور ہمارا پورا کا پورا گھر زمین بوس ہو گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ یہ گھر بارش سے نہیں گرا، بلکہ یہ گھر یمنی کی وجہ سے گرا۔

یمنی جو ہماری پھوپھی تھی۔ یمنی کا صبر گھر کی دیواروں سے لپٹ کر ... گیا اور جیسے ہی وہ اس گھر سے نکلی، اس گھر کی چھت ... آ گری۔

☆☆☆

یہ جو صبر کے گھونٹ پیے ہوتے ہیں یہ ... کی شکل میں طوفان بن کر بنیادیں تو ہلا دیتے ہوں گے۔ یہ جو ہمیں معمولی زیادتیاں لگتی ہیں کہیں نہ کہیں ناسور بن کر ظاہر ہوتی ہیں۔ دلوں کی کدورت، نیتوں کی خود غرضی، احساس کی تنگی، کسی بارش، کسی آندھی کی وجہ ضرور بنتی ہو گی۔

زمین چھوٹی بڑی قیامتوں سے تباہ ہوتی ہے، لیکن خاندان ناانصافیوں سے تباہ ہوتے ہیں۔ رشتے بے حسی سے قتل ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے ان باتوں پر بہت بعد میں غور کرنا شروع کیا، اس وقت جب ہمارا گھر زمین میں دھنس گیا اور ہم بے گھر ہو گئے۔

اگر میں پیچھے پلٹ کر دیکھوں تو یمنی کا سسکتا ہوا وجود سب سے پہلے یاد آتا ہے۔ رات کا گہرا پہر تھا، اس کی گھٹی گھٹی ہچکیوں نے مجھے یک دم نیند سے بیدار کر دیا تھا۔ اس کا بستر میرے پلنگ کے نیچے چٹائی پر تھا، اور وہ ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑ رہی تھی۔ کچھ مدت پہلے اسے طلاق ہوئی تھی بلکہ اس نے خود طلاق لی تھی۔ پھر کئی مہینوں تک وہ گا ہے بگا ہے بیمار پڑتی رہی۔

طلاق اس کے لیے تکلیف کی وجہ نہیں تھی بلکہ اماں کا رویہ تھا۔ اماں اور چچی نے اس کے لیے گھر کو جہنم بنا دیا تھا۔ اماں اور چچی دونوں سگی بہنیں تھیں اور دونوں ہی بدزبان اور تیز مزاج تھیں۔ دونوں شادی سے پہلے بھی یمنی کا جینا محال رکھتی تھیں۔ اس کے کالج جانے سے چڑتی تھیں، اس سے گھر کے کام لیتی تھیں لیکن اب تو وہ اس کا خون پی جانا چاہتی تھیں۔

ان دنوں اماں نے ابا پر خوب دباؤ ڈالا کہ اسے ... دو۔ ابا کو اپنی بہن سے پیار تھا لیکن اماں نے منوا لیا ... اچھا ہے پڑھائی ہوتی رہے گی۔

اس ... مار کے نشان لے کر یمنی گھر آئی تھی۔ اماں نے واویلا ڈالا ... وہ مارتا ہے یا بھوکا رکھتا ہے۔ یہ تمہارا نصیب ہے ... ہمارے سر نہ پڑو۔ لیکن یمنی نے ابا سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ پوری طرح سے نباہ کرنے کی کوشش کرے گی لیکن کبھی مار نہیں کھائے گی۔ اگر دوبارہ ان پر ہاتھ اٹھایا گیا تو ابا کو ان کا ساتھ دینا ہو گا۔

دونوں خاندانوں نے بیٹھ کر بات کی، کچھ صلح صفائی ہوئی اور یمنی اپنے سسرال واپس چلی گئی لیکن ٹھیک چھ ماہ بعد یمنی دوبارہ واپس آ گئی اور پھر کبھی نہیں گئی۔

گھر میں دنوں لڑائی رہی۔ اماں چاہتی تھیں ابا اسے واپس بھیجیں، جبکہ ابا کو یہ گوارا نہیں تھا کہ بہن

digest-library.com



Scanned with CamScanner

ناولٹ

digest library.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

ایسی جگہ واپس جائے۔ عینی نے اماں کو جتا دیا تھا کہ انہوں نے سب جانتے بوجھتے اسے اس جہنم میں دھکیلا تھا۔ وہ اس لڑکے کے بارے میں سب جانتی تھیں۔

ابا اماں پر بگڑ کتے تھے، اماں عینی کو گالیاں دیتی تھیں۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ ہم سب گھر چھوڑ کر ماموں کی طرف آ گئے۔ اماں نے شرط رکھی تھی کہ عینی واپس جائے گی تب وہ واپس آئیں گی لیکن عینی نہیں گئی، اور ہمیں عینی کی طلاق کی خبر مل گئی۔ شاید یہیں سے اماں نے عینی کی زندگی جہنم بنانے کی ٹھان لی تھی۔

ہم سب واپس آ گئے اور اماں نے آتے ہی عینی کا بوریا بستر کمرے سے نکال کر باہر پھینکا اور کمرے میں چچی کے بچوں کے پلنگ لگا دیے۔ اوپر اسٹور میں عینی کا جہیز رکھا تھا، وہ نکال کر کھلی چھت پر پھینکا، اسٹور کو تالا لگا دیا۔ اوپر ہی سیڑھیوں کے پاس ایک چھوٹا سا کمرا تھا، عینی نے وہاں اپنی الماری اور پلنگ لگا لیا، اماں نے وہ بھی نکال کر باہر پھینکا۔ ابا آئے، بات بڑھی، اور یوں عینی کو زمین پر چٹائی بچھا کر سونے کی جگہ مل گئی۔ کونے میں ان کی لکڑی کی الماری رکھ دی گئی۔ یہاں سے ان پر اس گھر کی زمین تنگ ہوئی جس کی کشادہ چھت پوری کی پوری زمین پر آ گری۔

جہیز کا سامان کھلی چھت پر پڑا رہا، عینی نے اس پر پلاسٹک ڈال دیا۔ دادی کے ہاتھ کی چند چیزیں تھیں جو عینی سنبھالنا چاہتی تھی لیکن اس کے پاس کوئی جگہ نہیں تھی۔ ناچار کچھ چیزیں ہمسایوں کے گھر رکھوائیں۔ ایک دن اماں ایک آدمی اپنے ساتھ لائیں اور جہیز کا سارا سامان اسے اٹھوا دیا۔ جب تک ابا گھر آئے، جہیز کی ایک ایک چیز گھر سے جا چکی تھی۔ اماں نے وہ سامان بیچ دیا تھا۔ کچھ وقت گزرا تو معلوم ہوا کہ اماں ہمسایوں کے گھر جا کر خوب لڑی تھیں اور عینی کا رکھوایا سامان بھی نکلوا کر باہر سے باہر بیچ دیا تھا۔

اس دن عینی پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ مجھے بہت بعد میں احساس ہوا کہ وہ سامان کے لیے نہیں، اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی پر رو رہی تھی۔ وہ ان چند چیزوں کے ساتھ جڑی یادوں پر رو رہی تھی۔

”وہ میری ماں کی چیزیں تھیں...... میں انہیں رکھنا چاہتی تھی...... کیوں بیچ دیں۔“ وہ سسکتے ہوئے ابا سے کہہ رہی تھی۔

”تو بی بی اپنا گھر آباد کرتی وہاں رکھتی۔ ایسے منحوس سامان کا سایہ میں اپنی بچیوں پر نہیں پڑنے دوں گی۔“

اس منحوس سامان کے پیسوں سے اماں نے ہمارا جہیز خرید کر رکھ لیا۔ اپنے لیے خوب خریداری کی۔ ابا نے اماں سے سختی سے پوچھ پڑتال کی اور یہی چیز اماں کو اور بگڑا گئی۔ پتا نہیں اماں کو کس بات کا غرور تھا۔ اماں کو یہ یقین کس نے دلا دیا تھا کہ وہ جو کچھ بھی کریں گی، اس کا کبھی حساب نہیں ہوگا۔ ویسے تو اس گھر میں پہلے بھی عینی کی زندگی تنگ تھی، لیکن طلاق کے بعد گنجائش بالکل ہی جاتی رہی۔

اماں اس پر یہ ثابت کر دینا چاہتی تھیں کہ اگر وہ تمہیں مارتا تھا تو سکھ تمہیں یہاں بھی نہیں لینے دوں گی۔ اتنے بڑے گھر کی زمین تنگ کرنے کے بعد اماں نے عینی پر دو وقت کی روٹی تنگ کرنا شروع کی۔ تینوں وقت کے کھانے میں جو کچھ بچتا، اماں وہ پھینک دیتیں کہ عینی نہ کھا پائے۔ باقی ہر چیز پر تالا لگا دیا جاتا۔ عینی کبھی پیاز تلتی، کبھی پڑوس کے بچے سے کچھ منگواتی۔ ان دنوں وہ بیمار تھی اس کے لیے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ وہ چٹائی پر پڑی رہتی اور اسے کوئی نہ پوچھتا۔ وہ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ چند بار عینی نے ابا سے کھانے کی تنگی کی شکایت کی، لیکن پھر خاموش ہو گئی۔

عینی سب سے پہلے بھوک پر خاموش ہوئی تھی۔

وہ جب جب ابا سے شکایت کرتی تھی، اس کی زندگی پہلے سے زیادہ تنگ ہو جاتی تھی۔ ابا تو رات



Scanned with CamScanner

digest library.com

گئے آتے تھے، عینی کو سارا دن اماں کو بھگتنا پڑتا تھا۔ تندرست ہونے میں عینی کو ہفتوں لگے، اور پھر کبھی کسی نے اسے بیمار نہیں دیکھا۔ گرمیوں میں سارے گھر والے کھلی چھت پر سوتے تھے، وہی چھت جو پوری کی پوری زمین پر آگری، سوائے عینی کے۔ اماں اسے ایک چارپائی تک بچھانے کی جگہ نہ دیتیں۔ کبھی بہت گرمی میں وہ اپنی چٹائی کی جگہ بنا لیتی تو اماں واویلا شروع کر دیتیں کہ وہ مجبور ہو کر نیچے لوٹ جاتی۔ اماں چچی، دونوں کے نو بچے، ابا اور چچا، ہم سب ایک طرف ہوتے اور وہ اکیلی ایک طرف۔ کیوں؟ کیونکہ میری ماں کو اس سے نفرت تھی اور وہ چاہتی تھی کہ یہ گرمی میں مرے۔ ابا کو بہن سے پیار تھا لیکن وہ سہل پسند تھے۔ محبت کو صرف لفظی قاعدوں میں رکھتے تھے، ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ ابا کی محبت بھی کبھی جاگتی تھی، باقی وقت غفلت کی نیند سوئی رہتی تھی۔ پھر وہ روز روز کی چیخ چیخ سے تنگ تھے۔ وہ خود کو بہرا بنا لیتے۔ گھر تو ابا کا بھی تھا، دیواریں تو ابا کے گھر کی بھی گریں۔ ابا گھن نہیں تھے جو گیہوں کے ساتھ پسے، بلکہ ابا بھی اماں جیسے ہی تھے، ہم سب اماں جیسے تھے۔

موسم کے حساب سے اماں کا فیصلہ بدلتا تھا۔ وہ اسے شام کی ٹھنڈی ہوا نہ لینے دیتیں، سردیوں کی دھوپ میں بیٹھنے نہ دیتیں۔ اس کے دھلے کپڑے تار سے اتار کر پھینک دیتیں۔ روٹی کم پڑ جاتی تو عینی روٹی چور نکلتی۔ سالن میں کمی ہوتی تو عینی پر چیخ وپکار ہوتی۔ کہیں کوئی چیز غائب ہو جاتی، کام خراب ہو جاتا، بجلی کا بل زیادہ آجاتا، مہینے کا راشن ختم ہو جاتا، اماں کے سر میں درد اٹھتا، غرض ہر چیز کا الزام عینی پر آتا۔ ہمارے لیے یہ معمول کی بات تھی۔ اماں واویلا کرتی عینی کی الماری کھولتیں، اپنا کوئی کپڑا جوتا جو خود ہی الماری میں چھپا دیا ہوتا نکالتیں اور چیختیں۔

"یہ چورنی میری چیزیں چراتی ہے...... دیکھو......"

پھر وہ اس کا پرس پکڑتیں اور اس کے پیسے مٹھی میں دبوچ لیتیں۔ دراصل عینی اس گھر میں پناہ کی چور تھی۔ اس گھر کی زمین پر رہائش کی چور تھی۔ وہ چور تھی ان چند نوالوں کی جن سے وہ اپنی بھوک مٹاتی تھی۔ وہ اتنی بڑی چور تھی کہ ہمارے نصیب کی ساری خیر چرا کر کھا گئی۔ پہلے پہل عینی اماں کو کچھ شرم دلانے کی کوشش کرتی تھی لیکن پھر اس نے یہ کرنا چھوڑ دیا۔ شاید وہ تھک چکی تھی یا سمجھ چکی تھی کہ وہ اماں اور چچی سے نہیں جیت سکتی۔ عینی ہمیں وہ آئینہ نہیں دکھا سکتی جس میں ہمارے اصل چہرے دکھائی دے جاتے۔

دراصل ہمارے گھر میں سب گونگے بہرے تھے۔ بلکہ ہم اندھے زیادہ تھے۔ ایک بار عینی نے الماری کو چھوٹا سا تالا لگا دیا جو اماں نے تڑوا دیا کہ ہمارا کھاتی ہے، ہمارا چراتی ہے، ہم سے چھپاتی ہے۔ اس کا کوئی کپڑا جوتا، کتاب ادھر ادھر نہیں دکھائی دے جاتی تو اماں اسے اٹھا کر پھینک دیتیں۔ اتنے بڑے گھر میں عینی کے لیے اتنی ہی گنجائش تھی، بتائیے پھر یہ گھر گرنے سے کیسے بچتا؟

☆☆☆

عینی نے دوبارہ کالج جانا شروع کر دیا۔ اماں نے چیخ پکار کی کہ گھر کے کام کون کرے گا لیکن ابا نے چپ کروا دیا۔ کام؟ گھر کے کام؟ یہ کام کنواری نندوں، طلاق یافتہ بہنوں، بیوہ بیٹیوں کے سر ہی کیوں آجاتے ہیں؟ یہ لڑکیاں جو بوجھ ہوتی ہیں، ان سے مزدوری لے کر چار دیواری کی پناہ کا کرایہ لیا جاتا ہے۔ جنہیں دو نوالے کھلانا، ایک بستر کی جگہ دینا بھاری لگتا ہے، ان سے پورے خاندان کے کام کروانا آسان لگتا ہے۔ یہ بیٹیاں جنہیں گھروں اور دلوں میں جگہ نہیں ملتی، یہ بے زمینی کا بوجھ اٹھا کر سب کے کاموں کے بوجھ اٹھائے پھرتی ہیں۔ وہ اس کی، اُس کی ناراضی سے ڈرتی ہیں کہ انہیں بے گھر نہ کر دیا جائے۔ وہ اپنی ذات میں چور بن کر رہتی ہیں۔

سردی گرمی خزاں، بہار، ہم سب کی حالتیں بدلتی تھیں سوائے عینی کے۔ سخت سردی ہوتی یا سخت

digest.library.com

گری، اس کا ایک ہی معمول رہتا۔ کام کام کام۔ وہ صبح گھر میں سب سے پہلے اٹھتی، صحن کا فرش دھوتی، آٹا گوندھتی، ناشتہ تیار کرتی۔ ابا اور چچا کو ناشتہ کرواتی، اور اسکول جانے والوں کے لیے ناشتہ بنا کر رکھ جاتی۔ اماں اور چچی لمبی تان کر سو رہی ہوتیں۔ دوپہر میں آکر برتنوں کا ڈھیر صاف کرتی۔ روٹی بناتی اور پھر رات کا کھانا بنانے کی تیاری کرتی۔ چھٹی والے دن گھر بھر کے کپڑے دھوتی۔ اماں چھت سے ہمیں وہ کپڑے تک اتارنے نہ دیتیں کہ منحوس عینی کرے گی۔ پھر وہ رات گئے تک بیٹھ کر ہمارے یونیفارم استری کرتی، ابا اور چچا کے کپڑے تیار کرتی۔ وہ ہر کام سمیٹتی چلی گئی اور خاموش سے خاموش ہوتی چلی گئی۔ اتنی خاموش کہ کبھی کبھی مجھے اس سے ڈر لگتا تھا۔ میرا دل بیٹھا جاتا تھا۔ اماں خوش ہوتیں کہ دیکھو کیسے چکی میں پیس کر رکھ دیا۔ کم بخت جائے گی کہاں، دیکھا کیسا قابو کیا۔

"ہاں اماں! ہم جیسے کم ظرف لوگوں میں رہنے والی بے چاری عینی جیسی لڑکیاں آخر جائیں گی کہاں، کریں گی کیا۔"

اس کے کالج سے کوئی ضروری پیپر آیا تھا جسے دیکھتے ہی اماں نے پھاڑ دیا تھا۔ وہ گھر میں بچے بچے سے پوچھتی رہی کہ اس کی رول نمبر سلپ آئی تھی، کسی کو ملی ہے تو دے دے۔ لیکن وہ تو میری ماں ٹکڑے ٹکڑے کر چکی تھی۔ عینی نے کہیں جاب کے لیے بھی اپلائی کیا تھا، دو تین بار وہاں سے بھی کچھ آیا تھا، جو اس تک پہنچ نہیں سکا۔ یہ لینڈ لائن کا زمانہ تھا، کچھ اداروں سے فون بھی آئے جو اماں نے عینی کا نام سنتے ہی کاٹ دیے۔ ہمیں سختی سے ہدایت تھی کہ عینی کا فون آئے تو اماں کو جا کر بتائیں، عینی کو نہیں۔

آہستہ آہستہ عینی کو یہ سب معلوم ہو گیا۔ پھر اس کے ضروری کاغذ پڑوسن خالہ کے گھر آنے لگے، اور وہیں جا کر وہ اپنے فون سنتی۔ بظاہر سننے میں یہ کتنی معمولی بات لگتی ہے، لیکن کتنی تکلیف دہ بات ہے۔ گھر میں مجھ سمیت پانچ لڑکیاں تھیں، اور ہم پانچوں کو روٹی تک بنانی نہیں آتی تھی۔ اماں کو ہماری خوب صورتی اور نزاکت پر غرور تھا۔ اماں کے غرور بھی عجیب نوعیت کے تھے۔ آئے دن اسکول سے چھٹی کرنا، دن چڑھے تک سونا، رات گئے جاگنا، چھت پر چڑھ کر گپیں لگانا، کبھی اس سہیلی کے گھر، کبھی اس سہیلی کے گھر جانا ہمارا مشغلہ تھا، اور اس پر اماں کو ناز تھا۔ رات کو فلم دیکھنا، لڈو کھیلنا، شور ہنگامہ کرنا ہمارا معمول تھا۔

شروع میں عینی نے ہمیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ہم اولاد کس کی تھیں؟ ہمیں یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی ہمیں اسکول کی چھٹی سے باز رکھے، امتحان کے دنوں میں ٹی وی بند رکھنے کی نصیحت کرے، چیخنے چلانے پر تنقید کرے اور تمیز تہذیب اپنانے کا مشورہ دے۔ عینی تھی کون؟ جس لڑکی کی رات دن میری ماں کے ہاتھوں درگت بنتی تھی، اس لڑکی کو ہم کیسے اہمیت دیتے؟

پھر عینی ہمارے معاملے میں بھی خاموش ہو گئی۔

میں نے کہا نا یہ گھر عینی کی وجہ سے گرا ہے۔ وہ اتنی خاموش کیوں ہو گئی؟ اس نے چپ کے اتنے گھونٹ کیوں پیے؟

گھر کے کسی کونے میں اسے سکون میسر نہیں تھا۔ کہیں جگہ بیٹھ کر وہ پڑھ لکھ نہیں سکتی تھی۔ صرف اماں اور چچی ہی نہیں، ہمیں بھی اس کا احساس نہیں تھا۔ ورنہ ہم ہی اس کے لیے کچھ گنجائش نکال لیتے۔ ناچار وہ دوسری منزل کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر پڑھنے لگی۔ سردیوں میں اپنے گرد چادر لپیٹ لیتی اور دیوار کے ساتھ جڑ کر بیٹھ جاتی۔ ہمیں پڑھنا نہیں تھا، اور اسے پڑھنے دینا نہیں تھا۔ آئے دن اماں اس کی کتابیں اٹھا کر پھینک دیا کرتیں۔ وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہلکان ہو جاتی، بچوں سے پوچھتی تو اماں چیل کی طرح اس پر جھپٹتیں کہ میرے بچوں پر الزام لگاتی ہو۔ اس کے لیے اپنی کتابیں چھپا کر رکھنا دردسر تھا۔ اتنی سی الماری میں وہ کیا کچھ رکھتی؟



Scanned with CamScanner

digest library.com

یہ کئی سالوں کی کہانی ہے، جس کے منظر میرے ذہن کے پردے پر نشان چھوڑ رہے ہیں۔ عینی کے امتحان کے دنوں میں اماں اپنے دونوں بھائیوں کے بیوی بچے گھر بلا لیتی تھیں۔ گھر چڑیا گھر بن جاتا، اور پھر ہر وقت چولہا جلتا رہتا، کچن برتنوں سے بھرا رہتا، صحن اور کمرے گندے رہتے۔ وہ کالج سے آتی صفائی کرتی، کھانا بناتی، پھر کتاب پکڑ کر بیٹھ جاتی۔ ان دنوں اس کے پیروں میں چکر آجاتا۔ چاول دم پر لگا کر، جلدی سے اپنا یونیفارم استری کر لیتی۔ دستر خوان بچھا کر صبح کے لیے آٹا گوندھ لیتی۔ سب کے لیے چائے تیار کرتے ہوئے، ساتھ ساتھ اپنی کتاب دیکھتی جاتی۔ ان دنوں ایسا لگتا کہ اوپر سے نیچے گھوم گھوم کر وہ پاگل ہو جائے گی۔ انہی چکروں میں وہ ایک پیپر کے لیے اتنی تاخیر سے سینٹر پہنچی کہ پیپر شروع ہو چکا تھا۔ اس نے رو رو کر سپرنٹینڈنٹ کی منت کی کہ اس کی مجبوری تھی، زیادہ نہیں تو دس منٹ اور دے دیں۔

پتا نہیں اسے وہ دس منٹ ملے یا نہیں لیکن ہمیں یہ گھر بچانے کے لیے بہت وقت ملا۔ بہت سال، بہت مہینے، بہت دن ملے۔ بڑی لمبی مدت ملی لیکن ہم نے گھر بچانے کی کوشش نہیں کی۔ ہم اس گھر میں عینی کے لیے گنجائش سمیٹتے چلے گئے۔ جب وہ گھر پہنچی تو اس کی آنکھیں رونے کی زیادتی سے سرخ تھیں۔ اس کی بسال بھر کی محنت کے لیے صرف بیس منٹ ملے تھے۔ اس وقت تو نہیں لیکن کئی ہفتوں بعد مجھے اس واقعہ کے تانے بانے معلوم ہوئے جب وہ اپنی سہیلی کے آگے بیٹھی رو رہی تھی۔ سہیلی اسے جھوٹی سچی تسلیاں دے رہی تھی۔

☆☆☆

ان ہی دنوں ہمارے یہاں گاؤں سے ایک لڑکی آئی۔ اس کالی بھجنگ لڑکی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اسے ترک سے اٹھایا گیا ہے۔ یہ ابا کے دور کے رشتے داروں کی بیٹی تھی، ماں باپ فوت ہو چکے تھے، چچا کو بھتیجی سے کچھ انسیت تھی۔ لیکن چچا اپنے خاندان کے ساتھ باہر جا رہا تھا اور بچی کا کچھ بہتر انتظام کر کے جانا چاہتا تھا، ورنہ پیچھے والے اسے کھا جاتے۔ وہی جو ہمارے یہاں یتیموں مسکینوں کو تر نوالہ بنا لیا جاتا ہے۔ وہ مفت کے ملازم بنا لیے جاتے ہیں اور قیمت چکا دینے پر بھی، مفت کی روٹیاں توڑنے والے کہلاتے ہیں۔

اناج کی چند بوریاں اور ماہانہ پیسوں کے عوض وہ بچی کو ابا کے حوالے کر گئے۔ اماں کو کام کے لیے ایک اور ملازمہ مل گئی، گندم چاول الگ سے۔ اب جو کام عینی سے بچ جاتا، وہ گاؤں والی کرتی۔ عمر میں چودہ پندرہ سال کی ہوگی۔ قد میں اچھی خاصی اونچی لمبی تھی۔ وہ بھی اسی ماحول سے آئی تھی جس میں عینی رو رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ ڈری سہمی رہتی اور عینی خاموش۔

پہلے ہی دن اماں نے اسے کپڑے استری کرنے پر لگا دیا۔ جبکہ عینی نے اسے پہننے کے لیے اپنے صاف کپڑے دیے، اس کے بال بنائے اور پھر اپنے قریب اس کا بستر لگا دیا۔ اب چٹائی پر ایک نہیں دو لوگ سوتے تھے، اور دونوں کا کم و بیش ایک جیسا نصیب تھا۔ دونوں بوجھ تھیں، دونوں کے لیے ان کے خاندان بے حس تھے، اور دونوں کا کوئی والی وارث نہیں تھا۔

اگلے ہی دن عینی نے اسے کتابیں لا دیں کہ وہ پڑھائی لکھائی شروع کرے۔ گاؤں میں وہ دو چار جماعتیں پڑھی تھی لیکن اسے لفظوں کی پہچان تک نہیں تھی۔ اماں نے عینی کی لائی کتابیں پھینک دیں اور چیخنا چلانا شروع کر دیا کہ وہ اس معاملے سے دور رہے۔ کئی سالوں بعد عینی نے اپنی خاموشی توڑی اور ابا سے شکایت کی کہ اس کا چچا خرچا دے کر گیا ہے۔ بچی کو ملازمہ نہ بنائیں، ورنہ عینی اس کے چچا کو فون کر کے بتا دے گی۔ ابا نے اماں کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ بچی کے معاملے سے دور رہے۔ یہ لڑکی عینی سے اماں کی نفرت کی اور ایک وجہ بنی۔

میں آج بھی سوچتی ہوں کہ عینی کو کیا ضرورت



Scanned with CamScanner

digest library.com

تھی اپنی زمین اور گنجائش تنگ کروانے کی؟ اسے کیا غرض تھی پرائی لڑکی کے لیے اماں کے خلاف جانے کی؟ ہماری طرح وہ بھی اندھی گونگی بن کر رہتی۔ بلکہ مینی کو تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ اس کے کام اب یہ لڑکی کرے گی۔ لیکن مینی غلطیاں کرتی رہی۔

رات گئے تک اس لڑکی کو لے کر بیٹھی رہتی اور کتابیں پڑھاتی۔ پھر اسے اسکول لے گئی اور ٹیسٹ دلوا کر ایک کلاس میں بٹھا دیا۔ اتنی اونچی لمبی لڑکی کا اتنی چھوٹی کلاس میں بیٹھنا کافی مضحکہ خیز رہا۔ اسکول کی لڑکیاں اس کا مذاق اڑاتی تھیں۔ وہ روتی تھی، اسکول جانے سے انکار کرتی لیکن مینی باز نہیں آتی تھی۔ وہ اسے سمجھاتی اور خود اسکول چھوڑنے جاتی۔

آہستہ آہستہ وہ بھی مینی کی طرح ہوتی چلی گئی۔ خاموش، بہت خاموش۔ ایسی خاموشی کہ جس سے ڈر لگے۔ ایک سال کے اندر اندر اس نے دو درجوں کے امتحان دیے، اور بڑی جماعت میں آ گئی۔ جہاں رات گئے تک مینی پڑھتی تھی، وہ بھی پڑھتی تھی۔ اب دو لوگ گھر میں ایک جیسی زندگی جینے لگے۔ وہ اپنی مینی آپا کے ساتھ اٹھتی، ناشتہ بناتی، کام سمیٹتی۔ مینی یونیورسٹی چلی جاتی، وہ اسکول چلی جاتی۔ دونوں واپسی پر گھر کے کام سمیٹتیں، کھانا کھاتیں اور اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جاتیں۔ ہمارے شور ہنگامے، اماں کی چخ چخ سے بے نیاز سیڑھیوں پر بیٹھ کر ریاضی کے سوال حل کرتیں، اور ہم کمروں میں گھسے، بستروں پر چڑھے لڈو کھیلتے، کیرم کی بازی لگاتے، ٹی وی کے ناچ گانے پر شور ہنگامہ ہوتا۔ گرمیوں سردیوں کی چھٹیوں میں دونوں ممانیاں آتی رہیں، کام بڑھتے رہے، ان کے امتحان چلتے رہے۔

اماں کو یہ گوارا نہیں تھا کہ ٹیوشن پڑھا کر مینی چار پیسے کمائے۔ وہ انہیں گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے نہیں دیتی تھیں۔ جسے سونے کے لیے چٹائی بھر جگہ دی تھی، بچوں کے لیے چھت یا کمرا کیسے دیتیں۔ پڑوسن خالہ نے مینی کو اپنے گھر کا ایک کمرا دے دیا کہ یہاں بچوں کو بلا کر پڑھا لیا کرو۔ مینی ٹیوشن کا کام وہاں کرنے لگی۔ اسی خالہ کی بچی نے میڈیکل انٹری پاس کیا تھا۔ اماں مینی کو جگہ دے دیتیں تو شاید میں بھی ریاضی کا پرچہ پاس کر لیتی۔

وہ گاؤں والی چچی کی لڑکی کی کلاس میں پہنچ گئی۔ جہنم میں۔ گھر کی کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی جس نے ہر کلاس میں ایک دو سال نہ لگائے ہوں۔ اور وہ ایک سال میں دو دو کلاسیں پھلانگ کر ہمارے برابر آ گئی تھی۔ میں دو سال سے میٹرک بورڈ میں پھنسی ہوئی تھی۔ ریاضی میری جان کو آ گئی تھی۔ اس پرچے سے نکل کر نہیں دے رہی تھی۔ مجھے کالج جانے کا بہت شوق تھا لیکن یہ منحوس ریاضی۔ مینی نے مجھے پڑھانا چاہا تو اماں نے گوارا نہ کیا۔ میں نے بھی مینی کو اتنی اہمیت نہ دی۔

"انہیں ان کے گھر کا کرنا ہے، ہمیں کون سا ڈگری دلوا کر طلاقوں کے لیے تیار کرنا ہے۔"

جب جب گھر کی لڑکیاں فیل ہوتیں، اماں اور چچی تنگ کر کہتیں کہ انہیں پروا نہیں کہ بچے پاس ہوں یا فیل، پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا۔ مینی نے کئی بار ہم لڑکیوں کو اماں سے چھپ کر علیحدگی میں سمجھایا لیکن ہمیں مینی کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ کیونکہ ہماری نظروں میں مینی کی کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ رات دن اماں سے صلواتیں سنتی تھی، ہم اس کی کیسے سن سکتے تھے؟ جو میری ماں کے ہاتھوں ذلیل ہوتی تھی وہ ہم سے کیسے عزت پا سکتی۔ ایسے گھر کی کوئی لڑکی کالج کیا پہنچتی، فرسٹ ڈویژن لے کر وہ گاؤں والی کالج پہنچ گئی۔ اس نے ایک ہی جھٹکے میں میٹرک پاس کر لیا تھا۔ ابا نے اس کے چچا کو فون کر کے بتایا کہ تمہاری بیٹی بورڈ میں پاس ہوئی ہے۔ چچا کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اسی خوشی میں اچھے خاصے پیسے بھجوائے جو اماں کے ہی ہاتھ آئے۔ وہ گھر کے کام کرتی تھی، چٹائی پر سوتی تھی، مینی کے کپڑے پہنتی تھی، مینی اس کے تعلیمی اخراجات ادا کرتی تھی، لیکن چچا کے بھیجے پیسے اماں کی جیب میں جاتے

digest library.com

تھے۔

پڑوسن خالہ کے ٹیوشن والے کمرے میں اب عینی اور گاؤں والی مل کر پڑھانے لگی تھیں۔ عینی بڑی کلاس کے بچوں کو پڑھاتی تھی اور وہ چھوٹی کلاس کے بچوں کو۔ اب میں پیچھے پلٹ کر دیکھتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ گاؤں والی نے پہلی عینی جیسے معمولات اپنائے، جو عینی کرتی، وہ بھی وہی کرتی۔ پھر اس نے عینی جیسی عادتیں اپنالیں۔ خاموش رہتی، اور پڑھائی پر توجہ دیتی۔ دونوں ہی بیمار نہیں پڑتی تھیں۔ یا شاید بیمار ہوتی تھیں لیکن بستر پر پڑنے کی عیاشی نہیں کر سکتی تھیں۔ دونوں سردی گرمی ہر تین ماہ بعد مل کر پورے گھر کا سامان کھسکا کر صفائی ستھرائی کرتیں۔ عیدین پر مل کر دیواریں جھاڑتیں، پردے دھوتیں، سردیوں میں لحاف بستروں کا کام سنبھالتیں۔ اگر وہ دونوں یہ سب نہ کرتیں تو ہماری پھیلائی گندگی سے ہمارے نفس تنگ پڑنے لگتے۔

عینی کی چھوٹی سی الماری میں گاؤں والی کا ضروری سامان رکھا رہتا۔ دونوں کے پاس گنے چنے کپڑے تھے لیکن کتابوں کا ڈھیر تھا۔ ایک بار اس نے مجھے سمجھایا کہ میں ذرا سی ہمت کروں اور ریاضی کا پرچہ دے دوں۔ صرف ایک گھنٹا اس سے پڑھ لیا کروں۔ نہ جانے کیوں میں چڑ گئی۔ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والی ہمیں کیا سمجھتی ہے؟ اس کا کیا لینا دینا تھا میرے پاس ہونے سے؟

"کالج میں آسان سبجیکٹ رکھ لینا لیکن تم میٹرک تو پاس کرو۔" وہ مجھے سمجھاتی۔

لیکن گھر میں پڑے رہنے، چھتوں پر چڑھنے، بلا ضرورت رشتے داروں کے یہاں ہفتہ ہفتہ رہنے، بازار گھومنے، ہنسی ٹھٹھے میں جو مزہ تھا وہ میٹرک کر کے بڑی ڈگری لینے میں نہیں تھا۔ کالج جانے کے شوق کے باوجود میں یہ ہمت نہیں کر سکی نا۔ اماں میرا رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ عینی نے ابا سے کچھ کہا کہ ابا نے اماں سے کہہ دیا کہ جب تک یہ بارہ جماعتیں نہیں کرے گی، اس کی شادی نہیں ہو گی۔ اماں نے جھڑک دیا ہمیں۔

"بارہ کروا کر طلاق نہیں دلوانی ہمیں۔"

مجھے عینی سے نفرت محسوس ہوئی۔ خود وہ جتنی چاہے ڈگریاں لے لیکن ہمارے سر پر کیوں سوار ہو رہی تھی۔

"آپ کون ہوتی ہیں میرے معاملے میں بولنے والی؟" ایک دن تنگ کر میں نے اس سے کہہ دیا۔

میرا لہجہ اور انداز، میری ماں سے بھی زیادہ برا تھا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کے بعد اس نے کبھی گھر کی کسی لڑکی کے معاملے میں مداخلت نہیں کی۔ ایک بار عینی نے مجھے پارک میں لڑکے کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ اب وہ رہ نہ سکی اور اماں سے کہا کہ بچیوں پر دھیان دیں، وہ نا سمجھ ہیں، کوئی بھی انہیں بہکا سکتا ہے۔ اماں نے تو پردوں پر پانی تک پڑنے دیا کہ ان کی بچی میں بھی کوئی عیب ہو سکتا ہے۔ الٹا کہتی رہیں کہ اپنے گریبان میں جھانکو بی بی! کئی جاننے والوں نے تمہیں یہاں وہاں دیکھا، پر میں تو چپ رہی کہ زبان پر حرف لائی نہیں کہ عزت گنوائی نہیں۔

میری ماں جھوٹ بہت بولتی تھیں۔ بلکہ میری ماں کا اوڑھنا بچھونا ہی جھوٹ تھا۔ چچا کی بڑی لڑکی کا محلے سے ہی رشتہ آیا تھا۔ چچا نے پکڑ کر خوب دھلائی کی۔ لڑکے کی ماں صاف صاف سنا گئی کہ یا اپنی بیٹی کو باز رکھو، یا پھر رشتے پر ہاں کرو۔ ہمارے بیٹے نے ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے۔ تمہاری لڑکی ہر وقت چھت پر چڑھی رہتی ہے وہ دکھائی نہیں دیتا۔ اب رشتہ مانگ لیا تو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔

چچا کو عینی نے ہی سمجھا کر قابو میں کیا۔ لیکن چچی، اور اماں کو یقین تھا کہ اسی نے چچا کو بھڑکایا ہے۔ ان دنوں اماں تنفر سے کہا کرتی تھیں کہ یہ منحوس ہماری بچیوں کا کہیں ہونے نہیں دے گی۔

ہاں! وہ منحوس ہی ہماری بھلائی کے راستے میں

digest.library.com

کھڑی تھی۔ جس لڑکے کے ساتھ میں پارک گئی تھی، میرے بار بار کہنے پر اس لڑکے نے اپنی ماں کو رشتے کے لیے بھیج دیا تھا۔ اور یہ ماں ایک بار ہو کر گئی اور پھر پلٹ کر دوبارہ نہیں آئی۔ بلکہ اس لڑکے نے بھی مجھ سے رابطہ ختم کر لیا۔ نامعلوم چھوٹی سی اس ملاقات میں اس کی ماں ایسا کیا دیکھ گئی کہ اپنے بیٹے تک کو مجھ سے متنفر کر دیا۔ اماں کو یہ رشتہ پسند تھا، لڑکے کی ماں نے انکار تک کرنا گوارا نہ کیا تو اماں غصے میں آ گئیں۔ اماں کو یقین تھا ضرور عینی لڑکے کی ماں سے جا کر ملی ہے اور ہمارے خلاف بھڑکایا ہے۔ میرا دل ٹوٹا ہوا تھا اور مجھے بھی یقین تھا کہ ضرور عینی نے بغض دکھایا ہے۔

محلے کی کئی لڑکیوں کو عینی نے بورڈ میں پاس کروایا تھا۔ ان لڑکیوں کی مائیں عینی کی تعریف میں رطب اللسان ہوتیں کہ جس نے عینی سے پڑھ لیا، سمجھو وہ پاس ہو گیا۔ وہ عینی سے اپنی بچیوں کے لیے مشورے لیتیں کہ کس کالج میں داخلہ کروائیں بچیاں کس مضمون میں کون سی ڈگری لیں۔ عینی ان لڑکیوں کے کالج ایڈمیشن کروانے بھی جاتی تھی۔ محلے کی ان ہی خواتین نے عینی کے لیے چند اچھے رشتے بتائے تھے لیکن اماں نے وہ رشتے ہونے نہیں دیے۔ بلکہ الٹا اماں اپنے خالہ زاد کا رشتہ لے آئیں جو انہی کی عمر کا تھا اور تین جوان بچوں کے ساتھ حال ہی میں رنڈوا ہوا تھا۔ عینی نے بڑے تحمل سے رشتے کی تفصیل سنی اور انکار کر دیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے لیے کسی کنوارے شہزادے کا رشتہ آئے گا۔ طلاق لے کر ہمارے سر پر پڑی ہو۔"

اماں جانتی تھیں کہ ابا اس رشتے پر نہیں مانیں گے لیکن اماں ایک شعلہ بھڑکانا چاہتی تھیں جس پر تیل ڈال سکیں۔ لوگوں کو دکھا سکیں کہ وہ عینی کی شادی کرنا چاہتی ہیں یہی نہیں مانتی۔ جن دنوں اس لڑکے کی ماں لوٹ کر نہ آئی، ان ہی دنوں مجھے کچھ کچھ احساس ہوا کہ محلے والے ہمارے گھر میں صرف عینی کو پسند کرتے ہیں۔ صرف اسی کی عزت کرتے ہیں۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ رشتہ عینی نے نہیں، محلے والوں نے ہمارے گھرانے کی حقیقت بتا کر ختم کروا دیا۔

☆☆☆

گاؤں والی نے میڈیکل انٹرنس ٹیسٹ پاس کر لیا تھا، اور خوشی سے روتے ہوئے اپنے چچا کو فون پر بتا رہی تھی۔ اور اسی وقت ہم سب کو معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر بننے جا رہی ہے۔ پہلی بار اماں کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا۔ پہلی بار ہمارے گھر کی ہر خوب صورت چیز بدصورت دکھائی دی۔ پہلی بار اماں نے رات کا کھانا نہ کھایا۔ اور پہلی بار انہوں نے میرے کندھے نوچے۔

"کم بخت تجھ سے ایک پرچہ ہی پاس نہیں ہوا...... بن جاتی تو بھی ڈاکٹر......"

ڈاکٹر...... اور میں...... پر میرے پاس ڈاکٹر بننے کا خواب ہی نہیں تھا۔ مجھے کسی نے یہ خواب ہی نہیں دیا تھا بلکہ کوئی بھی خواب نہیں دیا تھا۔ جس کے پاس یہ خواب تھے اس سے سب نفرت کرتے تھے...... عینی سے...... جب ہم میں سے کسی نے عینی سے یہ خواب نہیں لیے تو اس نے یہ خواب گاؤں والی کو تھما دیا۔ اماں عینی سے نفرت کرتی لیکن ہمیں تو نہ کرنے دیتیں۔ اماں نے ہم سب کو اس آگ میں جھونک دیا اور نقصان میں ہم سب جلے۔

گاؤں والی کی ڈاکٹری ہماری آنکھوں میں چبھتی رہی۔ اماں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں کہ عینی کی پڑھائی لکھائی کا کوئی فائدہ بھی ہے۔ اسی لیے گاؤں والی کی چھلانگ دیکھ کر اماں صدمے میں آ گئیں۔ سر پر پٹی کس گئی، کمر کا درد جاگ اٹھا، بھوک پیاس اڑ گئی۔ صرف یہی نہیں، محلے کی دو اور لڑکیاں بھی اسی امتحان میں پاس ہو کر ڈاکٹر بننے جا رہی تھیں۔ ان کی مائیں عینی کے واری صدقے تھیں۔ اسی نے لڑکیوں کی قابلیت



Scanned with CamScanner

digest.library.com

دیکھتے ہوئے ان کی ماؤں کو جتایا تھا کہ اپنی بچیوں کو سہولت اور توجہ دیں۔ وہ سہولت جو مینی کو ہمارے گھر میں میسر نہیں تھی، اس کا اہتمام اس نے دوسروں کے لیے کروایا۔ مینی کا دل تنگ کیوں نہیں تھا؟ وہ کیوں دوسروں کے لیے دوڑ دھوپ کرتی تھی؟

میڈیکل کالج میں جاتے ہی گاؤں والی نے اپنا سامان سمیٹا اور ہوسٹل میں رہنے لگی۔

اماں کہتیں دیکھو کیسے آنکھیں بدلی ہیں، یہاں آکر کایا پلٹ گئی اور اب بوریا بستر سمیٹ کر چلتی بنی۔

اس کے چچا نے بڑی خوشی سے اس کی بھاری فیسیں ادا کی تھیں کہ بچی لائق ہے۔ میں تو ضرور اسے ڈاکٹر بناؤں گا۔ وہ تو چلی گئی لیکن اس کے گاؤں سے اناج کی بوریاں آنا بند نہیں ہوئیں۔ ہر فصل سے کچھ نہ کچھ آتا رہا۔ گاؤں والی کے جانے کی دیر تھی کہ یونیورسٹی سے مینی کی تقرری کا پروانہ آگیا۔ وہ انٹرویو میں پاس ہوگئی تھی اور اب ٹریننگ کے لیے بلائی جا رہی تھی۔ وہ تو جیسے سانس روکے تیار بیٹھی تھی۔

مینی نے ابا کو یونیورسٹی میں اپنی لیکچرارشپ کے بارے میں بتایا تو ماتو اماں کے چنگل سے شکار نکل بھاگا۔ اماں ہکا بکا رہ گئیں۔ ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ کتابیں اسے کوئی ایسا راستہ تھما سکتی ہیں کہ وہ ایسے نکل کر بھاگ سکتی ہے۔ اسے تو اسی گھر میں ایڑیاں رگڑنی تھیں، ان کی جوتیاں سیدھی کرنی تھی۔ اب اماں کو کسی پل قرار نہ آئے کہ کیسے اسے واپس دلدل میں گھسیٹیں۔

”یہ ہوٹل نہیں ہے کہ دل کیا تو میش سے رہے اور پھر چلتے بنے۔ ہمیں ملازم سمجھا ہے اپنا۔ یہ یہاں سے نکلی تو دوبارہ اس گھر کی شکل نہیں دیکھے گی۔ میں اسے دہلیز نہیں پھلانگنے دوں گی۔ خبردار جو اس نے گھر میں حصے کی بات بھی کی ہے۔“

ابا کو بھی برا لگا کہ کیسے خود ہی فیصلے کر لیا۔ آزادی دی ہے، پڑھنے لکھنے کی عیاشی دی لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ اجازت تک نہ لی۔ مینی ہمیشہ کی طرح خاموشی سے سب سنتی رہی۔ یہ خاموشی...... یہ چپ...... بس یہی گھر کی جڑوں میں گھس گئی اور انہیں کھوکھلا کر گئی۔ اماں بار بار حصے کی بات کرتی رہیں کہ یہاں سے گئی تو پھوٹی کوڑی نہیں ملے گی۔ اور وہ اپنا حصہ، اپنی خاموشی سمیٹ کر اگلے دن صبح ہی چلی گئی۔ مجھے آج بھی وہ لمحہ یاد ہے جب وہ گھر سے نکل رہی تھی۔ وہ جتنی خوش تھی اتنی ہی خوف زدہ بھی۔ خوف کہ ایسا نہ ہو یہ خواب ہو، اس کی آنکھ کھلے اور وہ چٹائی پر پڑی ہو۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

مینی کے جانے کے بعد پہلی بار ایسا محسوس ہوا کہ سارا گھر خالی ہو گیا۔

اور بہت بعد میں، جب میرا اپنا گھر گرا، میں نے جانا کہ ہاں گھر خالی ہوا تھا، اس خیر سے جو مینی کے ساتھ تھی اور مینی کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی تھی۔ یتیموں مسکینوں کے سروں پر ہاتھ رکھنے والوں کے سروں پر کبھی آسمان نہیں گرتا۔ مینی جیسی لڑکیوں کے ساتھ شفقت کا رویہ رکھنے والوں کا گھر کبھی چوہوں کا مسکن نہیں بنتا۔

جو کام دونوں مل کر کیا کرتی تھیں، وہ اماں اور چچی پر آگیا۔ اب دونوں ہمیں بھی صلواتیں سناتیں کہ جوان جہاں ہو، مل کر پاتی نہیں ہوتیں۔ چچی اور اماں کی ٹھنی کلاس ہوتی۔ ابا اور چچا بک بک کرتے جاتے کہ وقت پر ناشتہ نہیں ملتا۔ دو کام والیاں رکھیں لیکن ابا نے ایک کو فارغ کروا دیا کہ گھر لڑکیوں سے بھرا پڑا ہے، ان سے کرواؤ، میں اتنا خرچ نہیں اٹھا سکتا۔ اب چچی اور اماں میں تکرار ہوتی کہ سالن کون بنائے گا، آٹا کون گوندھے گا۔ ایک ہفتہ کپڑے دھونے کی باری اماں کی، ایک ہفتہ چچی کی۔ اور ہر ہفتے تکرار ہوتی، بچی پھر نہ ہوتی۔ چچا کی لڑکی نے چھپ کر

digest library.com

نکاح کر لیا اور لڑکے کے گھر چلی گئی۔ ناچار اسے واپس گھر بلایا، اور چار لوگوں میں رخصتی کر کے کچھ عزت بچائی۔ گھر میں سوگ کی سی کیفیت رہی۔

دو مہینے بعد ابا مینی کو گھر لائے۔ مینی کی شکل دیکھتے ہی اماں اور چچی نے دانت پیسے۔ واویلا مچا دیا کہ اسے گھر میں قدم نہیں رکھنے دیں گی۔ بک بک ہوتی رہی۔ چچا ناراض ہوئے کہ ہماری بہن ہے، گھر ہے اس کا، پر اماں اور چچی ایک ہو گئیں۔ اس بار مینی ترحم آمیز نظروں سے دونوں کو دیکھتی رہی۔ اس نے ابا کی فرمائش پر کوفتے بنائے، اور ایک رات ٹھہر کر اگلے دن واپس چلی گئی۔ وہ اپنے بھائیوں کی محبت میں آئی ہو گی، ورنہ وہ کیوں ایسی خوف ناک جگہ واپس آنا چاہے گی؟

اگلی بار وہ عید پر آئی۔ ابا ہی لائے تھے۔

اس کا ہشاش بشاش چہرہ اماں کی عید خراب کر گیا۔ وہ گہرے میرون رنگ کے سوٹ میں تھی۔ کندھوں پر گرم شال تھی۔ وہ اپنی چھوٹی سی گاڑی میں آئی تھی۔ ٹریننگ کے بعد وہ ورکنگ ویمن ہوسٹل میں رہنے لگی تھی۔ اماں کو بڑی ٹوہ تھی کہ کہیں سے معلوم کریں کہ مینی کی تنخواہ کیا ہو گی۔ انہیں یقین تھا کہ مینی کو گاڑی ابا نے لے کر دی ہے۔ گھر میں پھر نیا فساد ہوا۔ گاڑی سیکنڈ ہینڈ تھی، زیادہ اچھی حالت میں بھی نہیں تھی۔ پر تھی تو گاڑی، جو اماں کے پاس نہیں تھی۔ ہمارے تو گھر کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ہر تین مہینے بعد ہونے والی صفائی، عیدین پر بھی مشکل سے ہوتی۔ صاف ستھرے بستر خواب ہوئے۔ وقت پر کھانا مل جانا ہی غنیمت رہا۔

بات صرف یہ نہیں تھی کہ ہم پھوہڑ تھیں۔ اصل بات یہ تھی کہ ہم جاہل، تنگ دل اور بے حس تھیں۔ اماں نے ہمیں اپنے جیسا بنایا اور ہم ویسی بن گئیں۔ کیونکہ ہماری اپنی بھی یہی خواہش تھی کہ ہم مینی جیسی نہ بنیں۔ اس کے لیے احساس نہ

رہیں۔ ہم بھی اماں کی طرح لمبی تان کر سونا چاہتی تھیں۔ ورنہ اگر ہم ہی احساس کر لیتے، چار برتن دھو دیتے، روٹی بنا دیتے، اپنا شور ہنگامہ کم کر لیتے کہ مینی کو پڑھنا ہے، تو کیا ہو جاتا — بیدار دلوں اور گھروں میں روشنی ہوتی ہے، تنگی نہیں۔ اور ہم بیدار نہیں غافل تھے۔

☆☆☆

کچھ دن بعد مینی کے نکاح کی خبر آ گئی۔ ابا اماں کو مناتے تھے کہ اسے گھر سے رخصت کرتے ہیں اور اماں بپھری جاتی تھیں۔ انہیں یہی حقیقت ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ مینی نے پڑھا لکھا شوہر ڈھونڈ لیا۔ ان کے جھوٹے برتن دھونے والی لڑکی اتنی خود مختار ہو گئی کہ اسے کسی سہارے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اور بس نکاح میں شرکت کی دعوت دی۔ وہ واویلا کرنے لگیں کہ میری بچیوں کے رشتوں میں رکاوٹیں ڈال کر بی بی اپنی شادی رچا رہی ہے۔

ابا اور چچا ان کے ہونے والے شوہر سے ملے تھے۔ ابا نے ہی رشتے کے لیے ہاں کی تھی۔ ابا کی منت سماجت بے کار گئی۔ پھر ایک جمعہ مسجد میں نکاح ہو گیا۔ محلے کی عورتیں اور ان کی بیٹیاں بھی شریک ہوئیں۔ نہیں شریک ہوئیں تو اماں اور چچی۔ ابا زبردستی ہم بہنوں کو ساتھ لے گئے۔ سب خوش تھے، سوائے ہمارے۔ اماں کی رات دن کی بڑبڑ اور بک بک نے ہمیں مینی کے لیے خوش ہی نہیں ہونے دیا۔ ہمارے تنگ دلوں میں یہ گنجائش پیدا ہی نہ ہو سکی کہ کسی کو مدت بعد اس کے نصیب کی خوشیاں ملی ہیں، چلو کدورت جانے دیں۔ وہ ہمارے گھر کا فرد تھی، ہمیں ناشتہ بنا کر دیتی تھی، اسکول کے لیے تیار کرتی تھی۔ گرمی سردی ہمارے آرام کا خیال کرتی اور ہم سب سے محبت کرتی تھی۔ چلو اسے دعا دیں۔ اس لڑکی کی خوشیوں میں خوش ہونے والا دل ہمارے پاس تھا ہی نہیں۔ محبت کا احترام ہمیں سکھایا گیا، نہ احساس۔ ہم



Scanned with CamScanner

digest library.com

ناقدرے لوگ تھے، انسان ہونے کا بنیادی سلیقہ ہمیں نہ آیا۔

گاؤں والی بار بار اپنی نم آنکھیں صاف کرتی تھی۔ ہاں اور اکیلی ان اذیتوں کی رازداں تھی جن سے عینی گزری تھی۔ وہ جانتی تھی ہمارا گھر کتنا نوکیلا اور زہریلا تھا۔ اور اب وہ خوش تھی کہ عینی کو اپنا خاندان، اپنا گھر مل گیا ہے۔ وہ عینی کے ساتھ جڑ کر بیٹھی تھی۔ اور یہاں پہلی بار مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہی احساس جیسے میرا دل بیٹھ گیا ہو۔ ویسے ہی جیسے گھر کی بنیادیں بیٹھ گئیں۔ دیواریں بوسیدگی سے جھک گئیں اور چھت آگری۔ مجھے لگا کہ ہمارے ہاتھوں سے ایک خاص وقت نکل گیا...... خیر کمانے کا وقت......

عینی کی آنکھیں بھیگتی تھیں، وجود لرزتا تھا۔ ایک لمبی مشقت کاٹ کر اسے چھاؤں نصیب ہوئی تھی۔ محلے کی عورتیں اس کی پیشانی چومتی تھیں، اسے دعائیں دیتی تھیں۔ اور اسی وقت میں نے اپنے خاندان کی بنیادیں ہلتی ہوئی محسوس کیں۔ اماں کی صلواتیں، بڑ بڑ، چھوٹی چھوٹی نوکیلی کنکریاں تھیں۔ انہیں معمولی جاننا ہی ہمارے گھر کی چھت کو ہلا گیا۔ کونوں میں چھپ کر بہائے گئے آنسو، روٹی کے نوالوں کے ساتھ بھرے گئے صبر کے گھونٹ ہمارا آسمان تنگ کر گئے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ ہمارے گھر میں جب جب پھول پودے لگانے کی کوشش کی گئی، ناکامی ہوئی۔ انہیں پانی دیا، ان کا خیال رکھا، لیکن چند ہفتوں میں سب گل سڑ جاتے تھے۔ ایسا ایک بار نہیں کئی بار ہوا۔ اب میں وجہ جان گئی۔ اس گھر کی فضا اتنی زہریلی تھی کہ ہرے بھرے پھول پودے تک کھا جاتی تھی۔ عینی کو کیسے کیسے نہیں کھایا ہوگا۔

صرف ایک بارش میں پورا گھر تباہ ہو گیا۔ کوئی ایک دیوار سلامت نہ رہی۔ محلے کا ہر گھر سلامت تھا، سوائے ہمارے گھر کے۔ ہماری جانیں تو بچ گئیں لیکن اماں کی ساری جمع پونجی اجڑ گئی۔ جو زمین عینی پر تنگ کی تھی وہ کھلے آسمان تلے بغیر چھت کے پڑی تھی۔ اماں عینی سے کہتی تھیں اس گھر میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ خبردار جو حصے کی بات کی۔ واقعی عینی کا اس ملبے میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو یہ گھر بھی نہ گرتا۔ اگر اس کا حصہ دے دیا جاتا تو یہ گھر بچ جاتا۔

یہ بہنیں، یہ بیٹیاں، یہ مائیں، یہ کہاں جائیں؟ زمینوں میں ان کے قانونی حصے نکلیں گے تب ہی گھر ان کے گھر کہلائیں گے؟ ایک قانونی کاغذ ہاتھ میں آئے گا تب ہی ان کا حق تسلیم کیا جائے گا؟ پھر انسانیت اور رشتوں کا کیا؟ پھر احساس کا کیا؟ میرا گھر، میری چھت، میری زمین، میرا حق، اس سب میں کسی دوسرے کو چھت نہیں ملے گی؟ دو نوالے نہیں دیے جائیں گے؟ کیا عزت اور احساس بھی حصوں کی طرح تقسیم ہوں گے۔ دو نوالے کھلا کر چار سنانے کی روایت کب ختم ہوگی۔ ہم نیت کے کھوٹے اور بے حسی کے فرعون ہیں۔ ہم تنگ دلوں کے گھروں میں خودغرضی کا بول بالا ہے۔

اماں اور چچی ہم سب کو اپنے آبائی گھر لے آئیں۔ اس گھر میں دونوں ماموں آباد تھے۔ دو دن نہ گزرے کہ دونوں ممانیوں نے آنکھیں چڑھا لیں، منہ بنا لیا، بڑبڑ کرنے لگیں اور سروں پر پٹی باندھ لی۔ چند ہفتے گزرے کہ اماں نے پلو میں منہ دے کر رونا شروع کر دیا کہ

”دیکھو! ہمارے سر پر مصیبت پڑی ہے اور بھاوجوں نے اپنی اوقات دکھانی شروع کر دی۔ میرے باپ کا گھر ہے، میرا بھی حق ہے اس پر، میرا حصہ ہے......“

حصہ......

میں اماں کو سمجھانا چاہتی تھی کہ حصہ صرف ایک ہوتا ہے...... دینے والا حصہ...... احساس کا حصہ، رحم دلی کا حصہ، پناہ کا حصہ، اور چھت کا حصہ...... اگر یہ حصہ دے دیا جائے تو پھر باقی سارے حصے مل جاتے ہیں۔

☆☆



Scanned with CamScanner

## عنبرین آبداک

# ہم تم کیسے

مکمل ناول

وہ کچن میں تن دہی سے کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل اپنے شوہر کے بارے میں سوچ رہا تھا اور یہ سوچ اس کے لبوں پہ خوب صورت مسکراہٹ بکھیرے ہوئے تھی۔ اس کی یاد اسے یونہی خوش اور مصروف رکھتی تھی۔

اس وقت بھی، بریانی کو دم لگانے کے بعد اس نے صافی سے اپنے ہاتھوں کو صاف کیا اور کچن کی شیلف پر پڑے اپنے فون کو اٹھا کر آن کیا۔ ٹائم دیکھا، ہوا ایک بج چکا تھا۔

"یعنی وہ دو بجے تک گھر پہنچ جائیں گے۔"

اس نے بڑبڑاتے ہوئے فون کو واپس شیلف پہ رکھا اور فریج کی سمت پلٹ گئی۔ فریج سے کھیرے، بند گوبھی اور ایک چھوٹی سی گاجر کو نکال کر دھونے کے بعد، کچن میں موجود ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ سلاد کی پلیٹ اٹھا لائی۔ کرسی کو کھینچ کر بیٹھ گئی اور جیسے ہی گاجر کو اٹھا کر چھیلنے لگی، دفعتاً اس کی نظر اپنی سونی کلائیوں پر پڑی۔

"اپنی کلائیوں کو کبھی بھی چوڑیوں سے خالی نہیں رکھا کرو۔ ان کی چھن چھن میری تنہائی میں رس بکھیرتی ہیں۔ مجھے یہ میری تنہائی میں بھی تنہا نہیں ہونے دیتی۔"

اپنے شریک سفر کی آواز کو یاد کر کے، اس کے کانوں میں یہ الفاظ گونجے تو وہ دھیرے سے مسکرا کر شرما سی گئی۔

"ابھی بریانی کے دم میں دس منٹ ہیں۔"

اس نے پلٹ کر چولہے پہ رکھے بریانی کے دیگچے کی طرف دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ میں گاجر کو پھر چھری پلیٹ میں رکھ کر اٹھی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس نے الماری سے پنک اور فیروزی رنگ کے امتزاج والا سوٹ ہینگر سے نکالا اور جلدی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ نہا کر نکلنے کے بعد اس نے اپنے گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹا اور کمرے سے نکل کر کچن کی طرف چلی۔

کچن کے دروازے پہ رکتے ہی اس نے گہرا سانس لیا اور مسکرا کر کچن میں موجود اپنی ساس کی طرف دیکھا، جو بریانی کے نیچے موجود چولہے کو بند کر چکی تھیں اور ساتھ میں سلاد کی پلیٹ بھی تیار ہو چکی تھی۔

"امی! میں کر رہی تھی۔ آپ نے کیوں تکلیف کی؟"

وہ اپنی ساس کے قریب آ کر محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"سارا کام تو تم نے ہی کیا ہے، جاؤ، جلدی سے جا کر تیار ہو جاؤ۔ چوڑیاں بھی پہننا، اور لپ اسٹک بھی لگا لینا۔"

اس کی ساس نے اس کے گلابی چہرے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے کہا اور پلٹ کر فریج سے دہی نکال کر رائتہ بنانے لگیں۔

"میں کر لوں گی امی! مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ آپ میری موجودگی میں کام کریں۔"

"ارے بیٹا! یہ تو چھوٹے چھوٹے کام ہیں، اس سے بھلا کون تھکتا ہے؟ میں بھی نہیں تھکوں گی۔ جاؤ تم جلدی سے اپنے بال سنوار لو اور تیار ہو جاؤ۔"



digestlibrary.com
Scanned with CamScanner

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

اس کی ساس نے دہی کو پیالہ میں نکالتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اپنے بالوں کو سنوارنے کے بعد اس نے آنکھوں میں بھر بھر کے کاجل ڈالا، گلابی لبوں پہ گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگا کر انہیں مزید گلابی کیا۔

پھر ہاتھوں میں کانچ کی پنک اور فیروزی رنگ کی چوڑیاں سجائیں اور خود پر خوشبو کا اسپرے کرتے ہوئے جب وہ کمرے سے باہر نکلی، تو وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ ہنستا مسکراتا اپنی ماں سے ملتا ہوا۔ اس کی نظروں میں اسے دیکھتے ہی ستائش ابھری اور ہونٹ ذرا سے پھیلے۔

"امی! آپ کی بہو اتنی ہی پیاری ہے یا میری محبت کا اثر ہوتا جا رہا ہے؟" اس نے شرارتی انداز میں ماں سے دریافت کیا۔

"ارے نہیں! تمہاری محبت کا اثر کیوں؟ میری بچی تو ویسے ہی اتنی پیاری ہے۔"

اس کی ساس نے ہولے سے بیٹے کے کندھے پر چپت لگاتے ہوئے کہا اور پلٹ کر اس کی طرف دیکھا، جو اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کچلتے ہوئے، اپنی مخروطی انگلیوں کو اضطراری انداز میں مروڑ رہی تھی۔

"میں ظہر کی نماز پڑھ لوں، پھر مل کر کھانا کھائیں گے۔"

اس کی ساس کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ چکی تھیں۔ ان کے منظر سے ہٹتے ہی، وہ دور کھڑے اس کے شوہر نے سارے فاصلے منٹوں میں سمیٹ لیے اور اس کے دودھیا ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"پتا ہے، میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔"

وہ لہجے میں جہاں بھر کی محبت سمیٹے بولا تھا۔

اس کی محبت ہر بار اس اظہار کرتا اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیتا۔

دل تھا کہ خوشی سے پاگل ہونے کے بجائے، خوف سے سکڑنے لگا۔ آنکھیں محبت کا اقرار کرنے کے بجائے، جیسے اس کی محبت سے عدم اعتماد کی تصویر ہو جاتی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنے ہاتھوں کو اس کی گرفت سے آزاد کیا اور کچھ کہے بغیر کمرے میں چلی آئی۔

"کیا ہوا؟"

وہ اس کے تعاقب میں لپکا تھا، اور اسے بازو سے تھام کر اپنے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"قاسم کے اٹھنے کا ٹائم ہے۔"

اس نے کہا اور بیڈ پر سوئے ہوئے قاسم کی طرف دیکھا، جو اس وقت بھی گہری نیند میں سو رہا تھا۔

"اٹھنے کا ٹائم ہے، ابھی وہ اٹھا نہیں ہے؟"

وہ اس کے گریز پر مسکرایا تھا۔

"آپ کو نہیں پتا؟"

اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ رکھے ذرا سا دور کرتے ہوئے وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"ہاں، یہ تو تم نے ٹھیک کہا، مجھے نہیں پتا۔ لیکن مجھے یہ پتا ہے۔"

اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتا، دو سالہ قاسم روتا ہوا اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

تو مسکراہٹ کی باری اب اس کی تھی اپنی مصنوعی خفگی چھپاتے ہوئے اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ وہ پیاری سی لڑکی، منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی، اور پھر ہنستی چلی گئی۔

"آہا! ہاں، اڑا لو میرا مذاق۔"

اس نے بھاگ کر بیڈ پر بیٹھے قاسم کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ قاسم اسے دیکھ کر رونا بھول گیا اور "بابا! بابا!" کہہ کر اس سے لپٹ گیا تھا۔

باپ اور بیٹے کو مصروف دیکھ کر وہ باہر نکل آئی۔

کچن میں آ کر اس نے کباب فرائی کرنے شروع کیے۔

اور ساتھ ہی روٹیاں بنانے کے لیے فریج سے گوندھا ہوا آٹا نکال لائی۔ وہ اب تیزی سے پیڑے بنانے لگی تھی۔

☆☆☆

"کمال ہے اوہ! مزہ آ گیا۔ آپ کی بہو کے



Scanned with CamScanner

digest library.com

ہاتھ میں تو کوئی جادو ہے۔ پیٹ بھر گیا، مگر ابھی بھی نیت نہیں بھری۔"

اپنی پلیٹ کو پھر سے بریانی سے بھرتے ہوئے، اس کے شوہر نے کہا۔ سب لوگوں کو مسکراتا دیکھ کر، اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھل گئی۔

"ہاں، میری بہو کے ہاتھ میں ماشاءاللہ اتنا ذائقہ ہے۔ پیٹ تو بھر سکتا ہے، لیکن نیت نہیں بھر سکتی۔"

اس کی ساس کے لہجے میں شہد کی سی مٹھاس تھی۔ سب ہنس رہے تھے، خوشی میں گم تھے۔

"میں میٹھا لے کر آتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھی، اور ابھی کچن کے دروازے کے قریب ہی پہنچی تھی کہ بیل کی تیز آواز گونجی۔ وہ پلٹی اور استفہامیہ نظروں سے محفل کے گرد بیٹھے نفوس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس وقت کون آ گیا؟" اس کی حیرت زدہ آواز گونجی۔ "میں دیکھتی ہوں۔"

"نہیں، تم رہنے دو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے اس کا شوہر قاسم کو ماں کی گود میں تھما کر لاؤنج سے باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"لو تم کیوں وہاں کھڑی ہو؟ جلدی سے فرنی نکال کر لے آؤ۔ بھئی ہم دادی پوتے نے آج تو دل بھر کے فرنی کھانی ہے۔ کیوں قاسم؟ دادی ٹھیک کہہ رہی ہیں نا؟"

دادی کے کہنے پہ قاسم نے زور زور سے سر ہلا کر دادی کی بات کی تائید کی۔ وہ مسکراتی ہوئی کچن کی جانب پلٹ گئی۔

پھر جب وہ ہاتھ میں فرنی کا باؤل لے کر واپس لاؤنج میں آئی، تو اپنے شوہر کے ساتھ کھڑے اس شخص کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ پہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ وہ اتنی ساکت ہو گئی کہ شاید سانس لینا بھی بھول گئی تھی۔

آنے والا شخص اب اس کی ساس سے گلے مل رہا تھا۔ اور پھر اس کا شوہر، اس پتھر ہوئی مورت کے قریب آ کر کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ میں موجود پیالے کو تھام کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ ہاتھ نہیں، وہ حوصلہ تھا جس کی اسے اس وقت بے حد ضرورت تھی۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں میں زندگی کی رمق ابھری۔ پتھر کی آنکھ میں پانی کے ننھے قطرے چمکنے لگے۔ اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا، اور تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

بیڈ پر گرتے ہی، اس نے اپنے چہرے کو تکیے میں چھپا لیا، اور شدت کے ساتھ رو پڑی۔ جانے کیوں، دل خوف اور ڈر سے بند ہوتا جا رہا تھا۔

چہرہ تکیے سے ہٹا کر، اس نے اپنے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

"وہ...... وہ ابھی تک لاؤنج میں ہی ہیں۔ وہ میرے پاس کیوں نہیں آ رہے؟"

بے بسی سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے دروازے کی طرف دیکھا، اور اگلے ہی لمحے، پھر سے چہرے کو تکیے میں چھپا کر رونے لگی۔ بے بسی تھی۔ خوف تھا۔ اور نا جانے کیسے اندیشے تھے۔ جو اس کے دامن سے لپٹے چلے آ رہے تھے۔

☆☆☆

ابھی دوپہر ٹھیک طرح سے ڈھل نہیں پائی تھی۔ ستمبر کے اوائل دنوں کی دھوپ میں ابھی بھی گرمی کی شدت ویسی کی ویسی تھی۔ دھوپ اب گھر کی دیواروں پہ بسیرا کیے ہوئے تھی۔ ایسے میں ڈور بیل پر ہونے والی تیز آواز نے ٹی وی کے سامنے بیٹھی زرکشا کو اچھا خاصا چونکا دیا۔

"ارے! اس وقت کون آ گیا ہے؟"

اس نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر صحن کے پار موجود دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

بیل ایک بار پھر اپنی تمام تر شدت سے بجنے لگی۔ زرکشا جو ابھی تک صوفے پر ہی بیٹھی تھی، اندر کمرے میں موجود صائمہ بیگم کا سراپا دروازے میں



Scanned with CamScanner

digest library.com

نمودار ہوا اور ساتھ ہی ان کی سرزنش بھری آواز گونجی۔

"بیل سنائی نہیں دے رہی کیا؟ کب سے بج رہی ہے۔"

زرکشا نے فوراً سے پہلے اپنے ہاتھ میں موجود ریموٹ سے ٹی وی کی آواز کو بند کیا۔ تو اسکرین پر چلتے کردار ایک دم خاموش ہو گئے۔

"اچھا، دیکھتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے پاس رکھے دوپٹے کو اٹھایا، جلدی سے اوڑھا، پیروں میں سلیپرز پہنے اور تیزی سے باہر کی جانب چلی۔

جہاں آنے والے نے اس بار بیل پر انگلی رکھ کر دوبارہ اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"او ہو! کیا ہو گیا ہے۔ اب کیا ہماری بیل ہی خراب کرنے کا ارادہ ہے؟"

زرکشا نے کہتے ہوئے تیزی سے دروازہ کھولا۔

سامنے ہی خالہ بتول کو دیکھتے ہی وہ فوراً دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ خشمگیں نظروں سے اُسے دیکھتی، خالہ بتول گھر میں وارد ہو چکی تھیں۔

"اتنی دیر سے بیل بجا رہی تھی، کہاں تھیں تم دونوں ماں بیٹی؟"

انہوں نے اپنے سر پر لی ہوئی چادر کو اتار کر بازو پر رکھتے ہوئے زرکشا سے سوال کیا۔

"وہ... خالہ میں ٹی وی دیکھ رہی تھی۔"

زرکشا نے ندامت سے جواب دیا۔

"اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ، تمہاری ماں کہاں ہے؟"

خالہ بتول نے اسے فوراً معاف کرتے ہوئے بات کا رخ بدلا۔

"اندر ہیں۔" زرکشا کہتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

اور صائمہ بیگم کو خالہ بتول کے آنے کی اطلاع دے کر اور خود ان کے لیے ٹھنڈا پانی لانے کچن کی طرف چل دی۔

جب وہ املی اور آلو بخارے کا شربت بنا کر لائی، خالہ بتول صائمہ بیگم کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔

"بس مت پوچھو، مجھے تو جیسے ہی اس رشتے کے بارے میں پتا چلا، میں نے فوراً ہی اپنی زرکشا کا نام لے ڈالا۔ رشتہ ہے بھی ایسا...... چھوٹی سی فیملی ہے، دو بیٹے اور ان کی ماں۔ چھوٹا بیٹا یہیں پڑھ رہا ہے، اور بڑا بیٹا لندن میں ہوتا ہے۔ بس ایک ہی شرط ہے ان کی لڑکی، شریف اور نیک ہو، جو آ کر ان کے گھر میں رونق اور خوشیاں بھر دے۔" خالہ بتول کہتے ہوئے اپنے قریب ٹرے تھامے کھڑی زرکشا کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگیں۔ اور پھر ٹرے سے گلاس اٹھا کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔ ایک ہی سانس میں شربت پی کر خالی گلاس زرکشا کی طرف بڑھایا، جو ابھی صائمہ بیگم کو دوسرا گلاس دے رہی تھی۔

"اور مزید شربت لے آؤ، زرکشا!"

صائمہ بیگم نے نرمی سے کہا اور گلاس میز پر رکھتے ہوئے دوبارہ خالہ بتول کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"خالہ! مجھے تو بہت ڈر لگتا ہے۔ ساری زندگی بیٹیوں کو مرغی کی طرح اپنے پروں تلے چھپا کر پالنے والی ماؤں کے دل بہت نازک ہوئے ہیں۔"

اور پھر میری تو ہے بھی ایک ہی بیٹی۔ بس میں چاہتی ہوں، اچھے لوگوں سے واسطہ پڑے، ورنہ آج کل تو لوگ اور ان کے حالات دیکھ کر دل ویسے ہی گھبراتا ہے۔" پتا ہے ناثمینہ کی بیٹی کے ساتھ کیا ہوا؟"

صائمہ بیگم کے لہجے میں افسردگی گھلی ہوئی تھی۔

"بس، کیا کہہ سکتے ہیں بیٹا! اس صدی میں بھی زمانہ جاہلیت والی سوچ ختم نہیں ہو سکی۔ اب بھلا بتاؤ، بیٹی یا بیٹا پیدا کرنا کیا عورت کے ہاتھ میں ہے؟ اولاد تو اللہ کی دین اور مرد کی قسمت ہوتی ہے۔ اور پھر کون سا اتنی بیٹیاں ہو گئی تھیں جو ساجد نے



Scanned with CamScanner

digest library.com

"اپنی کو ہسپتال سے ہی ماں باپ کے گھر بھجوا دیا، اور دو دن بعد طلاق نامہ بھی۔"

خالہ بتول کے لہجے میں اپنی بھانجی کے لیے دکھ اور غصہ جھلکنے لگا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، خالہ۔ اللہ سب کی بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔"

صائمہ بیگم نے دل سے کہا۔

خالہ بتول نے جلدی سے "آمین" کہا اور زرکشا کے ہاتھ سے دوسرا گلاس لے لیا۔

"اچھا بتاؤ، میں کب ان لوگوں کو آنے کا کہوں؟"

خالہ بتول نے صائمہ بیگم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جیسے آپ کو مناسب لگے خالہ! بس یہ دھیان رکھیے گا کہ لڑکا اچھا اور خاندان شریف ہو۔ بیٹی کو اس گھر رخصت کر دوں تو وہ سکون اور اطمینان سے اپنے گھر میں رہ سکے۔ باقی تو قسمت کے کھیل ہیں۔"

صائمہ بیگم نے گہری سانس لی، اور خالہ بتول نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور پھر صائمہ بیگم نے زرکشا کے انکار اور رونے کو نظر انداز کر کے لڑکے والوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے دی تھی۔ "تمہیں گھر سے رخصت تو کرنا ہے۔ رشتہ اگر اچھا ہے۔ تو دیکھے بنا انکار کرنا بے وقوفی ہے۔" صائمہ بیگم نے بیٹی سے کہا۔ تو زرکشا منہ بنا کر پھر سے اپنا سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

آج زرکشا کو دیکھنے کے لیے لڑکے والے آ رہے تھے۔

صائمہ بیگم نے تو آنے والے مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا چاہا، لیکن لڑکے والوں نے انہیں ہر طرح کے تکلف سے روک دیا۔

"بس آپ چائے کا انتظام کر لیجیے، یہی کافی ہے۔"

ثروت بیگم کے لہجے میں خلوص اور سادگی تھی۔

جانے کیوں، ان سے فون پر ایک آدھ بار بات ہونے کے بعد صائمہ بیگم قدرے مطمئن سی ہو گئی تھیں، اور ان کا یہ اطمینان ثروت بیگم سے ملاقات کے بعد پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ دھیمے لہجے میں بولنے والی ثروت بیگم کے چہرے پر ہر وقت ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھی رہتی تھی، اور زرکشا کو دیکھتے ہی یہ مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

"ماشاء اللہ! آپ کی بیٹی تو چاند کا ٹکڑا ہے۔"

زرکشا کو دیکھتی ثروت بیگم اپنی جگہ سے اٹھیں اور آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"خالہ بتول، آپ نے تو زرکشا کے بارے میں بتانے میں خاصی کنجوسی سے کام لیا ہے! ماشاء اللہ، یہ تو کوئی جنت کی حور لگتی ہے۔" بھول کر اس دنیا میں چلی آئی ہے۔"

ثروت بیگم تو تعریفوں کے پل باندھنے لگی تھیں۔

زرکشا کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ بھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے نظریں جھکا کر ماں سے اٹھنے کی اجازت طلب کی۔

صائمہ بیگم نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان کی اجازت پاتے ہی زرکشا اٹھنے ہی والی تھی کہ ثروت بیگم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ارے بیٹا، تم کہاں جا رہی ہو؟ ابھی تو بیٹھو۔"

انہوں نے زرکشا کو واپس اپنی جگہ پر بٹھایا، اور اپنے پرس سے پانچ ہزار کے چار نوٹ نکال کر زرکشا کی مٹھی میں دبا دیے۔

"مجھے تو زرکشا اور یہ رشتہ منظور ہے۔ بس آپ کل ہی ہمارے گھر آ جائیے، ہمارا گھر اور جلیل کو دیکھ لیجیے۔ بلکہ میں ابھی آپ کی بات جلیل سے فون پر کروا دیتی ہوں۔ اور شادی کی تاریخ رکھتے ہی جلیل آ جائے گا۔ زرکشا تو اب میری بیٹی ہے — انکار مت کیجیے گا۔"



Scanned with CamScanner

digest.library.com

یہ کہتے ہوئے ثروت بیگم نے زرکشا کو ایک بار پھر محبت سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جما رہی ہیں"

صائمہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بات اگر زرکشا جیسی لڑکی کی ہو، تو ہتھیلی پر سرسوں بھی جمتی ہے اور بات بھی چٹ منگنی پٹ بیاہ پہ ٹھہرتی ہے۔"

ثروت بیگم کی بات پر صائمہ بیگم کے ساتھ خالہ بتول بھی ہنس پڑیں۔

☆☆☆

"مجھے تو رشتہ ہر لحاظ سے اچھا لگا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

رات کو کھانے کے دوران صائمہ بیگم نے بیٹے فیصل سے جلیل کے رشتے کے بارے میں پوچھا۔

"مجھے بھی رشتہ اچھا لگا... لیکن امی! ثمرہ اپنے بھائی کے لیے زرکشا کا رشتہ۔"

فیصل کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ جیسے ہی اس کی نظریں ماں کے چہرے پر پڑیں، اس نے خاموش ہو جانا ہی بہتر جانا۔

..."یہ بات دوبارہ مت کرنا، فیصل! رشتے یوں ہی نہیں جڑ جایا کرتے۔ بہت ساری باتوں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اور ثمرہ۔"

صائمہ بیگم نے خفگی سے سر جھٹکا۔

شادی کے فقط ایک ماہ بعد ہی ثمرہ، فیصل کے ساتھ الگ گھر میں شفٹ ہو چکی تھی۔ فیصل، بیوی کی اداؤں کا ایسا دیوانہ ہوا تھا کہ اس نے گھر چھوڑنے سے پہلے ایک بار بھی نہ اپنی بیوہ ماں کا سوچا نہ چھوٹی بہن زرکشا کا۔

صائمہ بیگم نے بھی روایتی ساسوں کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ اگر بہو الگ گھر میں رہنا چاہتی تھی اور بیٹا اس کا ہم خیال بن گیا تھا تو انہوں نے خوش دلی سے اجازت دے دی۔

ان تین سالوں میں، ثمرہ فقط حسن کی پیدائش کے دو ماہ بعد ہی اس گھر میں آئی تھی۔ پوتے سے ملنے کی خواہش کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو، صائمہ بیگم کبھی اس سے ملنے خود نہیں گئی تھیں۔ لیکن ایک دن دل کچھ ایسا مچلا کہ زرکشا کو ساتھ لے کر بیٹے کے گھر چلی آئیں۔

دروازہ کھلنے پر، سر جھاڑ، منہ پھاڑ حلیے میں موجود ثمرہ نے آنکھیں ملتے ہوئے پہلے حیرت سے اور پھر قدرے بےزاری سے ساس اور نند کی طرف دیکھا اور بے دلی سے ان کا راستہ چھوڑ کر اندر آنے کا کہا۔ صائمہ بیگم بیٹی کا ہاتھ تھامے اس کے عقب میں لاؤنج تک آ گئی تھیں۔

"اس وقت کون کسی کے گھر آتا ہے؟"

ثمرہ نے منہ بنا کر سامنے دیوار پر لگے وال کلاک کی طرف دیکھا، اور پھر انہیں سامنے صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود سامنے کمرے میں چلی گئی۔

"امی....."

زرکشا نے رندھی ہوئی آواز میں ماں کو دیکھا۔ شرمندگی سے صائمہ بیگم کا سر اور جھک گیا تھا۔

"ہم شاید غلط وقت پر آ گئے..." صائمہ بیگم نے آہستگی سے کہہ کر صوفے پر بیٹھنے کی جگہ لی۔

پھر اگلے آدھے گھنٹے تک وہ دونوں ماں بیٹی لاؤنج میں خاموشی سے بیٹھی، ثمرہ کے بند کمرے کے دروازے کو تکتی رہیں۔

"امی! میں کبھی بھی ایسی بہو نہیں بنوں گی۔ ماں تو ماں ہوتی ہے نا، پھر وہ چاہے اپنی ماں ہو یا شوہر کی۔"

زرکشا کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ صائمہ بیگم نے بیٹی کو اپنے ساتھ لگا کر اس کی پشت کو سہلایا۔ کو اثبات میں ہلایا تھا۔

"امی، ثمرہ بہت محبت سے زرکشا کا رشتہ مانگ رہی ہے۔"

بیٹے کی آواز نے صائمہ بیگم کو ماضی سے حال میں کھینچ لیا۔

"اچھا۔ میری طرف سے ثمرہ کا شکریہ ادا کر دینا۔"



Scanned with CamScanner

digest-library.com

صائمہ بیگم نے بات کو نپٹایا۔
"لیکن امی! اگر۔۔۔"
فیصل نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ صائمہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرادیا۔
"میں تمہاری بیوی کی ناراضی کے ڈر سے زرکشا کا ہاتھ اس کے بھائی کے ہاتھ میں نہیں تھما سکتی، فیصل۔ یہ تمہارا 'ہیڈک' ہے، تم" خود ہینڈل کرو۔"
صائمہ بیگم کا لہجہ دو ٹوک تھا، ان کے اس لہجے نے فیصل کے نوالے کو حلق سے نیچے اتارنا مشکل کر دیا تھا۔
لیکن شاید پہلی بار، صائمہ بیگم کو بیٹی کی خوشی اور سکون باقی سب رشتوں پر مقدم محسوس ہوا۔ صائمہ بیگم نے تین چار بار جلیل سے ویڈیو پہ بات کی۔ باقی سب ٹھیک تھا۔ لیکن زرکشا کی خوب صورتی کے سامنے جلیل شکل وصورت میں بہت کم تھا۔ لیکن ہر چیز بہترین ملے، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ شکل وصورت کے علاوہ یہ رشتہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔
یوں ایک ہفتے کے اندر زرکشا کا رشتہ جلیل کے ساتھ طے ہو گیا۔ ثروت بیگم، صائمہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود زرکشا کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر، شادی کی تاریخ لے کر اٹھیں۔ حالانکہ صائمہ بیگم تو خود تذبذب کا شکار تھیں۔۔۔ بیٹی کی شادی کی تیاریاں اتنی آسان کہاں تھیں۔
مگر ثروت بیگم نے پُرخلوص انداز میں کہا،
"آپ نے ہمیں زرکشا دے دی، آپ کسی بھی طرح کی فکر نہ کریں، سب انتظامات ہم کرلیں گے۔"
ثروت بیگم کے لہجے کی سچائی اور سادگی نے صائمہ بیگم کی آنکھیں نم کر دی تھیں۔
"آج کے دور میں ایسے مخلص اور سادہ مزاج لوگ کہاں ملتے ہیں۔۔۔"
زرکشا کی اچھی قسمت کی معترف ہوتی، صائمہ بیگم نے کئی سرخ نوٹ زرکشا کے سر سے وار کر کام والی کو تھما دیے۔ مگر دوسری جانب، ثمرہ کا موڈ بری طرح خراب تھا۔
"یہ سب ڈھکوسلا ہے، دکھاوا ہے۔ یہ لوگ زرکشا کی خوب صورتی پر فدا ہو رہے ہیں۔ شادی ہونے دیں، پھر یہی لوگ گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیں گے۔ اور پھر آنٹی، وٹے جو بچھتانا ہے نا، اس کا حساب ابھی سے شروع کر دیں۔"
ثمرہ نے حسن کو اپنی گود سے اتارتے ہوئے تلخی سے کہا۔
"اللہ نہ کرے! خوشی کے موقع پر تو کچھ اچھا بول لو۔" صائمہ بیگم نے دھیرے سے بہو کو ٹوکا۔
"میں تو ٹھیک ہی بات کر رہی ہوں۔ وہ الگ بات ہے کہ آپ کو میری بات ابھی سمجھ نہیں آ رہی۔"
"خود سوچیں جلیل اور زرکشا کا جوڑ ہی کیا ہے؟ جلیل کا رنگ۔ شکل صورت، کچھ بھی تو۔"
"فضول باتیں مت کیا کرو۔ ضروری نہیں کہ انسان صرف شکل کی کیسوں پر بات کی جائے۔ کچھ اچھائیاں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ مجھے یہ رشتہ دل و جان سے قبول ہے اور میری بیٹی کو بھی۔ اس لیے اب کوئی بھی فضول بات منہ سے مت نکالنا، یہی بہتر ہوگا۔"
صائمہ بیگم نے کہا تو ان کی بات پر ثمرہ نے بےزاری سے منہ بنایا۔ اور شوہر کی طرف دیکھا۔
بیوی کا اشارہ ملتے ہی فیصل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ صائمہ بیگم نے حیرت بھری نظروں سے بیٹے کو دیکھا اور سر جھٹک کر تسبیح کی جانب متوجہ ہو گئیں۔
..."بھابھی! آپ لوگ چائے تو پی لیں"
زرکشا ان کے راستے میں آتے ہوئے نرمی سے بولی۔
"میں تو نہیں رکنے والی۔ ہاں، اگر تمہارے بھائی رکیں تو روک لو" ثمرہ کا انداز لٹھ مار سا تھا۔
"اور ویسے بھی، آنٹی کو تو میرا بولنا ہی برا لگتا ہے۔ بہتر ہے میں اپنے گھر ہی چلی جاؤں۔۔۔ اور پلیز! تم ذرا ایڈ راسے کم ہی کیا کرو۔"



Scanned with CamScanner

"اگر واقعی بھائی اور بھابھی کی اتنی پرواہ ہوتی، تو تم نے میرے بھائی کے رشتے کو بھی انکار نہ کیا ہوتا۔" اس نے زہر بھرے لہجے میں بات جاری رکھی۔ "مان لیا تمہارے جلیل جیسا پیسے والا نہیں ہے میرا بھائی، لیکن شکل و صورت میں تو جلیل اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ خیر، اب کہنا ہی فضول ہے۔ تمہیں اور آنٹی کو جو ٹھیک لگا، وہی تم لوگوں نے کر لیا۔"

پھر وہ بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"اب، معصوم سی صورت بنا کر اپنے بھائی کے سامنے فکر مندی اور محبت کا ڈرامہ مت کرو۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی گود میں سوئے حسن کو فیصل کی طرف بڑھایا، اور پاؤں پٹختی دروازے سے باہر نکل گئی۔

"اچھا زرکشا، ثمرہ کی باتوں کو دل پر مت لینا۔" فیصل نے نرمی سے کہا۔

"امی نے بھی تو بہو کی بات کا لحاظ کیے بغیر تمہارا رشتہ غیر لوگوں میں کر دیا ہے، اسی لیے تمہاری بھابھی کا موڈ آف ہے۔ لیکن وہ" دل کی بری نہیں ہے۔ چند دن میں مان جائے گی۔

اس نے زرکشا کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔ بھائی اور بھابھی کے جانے کے بعد زرکشا نے گیٹ بند کیا اور کمرے میں آ کر منہ بنا کر ماں کے قریب آ بیٹھی۔

"امی، بھابھی اس موقع پر بھی ناراض ہو کر اپنے گھر چلی گئی ہیں۔"

زرکشا کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ اس نے ماں کی گود میں سر رکھ دیا۔ صائمہ بیگم نے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ سکتی ہوں زرکشا... بیوی کو سمجھانے کے بجائے فیصل ہمیشہ اس کی سائیڈ لیتا ہے۔ بہن کی خوشیوں سے زیادہ اسے بیوی" کی ناراضی کی پرواہ ہے۔ جانے یہ فیصل کس پر گیا ہے، ورنہ خاندان میں دور دور تک کوئی ایسا زن مرید نہیں نکلا۔"

ان کے آخری جملے پر زرکشا کی ہنسی نکل گئی۔

"ہمیشہ خوش رہو، میری جان، میری گڑیا"

انہوں نے بے اختیار اس کے خوب صورت چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اس کے ماتھے پر محبت سے بوسہ دیا۔

"امی، میں بھی ثروت آنٹی کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کروں گی، جیسا ثمرہ بھابھی آپ کے ساتھ کرتی ہیں۔ مائیں اتنی مشکل سے اپنے بیٹوں کو پالتی ہیں، تو کیا ان کا اتنا حق بھی نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ رہ سکیں۔"

زرکشا نے اٹھ کر فکر مندی سے کہا۔

"امی، میری شادی کے بعد آپ کیا کریں گی؟"

صائمہ بیگم نے مسکرا کر اس کے ہاتھ کو تھاما۔

"اللہ مالک ہے بیٹا! تم میری فکر مت کرو۔ برسوں کا ساتھ ہے، محلے والے، دوست، کوئی نہ کوئی آتا رہتا ہے۔ بس میری دعا ہے تمہیں اپنے گھر میں اتنی خوشیاں اور سکون ملے کہ تمہیں کبھی بھائی، بھابھی کے در کو کھٹکھٹانا نہ پڑے۔"

زرکشا ماں کے گرد اپنی بانہیں ڈال کر ان سے لپٹ گئی۔

"ماں کو چھوڑ کر، اپنے گھر کو چھوڑ کر جانا آیہ کسی بھی بیٹی کے لیے آسان کب ہوتا ہے؟ لیکن یہ تو ازلوں سے چلتی ایک ریت ہے، جسے ہر ماں باپ ادا کرتے ہیں اور ہر بیٹی نبھاتی ہے۔"

زرکشا بھی اپنا فرض سمجھ کر رخصت ہوئی تھی اور یوں وہ جلیل کے ساتھ اس کے گھر اور زندگی میں پہلا قدم رکھ چکی تھی۔

☆☆☆

جب سے وہ رخصت ہو کر آئی تھی، رسموں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا، جو بمشکل اب ختم ہوا تھا۔

"شکر ہے امی! آپ نے خود ہی ان فضول رسموں کے خاتمے کا اعلان کر دیا، ورنہ مجھے ہی کچھ کہنا

digestlibrary.com



Scanned with CamScanner

پڑتا تھا۔"
دولہا بنے جلیل نے قدرے بے زاری سے ناں سے کہا۔
"یہ تو بس وقت کا ضیاع ہے اور کچھ نہیں۔ میں تو جب سے آیا ہوں، حیران ہو رہا ہوں۔ یہاں تو وقت ضائع کرنا جیسے فخر کی بات ہو۔" جلیل نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے ہلکے طنز سے کہا۔
"وہاں تو ایک ایک لمحہ یوں سنبھال کر استعمال کرتے ہیں کہ ہر پل کوئی فائدہ دے جائے۔ اور یہاں۔" جلیل کا لہجہ طنزیہ تھا۔
"بس کرو بھئی، بڑے آئے انگریزوں کے حمایتی۔" ثروت بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔
"چلو، ہاجرہ اور صبا! زرکشا کو سہارا دے کر کمرے میں لے جاؤ، بے چاری کب سے سر جھکائے بیٹھی ہے، گردن میں درد ہو جائے گا۔"
وہ دونوں اسے لے کر کمرے میں آ گئیں۔
"بھابھی، قسم سے آپ اتنی خوب صورت لگ رہی ہیں، جلیل بھائی تو آپ کو دیکھتے ہی دل و جان سے فدا ہو جائیں گے۔"
ہاجرہ نے زرکشا کے لہنگے کو احتیاط سے بیڈ پر پھیلاتے ہوئے کہا۔
زرکشا نے شرما کر دوبارہ سر جھکا لیا۔
"بھابھی! آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟"
صبا نے پوچھا، مگر زرکشا نے نرمی سے انکار میں سر ہلا دیا۔
"میں آپ کے لیے کچھ لے کر آتی ہوں، تب تک آپ آرام سے بیٹھیں۔"
صبا نے ہاجرہ کو اشارہ کیا اور دونوں باہر چلی گئیں۔
کمرے میں تنہا ہوتے ہی زرکشا نے گہرا سانس لیا۔ اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کمرہ سرخ پھولوں سے سجا ہوا تھا، جہیز کا سامان قرینے سے رکھا گیا تھا، ہر چیز خوش سلیقگی کی گواہی دے رہی تھی۔
ابھی وہ ان سب کو ستائشی نظروں سے دیکھ ہی رہی تھی کہ دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ تو زرکشا نے جلدی سے اپنا سر جھکا لیا۔
"ارے بھابھی! جلیل بھائی نہیں، میں ہوں۔"
جلیل کی ماموں زاد صبا ہنستے ہوئے اندر آئی اور زرکشا کے سامنے چائے کی ٹرے رکھ دی۔
"شکریہ۔"
زرکشا نے نرمی سے کہا اور چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ کچھ ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد زرکشا نے چائے ختم کی، تو صبا فوراً کھڑی ہوگئی۔
"بھابھی، ذرا آرام سے بیٹھیں، تھک گئی ہوں گی۔ ویسے بھی جلیل بھائی آپ کو دیکھ کر ہوش کھو بیٹھیں گے۔"
صبا، ہنستی ہوئی باہر چلی گئی۔
ابھی بمشکل دس منٹ گزرے تھے کہ دروازے پر دوبارہ آہٹ ہوئی۔ زرکشا جو نیم غنودگی میں جا رہی تھی، فوراً سنبھل کر سیدھی ہوئی اور دوپٹے کا پلو سرکا کر چہرہ چھپا لیا۔ دروازہ کھلا اور جلیل اندر آیا۔
"عجیب لوگ ہیں یہاں! وقت کی قدر کرنا تو جیسے گناہ ہو" جلیل بڑبڑاتا ہوا زرکشا کے پاس آ بیٹھا۔
کیا یار! اب ان فضول حرکتوں کی کسر رہ گئی تھی؟ سب نے دیکھ لیا تمہیں، سب نے تعریفیں بھی کرلیں۔ اب گھونگھٹ نکال کر"! ایسے بیٹھی ہو جیسے یہ سجا ہوا وجود صرف میرے لیے سجا ہو۔
جلیل نے کہتے ہوئے جھٹ سے زرکشا کا دوپٹا اٹھایا، اور پھر... جیسے وہ رک گیا ہو۔
زرکشا کے چہرے پر وہ معصومیت تھی جو اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔
جلیل جو کچھ لمحے پہلے بول رہا تھا۔ اب اس کے لب ایک دوسرے سے جڑے تھے۔
گھڑی کی ٹک ٹک، اس کمرے کی خاموشی میں صاف سنائی دے رہی تھی۔


digest library.com
Scanned with CamScanner

زرکشا کے لیے، مزید جھکی گردن اور جلیل کی خاموش موجودگی کو سہنا مشکل ہو چکا تھا۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور جلیل کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، بالکل ساکت۔ زرکشا کو یکایک گھبراہٹ ہونے لگی۔ جلیل کی نگاہیں، زرکشا کی متوحش آنکھوں سے ٹکرائیں۔ کانچ جیسی بھوری آنکھوں میں جلیل نے اپنا عکس دیکھا۔۔۔ اور پھر بنا کچھ کہے وہ اٹھا، دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ زرکشا حیرت زدہ رہ گئی۔

اب اس کے جسم میں اتنی تھکن اتر چکی تھی کہ جلیل کے رویے پر کچھ سوچنے کی ہمت باقی نہ رہی۔

ایک گہرا سانس لے کر اس نے اپنے تنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا اور بیڈ کے کنارے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

آنکھیں بند ہوتے ہی نیند کی دیوی نے اسے اپنی نرم بانہوں میں لے لیا۔

☆☆☆

"مجھے بیوی چاہیے تھی، مورتی نہیں۔"

جلیل سیدھا ثروت بیگم کے کمرے میں آیا۔

اسے یوں آتا دیکھ کر ثروت بیگم جو سونے کی تیاری میں تھیں، فوراً گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔

"کیا ہوا، جلیل؟" انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

"آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟"

وہ شکایت بھرے لہجے میں بولا اور ماں کے قریب آ بیٹھا۔

"کیا کیا ہے میں نے؟ اور تم اس وقت کمرے میں کیوں نہیں ہو؟ لوگ باتیں بنائیں گے۔"

ثروت بیگم کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"لوگوں کی نہیں، امی! مجھے اپنی زندگی کی فکر ہے۔"

جلیل کی آواز بلند ہو گئی۔

اس دوران، احمک جو پانی لینے آیا تھا، کھلے دروازے سے سب سن کر اندر آ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

جلیل نے چھوٹے بھائی کو جھاڑا، تو وہ خاموشی سے لوٹ گیا۔

"امی، میں بہت گھبرا رہا ہوں"

جلیل کا لہجہ ٹوٹنے لگا۔ "اتنی چھوٹی اور معصوم لڑکی کو میرے پلے باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے مناسب شکل و صورت والی بیوی چاہیے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" ثروت بیگم کو جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"امی، مجھے بیوی چاہیے تھی، مورتی نہیں۔ ایسی لڑکی جس کے ساتھ میں اپنی زندگی بانٹ سکوں، نا کہ جس کی صرف حفاظت" کرتے رہنے کا بوجھ میرے کندھوں پہ ہو۔

"جب میں نے فیصلہ آپ پہ چھوڑا تو آپ کو میری پسند کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ اگر میں نے ایک بار زرکشا کی تصویر دیکھ لی ہوتی تو میں کبھی اس رشتے کے لیے ہاں نہ کرتا۔"

جلیل کے لہجے میں واقعی پچھتاوا تھا۔

"تم عجیب انسان ہو جلیل" ثروت بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ "اتنی حسین، اتنی سلیقہ مند لڑکی تمہیں مل گئی ۔۔۔ اور تم اسے 'مورتی' کہہ رہے ہو؟ میں نے زرکشا کو تمہارے لیے صرف اس کی خوب صورتی کی وجہ سے نہیں چنا، بلکہ اس کی شرافت، اس کے مزاج، اس کی تربیت، اور اس کی ماں پر بھروسا کر کے اسے اپنی بہو بنایا ہے۔

"وہ جتنی خوب صورت ہے، اتنی ہی خوب سیرت بھی ہے۔" جلیل نے تیزی سے ہاتھ اٹھا کر ماں کو مزید بولنے سے روک دیا۔

"امی، آپ بھی میری طرح دھوکا کھا گئی ہیں۔ یہ لڑکی صرف میرے پیسے اور گرین کارڈ سے لالچ میں یہاں آئی ہے۔ ورنہ آپ خود سوچیں۔"

کیا اس کی اور میری جوڑی بن سکتی ہے؟ میں

digest library.com

ایک نارمل صورت کا سادہ سا انسان ہوں، اور وہ دیکھیں ——اتنی سفید، دودھ جیسی، گوری چمکتی ہوئی، جس کا ہر نقش ونگار جیسے قدرت نے بڑی محبت سے تراشا ہوا اور وہ مجھ سے آٹھ نو سال چھوٹی ہے، امی تو پھر یہ ثابت ہو چکا ہے ہماری شرافت یا اچھائی دیکھ کر یہ رشتہ نہیں کیا گیا۔ دیکھ لینا آپ جب میں دو ماہ کے بعد واپس جاؤں گا پیچھے سے یہ سب کچھ سمیٹ کر اس گھر سے رفو چکر ہو جائے گی پھر آپ کو میری بات پر بھی یقین آئے گا۔" جلیل نے پیش گوئی کی تھی۔

"ہر بات منفی طریقے سے مت سوچا کرو جلیل۔ میں نے تو جب زرکشا کو منگنی کی گولڈ کی رنگ پہنائی تھی تو تب صائمہ نے مجھے بہت منع کیا تھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب شادی کی تاریخ لینے کے لیے گئی تو ساری چیزیں صائمہ نے میرے سامنے لا کر رکھ دی تھیں۔ جو میں نے زرکشا کو دی تھیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ایسی باتیں کر کے خود کو اور مجھے پریشان مت کرو۔" ثروت بیگم نے کہا اور ساتھ ٹیبل پہ پڑے جگ سے پانی انڈیل کر گلاس منہ سے لگا لیا۔

"آپ میری بات نہیں مان رہیں نا دیکھ لیجیے گا ایسے ہی ہوگا۔" جلیل کہتا ہوا بیڈ پہ دراز ہوا۔ اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا۔"

اور ثروت بیگم پریشانی سے باقی کی ساری رات بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے ہولتی رہیں۔

☆☆☆

صبح جس وقت زرکشا کی آنکھ کھلی۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ کہاں ہے۔

غائب دماغی سے وہ آنکھیں کھولے ادھر ادھر دیکھتی اٹھ بیٹھی۔ سامنے لگے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ایک لمبی سی جمائی لی اس نے انگڑائی لی۔ تو کلائی کی چوڑیوں نے چھن

چھن کرتے ہوئے اس کے سوئے ہوئے حواس کو جگایا۔ اس کے اعصاب جھٹکے سے بیدار ہوئے تھے رات کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا

تو وہ ذرا سا خود میں سمٹ گئی۔

"ابھی تک سو رہی ہو چینج بھی نہیں کیا تم نے۔"

جلیل کہتا ہوا اس کے پاس بیڈ پہ آ بیٹھا

"وہ میں۔" زرکشا گھبرائی ہوئی خود میں سمٹی۔

"ٹھیک ہے باقی باتیں بعد میں، پہلے تم چینج کر کے آؤ۔" جلیل نے جلدی جلدی میں کہتے ہوئے زرکشا کے لہنگے اور جیولری کی طرف اشارہ کیا۔

"جی اچھا۔" زرکشا نے آہستگی سے کہا جس وقت وہ چینج اور فریش ہونے کے بعد کمرے میں واپس آئی۔ تو اس کے کمرے میں جلیل کے ساتھ ساتھ ثروت بیگم بھی موجود تھیں ثروت بیگم کو دیکھتے ہی زرکشا کو اپنے اندر تک سکون کا احساس اترتا ہوا محسوس ہوا۔

زرکشا نے انہیں سلام کیا اور ان کے پاس چلی آئی۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی ہو، سدا سہاگن رہو۔" ثروت بیگم کو اسے دیکھتے ہی جلیل کے سارے خدشات فضول محسوس ہونے لگے۔ "بیٹا، اپنے سارے زیورات مجھے دے دو۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔ اگر کوئی چیز ادھر ادھر ہو گئی تو ویسے ہی کوئی بدمزگی نہ ہو جائے۔ احتیاط کرنا ہی بہتر ہے۔"

جی آنٹی۔" زرکشا نے تابع داری سے سر کو اثبات میں ہلایا اور پھر الماری سے اپنے سسرال والوں کی طرف کے زیورات کے ساتھ اپنے۔ گھر کے زیورات۔ جو کہ دو سیٹ اور جلیل کی سونے کی انگوٹھی اور قیمتی گھڑی پر مشتمل تھے، ثروت بیگم کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"ارے بیٹا، یہ تو تم اپنے پاس رکھو۔" زرکشا نے لاپرواہی سے کہا، "نہیں آنٹی، آپ ہی رکھیں۔" اور کہہ کر اپنی کلائی میں موجود سونے چوڑیاں اتارنے لگی۔ ثروت بیگم نے جلیل کی طرف شکوہ بھری نظروں سے دیکھا۔

"جیتی رہو۔ میں تمہارے اور جلیل کے لیے



Scanned with CamScanner

digest library.com

ناشتہ کرنے میں بیج رہی ہوں۔ اس کے بعد تم جلیل کے ساتھ پارلر چلی جانا۔ اور جانے سے پہلے اپنی نظر اتار کر جانا، میری بیٹی کو کسی کی بھی بری نظر نہ لگے۔" ثروت بیگم نے کہتے ہوئے زرکشا کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

زرکشا شرماتے ہوئے اچانک جلیل کی طرف دیکھنے لگی، جو سنجیدگی سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جلیل کی سنجیدگی دیکھ کر زرکشا کا دل سہم گیا۔ ثروت بیگم کے کمرے سے جاتے ہی جلیل نے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھایا۔ تو اس نے آہستگی سے جلیل کے ہاتھ پر اپنا نرم ونازک ہاتھ رکھ دیا۔

"تم بہت خوب صورت ہو۔" جلیل کے لبوں سے بے اختیار یہ جملہ نکلا تھا۔ اس کی نظر زرکشا کے گلابی رخسار پر ٹھہری۔ زرکشا شرماتے ہوئے اپنا چہرہ جھکا گئی، تو جلیل نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

☆☆☆

زرکشا کسی شہزادی کی طرح جلیل احمد کے بازو میں بازو ڈال کر ہال میں داخل ہوئی۔ وہاں موجود سب ہی نگاہیں اس پر تھیں، جیسے وہ کوئی شہزادی ہو۔ جلیل احمد کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ ہال کے درمیانی راستے سے اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ انسانی فطرت ہے، تعریف کا ایک لفظ بھی اسے کسی شراب کی مانند مدہوش کر دیتا ہے۔ زرکشا بھی اسی جذبے کی کیفیت میں تھی۔

مووی والے نے آکر ان دونوں کے قدم روکے اور کہا۔

"آپ ذرا آگے آئیں اور اپنے ہاتھ کی چٹکی میں فراک کو تھوڑا ابھر کر گول گول گھومیں۔"

زرکشا نے فوراً جلیل کی طرف دیکھا، اور اس کی اجازت سے ویسا ہی کیا جیسا مووی والے نے کہا۔ اس نے اپنی گردن کو تھوڑا سا اوپر اٹھایا اور ہولے ہولے گھوم گئی، وہاں موجود لوگ مسحور ہو گئے تھے

ثروت بیگم کی بھابھی نے فوراً پوچھا، "ثروت تمہاری بہو کوئی اور بہن بھی ہے کیا؟" ثروت بیگم نے نفی میں سر ہلایا، تو کئی خواتین کے چہرے افسردگی سے بھر گئے۔

"یہ ایسا گوہر نایاب تم نے کہاں سے ڈھونڈا ہے؟" حسد بھری آواز میں ثروت بیگم کے کانوں میں گونجی۔

دھیرے سے مسکراتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئیں۔ اور اپنے پرس سے نوٹ نکال کر تیزی سے زرکشا کے سر پر وار دیے۔ صائمہ بیگم اسٹیج پر آئیں اور زرکشا کے پاس بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے اس سے "تم خوش ہو" پوچھنے لگیں۔ حالانکہ اس لیے زرکشا کی آنکھوں کی چمک اور چہرے پر موجود خوشی ہر دیکھنے والی آنکھ کو نظر آ رہی تھی، سوائے جلیل احمد کے۔

جلیل نے جب سے فوٹوگرافر کے اس جملے کو سنا تھا۔

"میں نے آج تک اتنی خوبصورت دلہن نہیں دیکھی۔" تب سے اس کا موڈ کسی حد تک بگڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"برائیڈل، پلیز ادھر دیکھیں"

فوٹوگرافر نے بارہا زرکشا کو پکارا۔ اس کے حسین چہرے کو بار بار کیمرے میں قید کیے جا رہا تھا، جلیل جھنجلا اٹھا۔

"بس کریں، ہمیں مزید تصویریں نہیں بنوانیں۔"

جلیل نے قدرے برہم لہجے میں مووی والے سے کہا۔

"لیکن سر، ابھی تو فنکشن شروع ہوا ہے۔"

مووی میکر نے نرمی سے جواب دیا۔ جلیل کے تیور دیکھتے ہوئے وہ فوراً اسٹیج سے پیچھے ہٹ گیا۔

یہ خوشی اور محبت سے بھرے لمحات جیسے تیزی سے گزر گئے۔ زرکشا مکلاوے کے لیے اپنے میکے واپس آ گئی۔ جلیل نے اس کے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا۔



Scanned with CamScanner

digest.library.com

"ہم کل اکٹھے ہی زرکشا کو لینے آئیں گے۔"

ثروت بیگم نے فیصلہ کن انداز میں کہا، تو صائمہ بیگم نے خاموشی سے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

☆☆☆

اگلے دن جب، ثروت بیگم اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ زرکشا کو لینے آئیں، جانے کیوں جاتے وقت زرکشا ماں کے گلے لگ کر رونے لگی۔

جلیل کی آنکھوں میں ناگواری ابھر آئی۔

"میں گاڑی میں جا کر بیٹھ رہا ہوں، امی آپ لوگ آجائیں۔"

اس نے سرد لہجے میں کہا، اور روتی ہوئی زرکشا پر ایک کٹیلی نظر ڈال کر کسی سے ملے بغیر دروازہ پار کر گیا۔

صائمہ بیگم جو بیٹی کو چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھیں، بیٹی کو چھوڑ کر جلیل کے پیچھے لپکیں، لیکن وہ تو کب کا جا چکا تھا۔

ثروت بیگم اور ابرک شرمندہ ہو گئے۔

"زرکشا کے رونے سے گھبرا گیا ہوگا، اس لیے چلا گیا"

ثروت بیگم نے نرمی سے کہا، لیکن ثمرہ کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔

ثروت بیگم اور ابرک کو افسوس ہوا، لیکن جلیل احمد جیسے الگ ہی دنیا میں رہ رہا تھا۔

ثمرہ نے مسکرا کر ثروت بیگم کی طرف دیکھا۔ جن کی توجہ اب روتی ہوئی زرکشا کی طرف تھی، جو جلیل کے خوف سے اپنے چہرے پر بکھرے آنسو ٹشو سے جلدی جلدی صاف کر رہی تھی۔

"چلیں" ثروت بیگم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

زرکشا نے آہستہ سے سر ہلایا۔ وہ صائمہ بیگم سے اجازت لے کر گاڑی میں جا بیٹھی، جہاں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا جلیل چہرے پر دنیا بھر کی بے زاری سجائے ان تینوں کا منتظر تھا۔

ان کے بیٹھتے ہی جلیل نے تیزی سے گاڑی کو مین سڑک پر ڈال دیا۔

"ارے بھابھی، آپ یقین کریں جلیل بھائی اتنے غصے والے نہیں جتنا ظاہر کرتے ہیں۔ اور ویسے بھی، میں اور امی بھی تو ہیں۔ آپ کو "اپنے گھر کی یاد بالکل نہیں آئے گی۔"

فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ابرک نے کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی زرکشا سے کہا۔

"اس سے پہلے کہ زرکشا کچھ کہتی، جلیل نے ڈپٹ کر کہا، "سیدھا ہو کر بیٹھو۔"

ابرک منہ بناتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"ہر وقت غصے میں رہنا بھی اچھی بات نہیں۔"

ثروت بیگم نے جلیل کی طرف دیکھ کر ناراض ہوتے ہوئے اُسے ٹوکا۔

اور پھر وقتی طور پر خاموش رہنا بہتر جانا۔ انہوں نے دل میں یہ ارادہ کرتے ہوئے کہ بعد میں دونوں بیٹوں کو الگ سے سمجھائیں گی۔ فی الحال وہ زرکشا کی طرف متوجہ ہو گئیں، جو شرم و حیا سے جھکی نظریں لیے ان سے باتوں میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

زرکشا لباس تبدیل کرنے کے بعد بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے اپنی جگہ آ کر بیٹھی، اس نے ایک ہاتھ سے جوڑے کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے منہ میں دبے کلپ کیچر کو نکال کر بالوں میں لگا دیا۔ جیسے ہی وہ پرسکون ہو کر بیٹھی، سامنے بیٹھے جلیل کو مسلسل اپنی طرف دیکھتے پایا۔ وہ اچانک کچھ الجھ سی گئی۔

جلیل نے اپنے ہاتھ میں موجود فون کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پوری توجہ زرکشا کی طرف مبذول کر دی۔

"یہ تم اپنی امی کے گھر سے آتے ہوئے اتنا کیوں رو رہی تھیں؟"

اس کے لہجے میں صرف سوال نہیں تھا، بلکہ کوئی زہریلا سا شک تھا۔ یوں جیسے الفاظ نہیں، تیزاب برس رہا ہو۔

..."وہ... میں، امی سے"



Scanned with CamScanner

digest.library.com

"ہاں کے لیے تو اتنا کوئی نہیں رو دتا۔"

جلیل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔ "کسی اور کے لیے رو رہی تھیں۔ نا؟"

زرکشا کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک ابھری۔ اسے جلیل سے اس قسم کے سوال کی توقع نہیں تھی، لیکن شاید جلیل کو زرکشا سے یہی امید تھی۔ اسی لیے تو اس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"جی؟" زرکشا کے لہجے میں حیرانی ہی حیرانی تھی۔

"!اوہ مائی گاڈ"

جلیل نے ہنستے ہوئے طنز کیا۔ "کتنی معصومیت سے 'جی' کہا ہے۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ تمہارے اس 'جی' پر قربان ہو جاؤں۔ لیکن میں "ان مردوں میں سے نہیں جو عورت کا چہرہ دیکھ کر اس کی باقی خامیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔" اس نے گردن کو ہلکا سا جھٹکا دے کر بات جاری رکھی۔

سچ سچ بتاؤ، تم کسی اور کے لیے رو رہی تھی نا؟ وہی جس سے تم شادی کرنا چاہتی تھیں، لیکن تمہاری ماں نے میری دولت اور گرین" کارڈ دیکھ کر تمہاری سو کالڈ محبت کو روند ڈالا اور تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ یہی سچ ہے نا؟"

زرکشا کا چہرہ اس کی بات سنتے ہی زرد پڑ گیا۔ وہ ششدر تھی۔

"!تم عورتیں ہوتی ہی ایسی ہو! لالچی، جھوٹی۔"

جلیل کی آواز بلند ہو گئی۔

"تم جیسی خوب صورت عورتیں جوانی سے لے کر ڈھلتی عمر تک غیر مردوں سے اپنے حسن کے قصیدے سننے میں فخر محسوس کرتی ہو۔ پھر بھی محبت کے نام پر بے وقوف بناتی ہو، کبھی کسی اور بہانے سے۔" زرکشا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے... سچ میں... امی اکیلی رہتی ہیں، بھائی اور بھابھی الگ گھر میں ہیں... تو وہ خیال کیا اور رو دی تھی۔"

اس کے لہجے میں دکھ کی شدت تھی۔ لیکن جلیل کے چہرے پر لکھا تھا: "جانے دو، یہ باتیں کسی اور کو سنانا۔"

زرکشا کے کان سرخ ہو چکے تھے، آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے تھے۔ ناک سرخ ہو گئی تھی۔ اور اس کی گردن پر موجود سبز رگیں ضبط کے باعث ابھر آئی تھیں۔

جلیل نے آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور اس کی گردن پر ابھری رگوں پر انگلیاں پھیریں۔ زرکشا گھبرا کر پیچھے ہٹی، لیکن جلیل نے اپنے ہاتھوں کی نرمی کے لبادے میں چھپی سختی سے اس کی گردن کو تھام لیا۔

"مجھے دھوکا دینے کا سوچنا بھی مت۔"

اس نے سرگوشی نما دھمکی دی۔

"ورنہ میں تمہارا وہ حال کروں گا کہ تمہاری سانسیں بھی رک جائیں گے۔"

اس کے ہاتھ کی گرفت زرکشا کی گردن پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔ زرکشا کو سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے جلیل کا ہاتھ پیچھے کرنے کی کوشش کی۔

"!میری... میری بات سنیں" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"سناؤ لیکن سچ جھوٹ بالکل نہیں۔"

زرکشا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ لیکن جلیل کی آنکھوں میں کوئی نرمی نہیں تھی

"تم نے میری بات سمجھ لی۔"

جلیل اپنا چہرہ زرکشا کے چہرے کے بالکل قریب لا کر دھاڑا۔

زرکشا نے خوف سے اپنی آنکھیں زور سے بند کر لیں اور سر کو تیزی سے ہلاتے ہوئے ہاں کہا۔

"!ویری گڈ" جلیل نے طنزیہ انداز میں کہا اور اس کی گردن کو جھٹکے سے چھوڑ دیا۔ زرکشا لڑکھڑاتی ہوئی بیڈ پر گر گئی۔

پھر سہم کر فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، اور متوحش

digest library.com

نظروں سے جلیل کی طرف دیکھنے لگی۔

"اب رونا نہیں۔"

جلیل نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"مجھے روتی ہوئی عورتیں بالکل پسند نہیں۔"

زرکشا نے فوراً اپنے آنسو پونچھے، اور ایک بار پھر ڈرتے ڈرتے جلیل کی سمت دیکھا۔

"گڈ نائٹ۔"

جلیل نے مختصر سا کہتے ہوئے زرکشا کی طرف نظر ڈالی اور اوراپنی جگہ لیٹ کر کروٹ بدل لی۔

زرکشا نے آہستگی سے اس کی پشت کی طرف نظریں اٹھائیں، پھر لیٹ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر آہستہ آہستہ رونے لگی۔ اور نہ جانے کب، اسی خاموش گریہ کے عالم میں نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

☆☆☆

"اٹھ گئی میری بیٹی!"

جیسے ہی زرکشا اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں آئی، جلیل اور ابرک کے لیے ناشتہ بناتی ہوئی ثروت بیگم نے اپنے بازو پھیلا دیے۔

زرکشا فوراً ان کی مہربان آغوش میں سما گئی۔

"امی! تھوڑی سی محبت میری بیوی کے لیے بھی سنبھال کر رکھ لیں۔"

ابرک نے خستہ پراٹھے کا ٹکڑا توڑتے ہوئے شوخی سے کہا۔

ثروت بیگم نے مصنوعی ناراضی سے اسے گھورا۔

"جب تمہاری بیوی آئے گی، تب دیکھی جائے گی۔ ابھی تو تم میری اور میری بیٹی کی محبت کو نظر نہ لگاؤ۔"

پھر وہ زرکشا کی طرف متوجہ ہوئیں

"تم بیٹھو بیٹا، میں تمہارے لیے ناشتہ بناتی ہوں۔"

زرکشا کچھ بولتی، اس سے پہلے ہی جلیل نے حکم صادر کر دیا

"چلو زرکشا، تم خود ناشتہ بناؤ... بلکہ سب کے لیے بناؤ۔"

زرکشا نے سر جھکا کر اثبات میں سر ہلایا اور آٹے کا پیڑا اٹھانے ہی لگی تھی کہ ثروت بیگم نے اس کے ہاتھ سے پیڑا لے لیا اور پلٹ کر جلیل کو گھور کر دیکھا۔

"پہلی بات، زرکشا کی شادی کو ابھی چند ہی دن ہوئے ہیں، اور تم اُسے کچن میں لگا رہے ہو؟ اس کے ہاتھوں کی پہلی مہندی بھی۔" ابھی پوری اتری نہیں۔ اور دوسری بات، میں خود اپنی بہو کے ہاتھ سے پہلے میٹھا بنواؤں گی، پھر کسی کام کا کہوں گی۔"

ثروت بیگم نے پیار سے زرکشا کو چولہے کے قریب سے ہٹایا۔

"یہ دن تو تم دونوں کے گھومنے پھرنے کے ہیں۔ تو پھر... تم دونوں نے کہاں جانے کا پلان بنایا ہے؟"

انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے پہلے زرکشا اور پھر جلیل کی طرف دیکھا۔

جلیل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"ہم کہیں نہیں جا رہے۔"

"کیوں؟" ثروت بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا میں پاگل ہوں؟ آٹھ سال بعد لندن سے واپس آیا ہوں اور آپ چاہتی ہیں میں آپ کے ساتھ وقت گزارنے کے بجائے اس کے ساتھ سیر سپاٹے پر نکل جاؤں۔"

جلیل نے غصے سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا اور براہ راست اُن سے سوال کیا۔

ابرک فوراً بول پڑا

"بھائی، اس میں پاگل ہونے والی کیا بات ہے۔ دس بارہ دنوں کی تو بات ہے۔ آپ گھوم کر آ سکتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنا، کپلز میں تو یہی ہوتا ہے۔" اس نے زرکشا اور ثروت بیگم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔" اور جہاں



Scanned with CamScanner

تک میری اور امی کی بات ہے، تو ہماری طرف سے آپ دونوں کو مکمل اجازت ہے۔ جائیں انجوائے کریں ایک ساتھ اپنی زندگی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، ایک بازو کو ڈرامائی انداز میں فضا میں لہرایا، جیسے کسی اسٹیج ڈرامے کا اختتام ہو رہا ہو۔

ثروت بیگم کے ساتھ ساتھ زرکشا بھی اس کے انداز پر بے اختیار ہنس پڑی۔

مگر جلیل احمد نے جیسے ہی ایک کڑی چبھتی نگاہ زرکشا پر ڈالی، زرکشا کی ہنسی فوراً ہی سمٹ گئی۔

"تم زیادہ مت بولا کرو۔" جلیل نے ابرک کو جھڑک دیا

"اپنے کام سے کام رکھا کرو۔ بلکہ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔"

ابرک شرمندہ سا ہو کر چپ چاپ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم دونوں گھومنے پھرنے کے لیے مری ہی چلے جاؤ۔" ثروت بیگم نے کہا۔

"امی! آپ سکون سے ناشتہ کرنے دیں گی یا نہیں؟"

جلیل نے منہ بنا کر کہا، تو ثروت بیگم چپ ہو کر توے پر پڑے پراٹھے کو پلٹنے لگیں۔

پھر جلیل نے زرکشا کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اور تم نے سن لیا ہے نا، میں نے کیا کہا ہے۔ آج امی سے پوچھ کر جو بھی میٹھا بنتا ہے، وہ بناؤ۔ اور کل سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالو۔ میں یہاں آرام کرنے آیا ہوں، تمہارے بلاوجہ کے نخرے اٹھانے کے لیے نہیں آیا۔"

یہ کہتے ہوئے جلیل نے خستہ پراٹھے کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ زرکشا نے فرمانبرداری سے "اچھا" کہا اور ثروت بیگم کے قریب کھسک گئی۔

☆☆☆

زرکشا شام کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ سب سے پہلے اس نے کھیر تیار کر کے فریج میں رکھ دی، تاکہ وقت پر ٹھنڈی ہو کر اس کا ذائقہ دگنا ہو جائے۔ اب وہ آلو مٹر قیمہ اور یخنی والا پلاؤ بنانے میں مگن تھی۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کیے جا رہی تھی۔

مگر کچن کے باہر بیٹھے جلیل احمد کا مزاج بگڑا ہوا تھا۔

"مجھے تمہارا رویہ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا، جلیل!"

ثروت بیگم نے سنجیدگی سے کہا، "زرکشا کو بیٹی بنا کر اس گھر میں لائی ہوں۔ اور ہر ماں کی طرح میرا بھی خواب ہے کہ اُس کو اہمیت دی جائے۔ اُس کے لاڈ اٹھائے جائیں۔ لیکن تم نے اُسے صرف چار دن بعد ہی کچن میں کھڑا کر دیا بیٹا! یہی تو دن ہوتے ہیں بننے سنورنے کے۔ باقی ساری عمر تو عورت نے چولہا چوکی اور گھر ہی سنبھالنا ہوتا ہے۔"

جلیل نے ٹی وی سے نظریں ہٹائیں، اُس کے ماتھے پر بل پڑ چکے تھے۔

"ہاں تو جب گھر اور کچن اسے سنبھالنا ہے تو ابھی سے سنبھالے گی۔ اور جہاں تک بننے سنورنے کی بات ہے، امی پلیز، اُسے تو چھوڑ ہی دیں۔ بن سنور کر کس کو دکھائے گی مجھے۔ مجھے نہیں دیکھنا۔ ایسے ہی ٹھیک ہے۔"

اُس نے بے نیازی سے سر جھٹک کر بات ختم کی۔

ثروت بیگم نے پھر سے اپنے بند لبوں کو کھولا۔

"تم ناشکری کر رہے ہو، جلیل! زرکشا بہت اچھی بچی ہے، اور سب سے بڑھ کر بااخلاق بھی۔ ورنہ جو سلوک تم اُس کے ساتھ کر رہے ہو، کوئی اور لڑکی ہوتی تو کب کی چھوڑ چکی ہوتی۔"

"امی! یہی تو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔" جلیل طنزیہ انداز میں بولا۔

"جو معصوم بن رہی ہے، وہ ہے نہیں۔ ایسے خوبصورت چہروں کے پیچھے اکثر کیا کچھ چھپا ہوتا ہے، آپ کو کیا پتا۔"

digest-library.com



Scanned with CamScanner

digest library.com

''بھائی، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟''
ابرک نے ناگواری سے کہا
''امی کی بات سمجھنے کے بجائے آپ ہر بات میں شک کا پہلو نکال لیتے ہیں!'' ابرک اس بار بولے بنا نہیں رہ سکا۔
''میں نے تمہیں صبح بھی کہا تھا، گھریلو معاملات میں مت بولا کرو۔ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔''
ابرک خاموش ہو گیا، مگر ماحول میں تناؤ پھیل چکا تھا۔
ثروت بیگم نے نرمی سے جلیل کی طرف دیکھا اور فکرمندی سے کہنے لگی۔
''عورت بہت نازک ہوتی ہے۔'' بیٹا! مرد کا سخت لہجہ اُسے اندر سے توڑ دیتا ہے۔ اور یاد رکھو، ایک نرم لہجہ، ایک مہربان رویہ اُس کی دل کی مٹی میں محبت کا ایسا بیج بو دیتا ہے جو بڑھتے بڑھتے تناور درخت بن جاتا ہے۔
وہ رکیں، جلیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولیں۔
''اپنے لہجے کو نرم کرو، اپنی سوچ کو وسیع رکھو۔ ورنہ یاد رکھنا، تمہارا یہ رویہ زرکشا کو تم سے بہت دور کر دے گا۔ اور اس کی ذمہ داری صرف تم پر ہوگی۔''
جلیل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ کبھی ثروت بیگم کی طرف دیکھتا، کبھی کچن کی جانب۔
''کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ یہ میری بیوی نہیں، آپ دونوں کی کوئی عزیز، رشتہ دار ہے۔ جب دیکھو اُس کی حمایت میں بولتی رہتی ہیں۔''
پھر اُس کی آواز میں وہی ضد اور انا جھلکی تھی۔
''لیکن میں بتا رہا ہوں، امی، وہ بالکل بھی ویسی نہیں ہے جیسی آپ کے سامنے بننے کی کوشش کرتی ہے۔ آپ خود دیکھ لینا ذرا سی آزادی ملی نہیں کہ اس کے رنگ ڈھنگ آپ دونوں پر عیاں ہو جائیں گے۔''
جلیل کے زہر بھرے الفاظ پر ثروت بیگم نے گہری اور تاسف زدہ نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ ان کے دل میں کچھ ٹوٹا، جیسے ماں ہونے کا غرور۔
''جانے میری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی؟''
ثروت بیگم نے دکھ سے سوچا۔
میری ہی پرورش کا اثر ہے کہ جلیل کی فطرت میں اتنی شدت، اتنی کڑواہٹ آ گئی ہے... یا پھر وہ سوی کی ٹھوکر جس نے عورت پر سے اس کا یقین ختم کر دیا، ماں باپ کی ایک ذرا سی غلطی کا خمیازہ اولاد کو بھرنا پڑتا ہے۔ سوی اُن کی کزن تھی۔ جاوید صاحب دو بیٹوں کے بعد اس کی اداؤں کے ایسے دیوانے بنے کہ سب کچھ بھلا بیٹھے۔ باپ کے ہوتے ہوئے بھی جلیل اور ابرک نے بنا باپ کے جیسی زندگی گزاری۔ اب تو جاوید صاحب کو دنیا سے گئے بھی پندرہ برس ہونے والے تھے۔ لیکن جلیل جیسے خود کو اس وقت سے نہیں نکال سکا تھا۔ وہ آج بھی سوی کی کڑواہٹ دل میں لیے بیٹھا تھا۔ اور اسی نظر سے سب کو دیکھتا تھا۔
انہوں نے آہ بھری، اور پھر سے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔
''مگر رشتے تو اعتبار سے جیتے جاتے ہیں بیٹا! شک سے نہیں۔ جہاں یقین نہ ہو، وہاں دل سے رشتہ کہاں چلتا ہے؟''
ثروت بیگم کی نظریں اب بھی جلیل پر جمی تھیں جو اپنی ہی الجھنوں میں اُلجھا ہوا تھا۔
تب ہی زرکشا ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے دروازے میں نمودار ہوئی۔
''امی... کھانا تیار ہے، سب آ جائیں۔''
جلیل کچھ بھی کہے بنا اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

کچھ دیر بعد وہ سب دسترخوان کے گرد بیٹھے تھے۔
ابرک نے پلاؤ کا ڈھکن اٹھاتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا



Scanned with CamScanner

digest.library.com

"آہا! آج تو بھابھی کا امتحان ہے، دیکھتے ہیں اچھے نمبروں سے پاس ہوتی ہیں یا امی اضافی نمبر دے کر بچائیں گی۔"

کھانے کی خوشبو سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ زرکشا نے بہت محبت سے، نہایت اہتمام سے کھانا تیار کیا ہے۔

ثروت بیگم نے ایک نوالہ چکھا تو خوشی سے زرکشا کو پانچ سو روپے انعام میں دیے۔

مگر جلیل کو سخت ناگوار گزرا وہ تلخی سے بولا۔

"یہ سب عجیب چونچلے ہیں کھانا، بنانا زرکشا کا فرض ہے، احسان نہیں۔"

اس پر ثروت بیگم نے پہلی بار قدرے سختی سے کہا۔

"زرکشا نے اس گھر میں پہلی بار کھانا بنایا ہے، تو اس کا انعام تو بنتا ہے۔ اور ویسے بھی، تم میرے اور میری بہو کے معاملات میں مت بولا کرو۔"

جلیل نے منہ بنایا اور خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔

زرکشا کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ جس شخص کے نام پہ اس گھر میں آئی تھی۔ اس انسان کے سوا اس گھر میں سب بہت اچھا تھا آنسو آنکھوں کی زمین کو نم کرنے کے لیے بے تاب ہوئے۔ زرکشا نے جلدی سے اپنے سر کو مزید جھکا لیا تھا۔ اور اپنی پلیٹ میں موجود چاولوں کو چمچ سے ادھر ادھر کرنے لگی۔

☆☆☆

"امی، مجھے جلدی ناشتہ دے دیں، یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے۔"

ابرک آواز لگاتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔

لیکن آج کچن میں ثروت بیگم کے بجائے زرکشا موجود تھی، جو جلیل کا ناشتہ تیار کر رہی تھی۔

"آ جاؤ ابرک میں بنا دیتی ہوں"

زرکشا نے مسکرا کر کہا۔

ابرک کچن کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے، بھابھی! ویسے مجھے بھی جلیل بھائی جیسا آملیٹ بنا دیں۔"

زرکشا نے ہنستے ہوئے سر ہلایا اور فریج سے انڈا نکالا۔ جیسے ہی پلٹی، دیکھا کہ جلیل اپنی پلیٹ بنا چکا تھا۔

..."ارے ناشتہ تو مکمل کریں"

زرکشا نے کچھ کہنا چاہا، لیکن جلیل تیزی سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کچن سے نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی زرکشا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

پیچھے سے جلیل کی چنگھاڑتی آواز آئی۔

"زرکشا!!!"

زرکشا نے خاموشی سے انڈا واپس فریج میں رکھا اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی جلیل نے شرٹ کا مڑا ہوا گولا زرکشا کی طرف اچھالا "یہ دیکھو تم سے ایک شرٹ بھی ٹھیک سے پریس نہیں ہوتی۔

"میں دوبارہ پریس کر دیتی ہوں۔" زرکشا نے جلدی سے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں!" جلیل غرایا۔ "تمہیں میرے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں تو دوسروں کے کام کر کے نمبر بنانے کا چسکا ہے۔"

یہ جو تمہیں ذرا سی آزادی ملی ہے نا۔" وہ بھی امی کے کہنے پہ۔ جن کو تم بے چاری کے سوا کچھ نہیں لگتیں۔" جلیل نے طنزیہ لہجے میں کہا، "اسی کا نتیجہ ہے کہ اب تم میرے کسی کام کو دل سے نہیں کرتیں۔" زرکشا نے لب بھینچ کر آنکھوں میں امڈتے آنسو اندر اتار لیے اور دھیرے سے کہہ کر "میں دوبارہ پریس کر دیتی ہوں۔" جلیل کی شرٹ اٹھا کر خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔ کچھ دیر بعد، جب وہ شرٹ کو اچھی طرح سے استری کر کے واپس کمرے میں آئی، تو جلیل وہاں موجود نہیں تھا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی اور شرٹ کو گھورتی رہی۔ "اس گھر میں سب کچھ



Scanned with CamScanner

digest library.com

ٹھیک ہے۔ بس وہ مخلص نہیں۔ جو میرے یہاں آنے کی وجہ بنا" شیشے میں جھانکتے ہوئے اپنے عکس میں وہ خود کو دیکھنے لگی۔ یادیں پیچھے سے آکر سرگوشیاں کرنے لگیں۔ "تم بہت خوش قسمت ہو زرکشا. اتنا اچھا سسرال، اتنے اچھے لوگ اور جلیل بھائی جو شاید تمہیں دیکھتے ہی دیوانے ہو گئے ہوں گے!" یہ صبا کی آواز تھی، جلیل کی ماموں زاد بہن، جو اکثر زرکشا سے ملنے چلی آتی۔

"کاش میں تمہاری طرح خوب صورت ہوتی۔" صبا نے ایک بار حسرت سے کہا تھا، "میرے شوہر نے تو میری معمولی صورت کو طعنہ بنا کر گھر سے نکال دیا۔" اس کا لہجہ بھیگا تھا۔

"میں اتنی بھی خوش نصیب نہیں صبا! جلیل کو میری یہی خوبصورتی شک میں مبتلا کیے رکھتی ہے۔ وہ میرے کردار کی، میری سیرت کی خوبصورتی کو دیکھ ہی نہیں پاتے۔"

آنکھ سے ٹپکتا ایک آنسو خاموشی سے اس کے رخسار پر بہہ نکلا۔ دل میں درد کے ساتھ، اس نے اللہ سے دعا مانگنی شروع کر دی کہ

"کاش جلیل واپس لندن چلا جائے۔" ہر گزرتا دن جلیل کو مزید چڑچڑا بناتا جا رہا تھا اور اس کی یہی چڑچڑاہٹ زرکشا کو ڈراتی، اسے اس سے اور دور کرتی جا رہی تھی۔

"زرکشا!" جلیل کی بلند آواز نے اسے خیالات کی دنیا سے کھینچ کر باہر نکالا۔ "جی... جی؟" وہ بوکھلا گئی اور گھبرا کر اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"کون سے خیال ہیں۔ جو تمہیں حال میں نہیں رہنے دیتے۔"

جلیل نے اس کے چہرے کو تفتیشی انداز میں دیکھا. زرکشا کو پتا ہی نہیں چلا تھا جلیل کب کمرے میں واپس آیا۔

"اپنے کسی عاشق کے خیال میں کھوئی ہوئی تھیں نا۔"

زرکشا کی آنکھیں بھر آئیں۔ "اللہ کا خوف کریں۔"

جلیل نے طنز کیا۔

"اتنی خوب صورت ہو، کافی لوگ ہوں گے تم پر مرنے والے۔ محلے میں، خاندان میں... لیکن تمہاری ماں نے رشتہ مجھے کیوں دیا؟"

وہ پھر اسے لفظوں کی عدالت میں کھڑا کر چکا تھا۔

زرکشا نے بے بسی سے کہا

"مجھے نہیں پتا. اور نہ ہی میں نے کبھی کچھ پوچھا۔" اس کی اکتاہٹ نے جلیل کو اور مشتعل کر دیا۔ اس نے غصے میں ہاتھ اٹھایا۔"

اور زرکشا کے نرم رخسار پر تھپڑ کی گونج کمرے میں پھیل گئی۔ وقت لمحہ بھر کو تھم گیا۔

زرکشا نے حیرت اور دکھ سے جلیل کو دیکھا۔

گال پہ ہاتھ رکھ کر وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔ مگر جلیل رکا نہیں، اس نے ایک بار پھر اس کا بازو دبوچ لیا اور جھنجھوڑ کر بولا

"آج تو صرف ایک تھپڑ مارا ہے۔ لیکن اگر آئندہ۔ میرے سامنے اکڑنے کی کوشش کی نا۔"

جلیل نے غرایا کر زرکشا کے بازو کو جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تو ایسا حشر کروں گا کہ آئندہ میرے سامنے نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کرو گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اسے ایک زوردار دھکا دیا۔

زرکشا سنبھل نہ سکی اور سیدھا بیڈ پر گری، تکیے میں منہ چھپائے وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"دل میں سوالوں کی گونج تھی،" کس گناہ کی سزا ملی ہے مجھے؟ کیوں میرے نصیب میں محبت نہیں؟

اسے اپنی ماں شدت سے یاد آنے لگی۔ وہ ماں جو اس کی ہر خاموشی کو پڑھ لیتی تھی، آج وہ بہت دور تھی۔ اور زرکشا ایک ایسے گھر میں، جہاں شوہر کا سلوک زخم دیتا، جس کا شک ہر گزرتے دن کے



Scanned with CamScanner

digest library.com

ساتھ اُسے اذیت دے رہا تھا۔ وہ خاموش تھی۔ لیکن اب یہ خاموشی صرف درد بڑھاتی۔ اُسے اداس کرتی تھی۔

وہ پورا دن کمرے میں ساکت پڑی رہی۔ شام کے سائے گہرے ہوئے تو چائے کی طلب جاگی۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وہ باہر نکلی تو سامنے ہی ثروت بیگم اور ابرک بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔

زرکشا کے قدم رک سے گئے۔ شرمندگی، جھجک، اور خوف ایک ساتھ اس کے اندر سے ابھرے۔

"زرکشا! چائے بنانے جارہی ہو؟" ثروت بیگم نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"ہم بھی پئیں گے۔" ابرک نے کہا۔

"جی آنٹی! میں بنالاتی ہوں۔"

"تم ادھر آؤ۔ میرے پاس۔" ثروت بیگم نے اسے پکارا۔ وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خاص طور پر ابرک کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ وہ جانتی تھی، اگر جلیل آگیا اور اسے یوں ان کے ساتھ بیٹھا دیکھ لیا تو ایک نیا طوفان کھڑا ہوجائے گا۔

"میں چائے بنالاتی ہوں۔" وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے ہی ثروت بیگم نے زرکشا کے قریب آکر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم بیٹھو، یہاں۔ میں تمہیں چائے نہیں بنانے دوں گی۔" ثروت بیگم زرکشا کو اپنے ساتھ صوفے تک لے آئی تھیں۔ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرکے خود بھی صوفے پہ بیٹھیں اور پھر ابرک سے مخاطب ہوئیں۔

"ابرک! تم جاکر چائے بنالاؤ بھابھی کے لیے۔"

"لیکن امی! جاتے ہوئے ابرک کچھ دیر رکا۔ "امی پلیز بھائی کو سمجھائیں۔ وہ خوامخواہ شک کر کے اس گھر کا ماحول خراب کررہے ہیں۔ بھابھی کے ساتھ ایسا سلوک ٹھیک نہیں۔"

"میں بات کروں گی جلیل سے تم فکر مت کرو۔" ثروت بیگم نے بیٹے کو تسلی دی۔ ابرک زرکشا کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"دیکھا بھابھی! امی آپ کا ساتھ دے رہی ہیں۔ آپ اداس نہ ہوا کریں۔ آپ ہمارے گھر آئی ہیں تو ہمارے گھر کی فضا بدل گئی۔ ورنہ پہلے تو "صرف میں اور امی ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کر گزارہ کرلیتے تھے۔" زرکشا کے لبوں پہ پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ دونوں اس کی دل جوئی کررہے تھے۔

ابرک کہہ رہا تھا۔ "آپ کے مزے مزے کے کھانوں کی تو کیا بات ہے۔ اور اس کے ساتھ، جب آپ مسکراتی ہیں نا، تو لگتا ہے جیسے گھر میں بہار آگئی ہو۔ ہے نا امی؟"

"ہاں تو اور کیا۔ جب میری بیٹی گھر میں پھرتی ہے نا تو ساری ویرانی دور کہیں چلی جاتی ہے۔"

ثروت بیگم نے زرکشا کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔ "ابرک کے امتحانات ہو جائیں تو ہم اچھی سی لڑکی دیکھ کر ابرک شادی کی تیاری کریں گے اور پھر میری فیملی مکمل ہوجائے گی۔ سچ کہوں تو اب مجھے گھر میں صرف خوشیاں چاہئیں۔"

ثروت بیگم نے نرم لہجے میں کہا۔ اور پاس بیٹھی زرکشا کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"میں تمہیں اپنی، اپنی بیٹی سمجھتی ہوں زرکشا! تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔"

زرکشا کی پلکیں بھیگ گئیں۔ "میں کچھ بھی کرلوں، جلیل مجھ سے۔" لیکن اس کے الفاظ ادھورے رہ گئے۔

اس نے آہستہ سے اپنی بائیں ہتھیلی کو دائیں انگوٹھے سے رگڑتے ہوئے اپنے درد کو چھپانے کی کوشش کی۔ "جلیل ایسا نہیں تھا بیٹا۔"

ثروت بیگم نے آہستہ سے کہا، "ابرک کے



Scanned with CamScanner

digest library.com

والد کی وفات کے بعد بہت کم عمری میں جلیل کے کندھوں پر گھر کی ساری ذمہ داریاں آ گئیں اور پھر باپ کی دوسری شادی نے جلیل کو زیادہ سخت کر دیا۔ ان ذمہ داریوں کو نبھاتے نبھاتے وہ خود کو کہیں کھو بیٹھا۔ اس دن کے بعد سے جلیل بدل گیا۔ شک کرنا، تلخی سے پیش آنا یہ سب اس کے مزاج کا حصہ بنتا گیا۔ میں نے سوچا تھا تم جیسی پیاری، صابر، اور سمجھدار بیوی ملے گی تو شاید جلیل بدل جائے گا... لیکن..." ان کا لہجہ بھیگا تھا۔ "تم فکر نہ کرو بیٹا، میں تمہارے ساتھ ہوں، ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔ میں جلیل سے بات کروں گی... اسے سمجھاؤں گی۔"

یہ کہتے ہوئے ثروت بیگم نے زرکشا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، زرکشا کے دل کے بند دروازے جیسے آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر ان کے کندھے پر رکھ دیا۔

اسی لمحے ابرک اٹھ کھڑا ہوا "امی! میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔"

"میں بناتی ہوں"۔۔۔ زرکشا نے جلدی سے کہا۔ "ارے رہنے دو بیٹا، بیٹھی رہو میرے پاس۔ یہ خود ہی بنا کر لائے گا۔ ثروت بیگم نے نرمی سے زرکشا کے ہاتھ پر دباؤ دیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"میں بھی اپنی بیوی پہ بھائی کی طرح آرڈر چلایا کروں گا"۔۔۔ ابرک نے کچن کی طرف جاتے ہوئے شوخی سے کہا۔ تو زرکشا اور ثروت بیگم دھیرے سے ہنس پڑیں۔ "امی، بس ایک دعا کریں میری بہو بھی ایسی ہی ہو۔۔۔ خوب صورت، سمجھدار، اور کھانا بھی لاجواب بنائے۔ اور جلدی سے میرے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھنا شروع کر دیں۔ کیوں کہ بھائی تو اپنی بیگم کو لندن لے جائیں گے اور میں اور آپ یہاں بور ہو جائیں گے۔ امی مجھے بھی بھابھی جیسی ہی لڑکی چاہیے۔"

ابرک کچن سے بلند آواز میں بول رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ جلیل آ چکا تھا۔

زرکشا کی نظر جیسے ہی جلیل کے چہرے پر پڑی، اس کا رنگ یکایک بدل گیا۔ وہ جلدی سے سمٹ کر ثروت بیگم کے اور قریب ہو گئی۔

ثروت بیگم نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔ جیسے کہہ رہی ہوں، کچھ نہیں ہوتا۔ زرکشا کے دل کی دھڑکن، ان کے لمس سے قدرے نارمل ہوئی۔

"جلیل بھی آ گیا ہے ابرک! اس کے لیے بھی چائے بنا لو!" ثروت بیگم نے بلند آواز میں کہا۔

"جی اچھا!" ابرک نے اونچی آواز میں کہا۔

جلیل کے چہرے پر چھایا سکوت ہلکا سا غصے میں بدلا۔ "مجھے چائے نہیں پینی۔" وہ بس اتنا کہہ کر واپس مڑ گیا۔

زرکشا کے دل میں گہری کسک ابھری۔ "آنٹی" اس نے ہولے سے ثروت بیگم کی طرف دیکھا۔ "بیٹا۔۔۔ مجھے شرمندہ مت کرو۔ ابرک، تمہارے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسے بھائی ہوتا ہے۔ تمہارے دکھ میرے دل میں چبھتے ہیں... لیکن میں سب سنبھال لوں گی۔" ثروت بیگم کی آواز کانپنے لگی۔

وہ اب جلیل سے بات کرنے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

چہرے پر عزم تھا۔ دل میں ایک ماں کا درد۔ اور بیٹے کو ماضی سے واپس کھینچ لانے کی تڑپ۔ اسی لیے ثروت بیگم جلیل کے پیچھے میں آ گئی تھیں۔

سامنے بیڈ پر لیٹا جلیل، ماں کو دیکھتے ہی جھٹ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا تماشا ہے؟ ابرک کیوں اس کے لیے چائے بنا رہا ہے؟ اور بھابھی جیسی لڑکی سے شادی کرنی ہے اس کی تعریفیں۔ کیا ہے یہ سب۔"

جلیل کا لہجہ غصے سے لبریز تھا۔

"ابرک ہم سب کے لیے چائے بنا رہا تھا، اس میں کیا غلط ہے؟ زرکشا بھی تو ہم سب کے لیے کھانا بناتی ہے، کیا اب یہ بھی جرم ہو گیا؟" ثروت بیگم



Scanned with CamScanner

digest library.com

نے ضبط سے کہا۔لاؤنج میں بیٹھی زرکشا ان کی آوازیں سن کر گھبرا گئی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی کہاں گئیں؟"

ابرک ٹرے میں چائے کے کپ رکھے کچن سے نکلا۔اور زرکشا کی طرف دیکھے بغیر سیدھا کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

"امی، آپ کو ایسی عورتوں کی چالاکیاں نہیں پتا۔"شوہر ان کو برا لگتا ہے اور شوہر کے گھر والے بہت اچھے لگتے ہیں۔آپ اور ابرک معصوم ہیں... لیکن میں سب جانتا ہوں۔

"!بس کردو جلیل، اللہ کا واسطہ ہے، بس کردو"

ثروت بیگم نے ہاتھ جوڑ دیے۔ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"بھائی، امی ٹھیک کہہ رہی ہیں، بھابی بہت اچھی ہیں!" ابرک جلیل کے قریب آیا۔

"بس کرو تمہیں بار بار اس کی حمایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے!" جلیل ایک بار پھر بگڑ گیا۔"یہ تم ابرک سے کیسے بات کررہے ہو؟" ثروت بیگم چونک گئیں۔

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تو اسے سمجھنے کے بجائے آپ دونوں۔جلیل غصے میں اپنے بازو ہوا میں لہرانے لگا۔سمجھنے کی ضرورت ہمیں نہیں۔آپ کو ہے بھائی۔" ابرک نے صاف لہجے میں کہا۔

"تم کیوں اس کی اتنی طرف داری کررہے ہو؟ امی، دیکھ رہی ہیں نا آپ، وہ عورت کیسے میرے بھائی کو میرا دشمن بنا رہی ہے۔"

بھائی خدا کے لیے ... ایسا کچھ نہیں ہے۔" ابرک غصہ ہوا۔کہتا ہے میں سب سمجھ رہا۔میرے پیچھے تم کیا کررہے ہو۔میری بیوی کو۔"

جلیل کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ابرک نے زور سے جلیل پر پڑا کانچ کا گلدان اٹھا کر زمین پر دے مارا۔

چھناک کی آواز گونجی تھی۔اور کتنے ہی کانچ کے ٹکڑے زمین پہ بکھر گئے۔

"بس اب بہت ہو گیا اپنی گندی سوچ کو میرے اور بھابی کے رشتے پر مت تھوپنا۔میرے لیے وہ میری بہن جیسی ہے، آئندہ اگر ایسے لہجے میں بات تو میں لحاظ نہیں کروں گا!" ابرک کا چہرہ غصے سے لال تھا۔

"کیا کرو گے؟ مجھے مارو گے؟" جلیل اس پر پل پڑا۔

اب دونوں بھائی آپس میں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔

زرکشا اپنے کمرے میں تھی گلدان کے ٹوٹنے کی آواز سن کر دروازے تک آئی تھی۔یہ منظر دیکھ کر وہیں زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔

"!بس کردو... اللہ کا واسطہ ہے، بس کردو"

ثروت بیگم روتے ہوئے اپنے دونوں بیٹوں کے سامنے ہاتھ جوڑ چکی تھیں۔ابرک نے جلیل کی گرفت سے اپنا گریبان چھڑایا، ناک سے بہتے خون کو اپنی آستین سے صاف کیا، اور ماں کی طرف پلٹا۔

"امی... میں یہاں نہیں رہوں گا۔جس گھر میں رشتوں کی عزت نہیں ہوتی، وہ گھر نہیں، قید خانہ ہوتا ہے۔"

اس کے لہجے میں دکھ اور فیصلہ دونوں تھے۔

"ہاں، کوئی ضرورت نہیں تمہیں یہاں رہنے کی۔"

جلیل چیخا"تب تک تو بالکل بھی نہیں، جب تک میں اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لندن نہ لے جاؤں۔"

زرکشا ساکت، زمین پر بیٹھی، آنکھوں میں ایک سوال لیے بس ثروت بیگم کی طرف دیکھ رہی تھی اور ثروت بیگم کا دل ایک اور بار چور چور ہو چکا تھا۔

ابرک گھر سے جا چکا تھا۔اور کچھ دیر کے بعد جلیل گھر سے نکل بھی گیا تھا۔زرکشا اور ثروت بیگم روتی رہ گئیں۔

☆☆☆

زندگی بے رنگ سی ہو گئی تھی۔اس دن کے بعد زرکشا خاموشی سے اپنے کام نمٹا کر اپنے کمرے میں چلی جاتی اور پھر کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی جب اس وقت بھی وہ کمرے میں لگی جلیل کی تصویر کو دیکھتی

digest library.com

رہی، مگر اس کی آنکھوں میں وہ پہلے جیسی چمک تھی نہ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

اس دن کے بعد ثروت بیگم کا رویہ زرکشا کے ساتھ اور بھی زیادہ مہربان ہو گیا تھا، ابرک اور جلیل ایک دوسرے سے بات کرنا، مخاطب کرنا بھی چھوڑ چکے تھے۔ گھر کا ماحول عجیب گھٹن زدہ تھا۔ ابرک ماں کی منتیں کرنے پہ گھر آتو گیا تھا۔ مگر اب وہ زرکشا کے ساتھ بات بھی نہیں کرتا تھا۔ اور خود زرکشا نے بھی اس سے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ وہ جلیل کو شک کا کوئی بھی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اور وہ ایسا کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ لیکن۔

☆☆☆

اس دن ابرک اپنی اسائنمنٹ بنانے میں مصروف تھا تھوڑی دیر بعد اس نے ماں سے چائے بنانے کی درخواست کی۔

ثروت بیگم نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا۔" کہا پھر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ زرکشا، جو کچھ دیر پہلے ہی ا... نکا کر ... بیگم کے پاس بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔ ٹوکری اٹھا کر کچن میں آ گئی اور ... منٹوں بعد چائے کا کپ بنا کر لا کر خاموشی سے ابرک کے کمرے میں آ کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

ابرک نے اپنے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر چائے کے کپ کو دیکھا۔ تیزی سے سیدھا ہو کر بیٹھا اور زرکشا سے بولا۔ "آپ کو میرے کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے بھابھی۔ میں نے امی سے کہا تھا۔ وہ مجھے چائے بنا دیتیں" ابرک نے کہا تو زرکشا نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"میں معذرت کرنا چاہتی ہوں۔ زرکشا نے آہستگی سے کہا۔

"آپ کو معذرت کرنے یا پھر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، بھابھی، شرمندہ تو ہم ہوتے ہیں آپ سے۔" ابرک نے کہا، "میں انہیں بھی معاف نہیں کروں گا۔" اس کی آواز میں درد تھا۔ "آپ یہ چائے واپس لے جائیں۔" ابرک نے کہا۔

"اچھا، ٹھیک ہے۔ اب بھابھی چائے بنا کر لائی ہیں، تو پی لو۔"

ثروت بیگم جو ابرک کے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں اس کی بات سن چکی تھیں۔ انہوں نے ابرک سے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایک بات میں آپ دونوں کو بتا دوں، میں بھائی سے نہیں ڈرتا۔ لیکن بھابھی کی عزت سے ضرور ڈرتا ہوں۔ مجھے ان کی عزت مجھے بہت عزیز ہے۔" اگر بھائی نے اب بھی اگر ایسی کوئی بات کی تو یاد رکھنا امی آپ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا۔"

اس نے انگلی اٹھا کر ماں کو متنبہ کیا، پھر اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔

اور زرکشا دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

"اگر ابرک میری عزت کی پرواہ کرتا ہے، تو میرے شوہر کو میری عزت کی پرواہ کیوں نہیں؟ جو ہر کسی کو بھی میرے ساتھ منسوب کر دیتا ہے۔ جلیل تو کبھی ... کر نہیں سوچتا۔ میری صورت ہیرا ہے پر میرا بخت مٹی کی طرح مجھے زمین پہ بکھیر گیا ہے۔ اور جب بخت ہی مٹی ہو، تو اچھی صورتیں کس کام کی؟" وہ کھانا بنانے بنا ہی اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

☆☆☆

"امی، ایک بات ہے، زرکشا کی طرف سے ہمیں کبھی کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہوئی۔" فیصل نے ماں سے کہا۔

صائمہ بیگم دھیرے سے مسکرا دیں۔

"ضروری تو نہیں سب اچھا نظر آ رہا ہے تو اچھا ہی ہو۔ بڑی بڑی باتوں کے بجائے کبھی کبھی کسی کی ننھی سی ٹھوکریں کے پیروں تلے آنے سے آدمی گر جاتا ہے۔"

ثمرہ نے کہا، "زرکشا کی خوبصورتی اور سلیقہ مندی کیا چیز ہے؟" اس کے اپنے کندھے اچکا کر سامنے بیٹھی زرکشا کی طرف دیکھا۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا بھابھی۔" زرکشا نے سر ہلاتے ہوئے اپنی آنکھوں کو زور سے بند کیا۔

digest library.com

خاموشی کے اس ماحول میں زرکشا کا دل پھٹنے کو تھا۔

زرکشا نے لیٹے لیٹے سائیڈ میں پڑے اپنے فون کی طرف دیکھا۔ جس پہ کسی کی کال آرہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں زور سے بند کرلیں۔ ''یقیناً جلیل نے سوال جواب کرنے کے لیے فون کیا ہوگا۔''

فون ایک بار پھر خاموش ہو کر بول اٹھا تھا۔

زرکشا نے گہری سانس لے کر اپنے اندر کی گھٹن کو فضا کے سپرد کیا اور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھالیا۔ جلیل کے بجائے فیصل کا نک اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ زرکشا نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر جلدی سے کال اٹینڈ کی۔

''زرکشا، جلدی سے سٹی ہاسپٹل آجاؤ۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے!'' فیصل نے پریشانی کے عالم میں کہا۔ اور کوئی بھی بات سنے بغیر ہی کال ڈسکنیکٹ کردی۔

زرکشا نے ہاتھ میں پکڑا فون بیڈ پر رکھا اور جلدی سے بھاگ کر ثروت بیگم کے دروازے کو زور سے کھٹکھٹایا۔ کمرے میں ثروت بیگم کے ساتھ ابرک بھی موجود تھا۔ زرکشا کو یوں حواس باختہ دیکھ کر دونوں ہی فوراً اس کے قریب آگئے۔ ''وہ... میری امی ہاسپٹل میں ہیں۔ فیصل بھائی کا فون آیا ہے، وہ مجھے بلا رہے ہیں۔'' زرکشا کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''بھابھی آپ فکر نہیں کریں، میں ابھی کسی رکشے والے کو لے کر آتا ہوں آپ اور امی چادر لے لیں، میں ابھی آیا۔'' ابرک اُسے تسلی دے کر کمرے سے نکل گیا۔

زرکشا روتے ہوئے ثروت بیگم کے گلے لگ گئی۔ جلیل نے بھی آج ہی گاڑی لے کر جانا تھا، اُن کی فکرمندی چہرے پر نمایاں تھی۔

''آنٹی شاید کوئی رکشہ نہیں مل رہا ہوگا، اسی لیے تو ابرک ابھی تک نہیں آیا۔'' زرکشا نے اپنی سرخ ناک دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے ثروت بیگم فکرمندی سے کہا۔

اور پھر مزید کچھ منٹوں کے بعد جب ابرک بنا رکشے کے واپس آیا، زرکشا نے پھر سے رونا شروع کردیا۔

''ابرک تم ایسا کرو، پہلے زرکشا کو بائیک پہ ہاسپٹل چھوڑ کر آؤ، پھر مجھے آکر لے جانا۔'' ثروت بیگم نے ابرک سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ موقع ایسا نہیں تھا کہ وہ انکار کرپاتا۔

''لیکن آنٹی... جلیل؟'' زرکشا نے ہچکچاتے ہوئے ثروت بیگم کی طرف دیکھا۔

''بیٹا، جاؤ، یہ فضول باتوں میں الجھنے کا وقت نہیں۔ اور یوں بھی کون سا جلیل شہر میں ہے جو اسے پتا چلے گا۔ تم ابرک کے ساتھ چلی جاؤ۔ بھائی ہے وہ تمہارا۔'' ثروت بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔ زرکشا نے اپنے آنسو صاف کیے اور ابرک کے عقب میں باہر نکل آئی۔

ابرک نے زرکشا کو ہاسپٹل کے باہر اتارا۔

''بھابھی، اندر چلیں، میں امی کو لے کر آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

زرکشا نے آہستہ سے سر ہلایا اور ہاسپٹل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

جس وقت واپس گھر پہنچا تو پورچ میں جلیل کی گاڑی کھڑی دیکھ کر وہ ٹھنڈا سا پڑ گیا۔

''یا اللہ! بھائی نے بھی ابھی واپس آنا تھا؟'' ابرک کے دل نے جیسے دہائی دی۔

کچھ لمحے خود کو کمپوز کرنے کے بعد وہ سر جھٹک کر گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

''آپ نے میری اجازت کے بغیر اُسے جانے کیسے دیا؟'' جلیل کی غصے بھری آواز ابرک کے کانوں سے ٹکرائی جو ثروت بیگم پر غصہ ہو رہا تھا۔

''بھائی پلیز، اس وقت بحث کا موقع نہیں ہے... میری فیصل بھائی سے فون پہ بات ہوئی ہے۔ آنٹی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور ان کی حالت اس وقت ٹھیک نہیں۔'' ابرک نے جلیل کے قریب آتے ہوئے ناصحانہ انداز میں اس سے کہا۔

''مجھے تو ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی، بیوی میری ہے، سسرال میرا ہے، لیکن کوئی بھی مجھ سے

digest.library.com

رابطہ کرلینے کے بجائے تم سے کیوں رابطہ کر رہا ہے۔" جلیل کا لہجہ نہایت طنزیہ اور تیز تھا۔

"تم گھر سے یہ کہہ کر نکلے تھے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کے لیے مری جا رہے ہو۔ وہ الگ بات ہے کہ راستے میں تمہاری گاڑی خراب ہو گئی اور تمہیں واپس آنا پڑا۔ اور اگر تم واپس نہ آتے تو کیا رات کے دو ڈھائی بجے تک زرکشا کو تمہارا انتظار کرنا چاہیے تھا؟ میں نے زرکشا کو ابرک کے ساتھ اسپتال بھیجا ہے۔ تم سے زیادہ مجھے اپنی بہو اور بیٹے پر یقین ہے۔ اس لیے بہتر ہے اپنے گندے ذہن میں پلتی ان خرافات کو منہ پر مت لاؤ۔" ثروت بیگم نے جلیل کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

تو جلیل اونہہ کرتا غصے کے ساتھ صوفے پر واپس بیٹھ چکا تھا۔

"ٹھیک ہے تم نے نہیں جانا تو مت جاؤ۔ میں اور ابرک خود چلے جاتے ہیں۔ چلو ابرک! مجھے زرکشا کے پاس چھوڑ کر آؤ۔" ثروت بیگم نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

ابرک نے جلیل سے نظریں ہٹا کر اثبات میں سر ہلایا اور پھر باہر کا رخ کر لیا۔

یوں آدھے گھنٹے بعد ثروت بیگم زرکشا کے پاس اسپتال میں موجود تھیں۔

☆☆☆

آئی سی یو کے باہر سرخ بتی پر نظریں جمائے زرکشا ہاتھ باندھے محو دعا تھی۔

"اللہ جی، میری امی کو زندگی دے دو۔ ان کے ہونے سے تو میرا میکہ آباد ہے۔ ان کے ہونے سے تو مجھے جینے کا حوصلہ ملتا ہے۔"

زرکشا کا پورا وجود رب کے سامنے جھکا ہوا تھا۔

لیکن کبھی کبھار شدت سے کی گئی دعائیں بھی قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتیں۔

"آئی ایم سوری۔ ہم نے اپنی پوری کوشش کی تھی، لیکن اللہ کو یہی منظور تھا۔" ڈاکٹر انصاری نے زرکشا کے پاس کھڑے فیصل کے کندھے کو ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

تو پل بھر میں زرکشا ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر باہر موجود فرش پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔ قیامت تھی جو اس پر گزر گئی تھی۔

قیامت تھی جو اس کے پاس آکر ٹھہر گئی تھی۔

صائمہ بیگم کے مرنے کی خبر سے لے کر ان کی تدفین مکمل ہونے تک جلیل زرکشا کے پاس نہیں آیا۔ چند حرف تسلی تو دور، اس نے تو زرکشا کی ماں کے مرنے کا افسوس تک نہ کیا۔

اور اس پر مستزاد، دفن کے بعد اس نے تحکمانہ انداز میں زرکشا کو اپنے ساتھ گھر چلنے کا کہا۔

"نہیں، یہ مناسب نہیں ہے۔ گھر میں لوگ تعزیت کے لیے آ رہے ہیں، تو ابھی زرکشا کو یہیں رہنے دو۔" ثروت بیگم نے غصے سے پہلو بدلتے ہوئے جلیل سے کہا۔

"پلیز امی! تعزیت کے لیے جو آ رہا ہے آتے ہی اسے گلے لگا رہا ہے۔ مردوں سے تعزیت کا کام فیصل کا ہے، نہ کہ اس بے شرم لڑکی کا!" جلیل غصے سے دھاڑا۔

"میرے ماموں ہیں وہ... جلیل! اور میرے باپ کی طرح ہیں۔" زرکشا کے اعصاب چٹخ گئے تھے، لیکن پھر بھی اس نے ضبط کرتے ہوئے جلیل کو جیسے تسلی دی۔

"مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں! عجیب ہو تم لوگ بھی۔ گھر میں کم از کم شرم و حیا تو ہو۔" جلیل غصے سے بول رہا تھا۔

زرکشا کے ماموں کی فیملی ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی۔

سلیمان بھائی۔ صائمہ بیگم کے جنازے پہ وہ نہیں آسکے تھے کیونکہ وہ اس وقت دبئی میں تھے، اور آج ہی واپس آئے تھے۔

اور آتے ہی، بہن کا افسوس کرنے آئے تھے۔

زرکشا کو انہوں نے گلے لگا کر تسلی دی، لیکن یہی بات جلیل کو بہت بری لگی تھی۔ کچھ بھی کہنا فضول



Scanned with CamScanner

digest library.com

تھا، اس لیے زرکشا نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی، بکھرے ہوئے دل کے ساتھ ان کے ساتھ واپس گھر آ گئی تھی۔

"معاف کر دو مجھے، زرکشا... مجھے معاف کر دو۔ مجھے نہیں پتا تھا میری کوکھ سے پیدا ہوئی اولاد اتنی ظالم ہو جائے گی۔" جب زرکشا کچن میں خاموشی سے کھانا بنا رہی تھی، ثروت بیگم اس کے پاس آ گئی تھیں۔

زرکشا نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"آنٹی! میں جانتی ہوں، آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میری قسمت ہی ایسی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔

اور پھر اسے چپ کرواتے کرواتے ثروت بیگم خود بھی رو پڑی تھیں۔ پھر انہوں نے زبردستی زرکشا کو کچن سے نکالا، اسے کمرے میں آرام کے لیے بھیجا، اور چائے کے کپ کے ساتھ پیناڈول کھلا کر اسے سونے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔ جیسے ہی وہ پلٹیں، دروازے پہ جلیل ماتھے پہ ڈھیروں تیوریاں چڑھائے، ناراضی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی یہ کیا حرکت ہے؟ اتنی گرمی میں کھڑے ہو کر کھانا آپ پکائیں گی۔" اس نے ماں سے سوال کیا۔

"زرکشا کی طبیعت ٹھیک نہیں، اسے بخار ہوا ہے۔"

"اور آپ۔" اس سے پہلے کہ جلیل کچھ کہتا ثروت بیگم بول پڑی تھیں۔

"خود اس کا خیال رکھنے کے بجائے، مجھے بتانے کے بجائے، ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے بجائے، تم کہہ رہے ہو کہ میں اس سے کھانا کیوں نہیں بنوا رہی۔" ثروت بیگم کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

"اونہہ... میں جانتا ہوں ایسی لڑکیوں کو۔ جو ڈرامے کر کے یا دکھاوا کر کے اپنے شوہروں کو ظالم ثابت کرتی ہیں۔ اپنے شوہروں کو پاگل بنا دیتی ہیں۔ لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر انہیں قابو میں نہ رکھا جائے تو کل کو سر پہ چڑھ کر ناچنے لگتی ہیں۔ خوب صورت لڑکیوں کو اپنے حسن کا غرور ہوتا ہے، ساری زندگی شوہروں کو اپنے پیر کی جوتی بنانا چاہتی ہیں۔ لیکن میں یہ ہونے نہیں دوں گا۔ میرے گھر میں رہنا ہے تو میری مرضی سے رہنا پڑے گا۔ ورنہ وہ اپنے گھر جا سکتی ہے۔" جلیل آگے بڑھ کر فریج کھولتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔

پانی کی بوتل نکال کر پانی کو گلاس میں انڈیلا، لبوں سے لگا کر بولا۔ "میں تو ایک بات سوچ رہا ہوں، واپسی کی سیٹ تو کروا لی ہے، یہ پیچھے کیسے رہے گی؟"

جلیل نے بوتل اور گلاس ایک طرف رکھ کر پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا۔

"یہ میری آپ کے پاس امانت ہے۔ میں جاتے ہی اس کے پیپرز جمع کروا دوں گا۔ تب تک یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ میں بتا رہا ہوں، آپ نے ذرا سی بھی غفلت نہیں برتنی۔ ایسی لڑکیاں رہنے والی نہیں ہوتیں۔ دیکھا نہیں آپ نے، کیسے بے شرمی سے ماں کے مرنے کے بعد ہر ایک سے گھل مل رہی تھی؟ کیسے میرے چھوٹے بھائی کو میرے خلاف کر دیا؟ امی، آپ بہت معصوم ہیں، آپ کو ان لڑکیوں کی چالاکی کا ذرا بھی اندازہ نہیں۔ لیکن آپ زیادہ فکر نہ کریں، تھوڑے ہی عرصے میں اسے اپنے پاس بلا لوں گا۔ ہاں، مجھے پتا ہے یہ میری ذمہ داری ہے، اور مجھے اپنی ذمہ داریاں نبھانا خوب آتا ہے۔ بس تھوڑے عرصے کی بات ہے۔" جلیل بولتا ہوا کچن سے باہر چلا گیا تھا۔

اس بار ثروت بیگم کی آنکھوں میں اس کے لیے تاسف نہیں، بلکہ رحم تھا... دردمندی تھی۔

"جلیل کو علاج کی ضرورت ہے... اسے کسی اچھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔" ثروت بیگم نے خود سے کہا، اور کچن میں موجود کرسی پر آ کر بیٹھ گئیں۔

"میں ابرک سے کہتی ہوں کہ اسے کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کے بارے میں معلوم کرے ہو سکتا ہے علاج سے جلیل ٹھیک ہو جائے..." ثروت بیگم نے



Scanned with CamScanner

سوچا۔ اور اپنی جگہ سے اٹھ کر چولہا بند کرتے ہوئے ابرک کے کمرے میں آ گئیں جو شاید کہیں سے ابھی ابھی گھر واپس آیا تھا۔

ثروت بیگم نے ابرک سے بات کی، تو ابرک نے پرسوچ انداز میں اپنے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"بہت ہی اچھا سوچا ہے امی آپ نے۔ بھائی اگر علاج سے ٹھیک ہو جاتے ہیں، تو یہ ہم سب کے لیے ہی اچھا ہوگا۔

میں تو آج ہی کسی بہترین سائیکاٹرسٹ کے بارے میں معلوم کرتا ہوں۔ جیسے ہی پتا چلے گا، فوراً بھائی کے لیے اپائنٹمنٹ لے لوں گا۔"

ابرک نے پرجوش لہجے میں کہا"۔بس دعا ہے۔ کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ لیکن اُس سے پہلے ہی وہ سب کچھ ہو گیا، جس کے بارے میں کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔

اور جس نے ثروت بیگم کے گھر کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

☆☆☆

دروازے کی گھنٹی بجی تھی۔

زرکشا نے، دروازہ کھولا، اور ابرک کی طرف دیکھا۔

ابرک زور سے ماں کو آواز دے رہا تھا۔

..زرکشا، جو اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی، رُک کر ابرک کے خوشی سے بھرے چہرے کو دیکھنے لگی

"کیا ہو گیا؟"

ثروت بیگم کہتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر آ گئیں، اور مٹھائی کے ڈبے کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"امی! مجھے جاب مل گئی ہے۔ میری پسند کی۔ میری مرضی کی۔" ابرک نے خوشی سے ثروت بیگم کو خبر سنائی۔ اور ساتھ ہی ماں کو خوشی سے گول گول گھما دیا تھا۔ ارے! پاگل ہو گئے ہو؟ کیوں مجھے گرانے کا ارادہ ہے؟" ثروت بیگم نے دہائی دی تو ابرک نے ہنستے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ کھولا، ایک برفی نکال کر ماں کے منہ میں ڈال دی۔

"بھابھی، آپ بھی لیں۔"

ابرک نے دروازے کے پاس کھڑی زرکشا سے کہا، اور برفی کی ایک ڈلی اس کی طرف بڑھائی۔

"مبارک ہو..." زرکشا نے دھیرے سے کہا۔

"خیر مبارک۔"

زرکشا نے سر اٹھایا، اور ابرک کے ہاتھ سے مٹھائی لینے ہی والی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور جلیل باہر آ گیا۔

ابرک کے ہاتھ سے زرکشا کو مٹھائی کھاتا دیکھ کر جلیل ٹھٹھک کر رکا، اور وہیں کھڑا رہ گیا۔ زرکشا خوف زدہ ہو کر ذرا سا پیچھے ہٹی۔

"اچھا ہوا بھائی! آپ بھی آ گئے۔ جلدی سے مٹھائی کھائیں۔ اور۔"

اس سے پہلے کہ ابرک بات مکمل کرتا، جلیل نے غصے سے اس کے ہاتھ میں موجود مٹھائی کا ڈبہ زمین پر گرا دیا۔

زرکشا کچھ سمجھتی اس سے پہلے ہی جلیل آگے بڑھ کر اسے بالوں سے پکڑ چکا تھا۔

درد تھا یا ذلت، ثروت بیگم اور ابرک کے سامنے زرکشا کا چہرہ لال ہو چکا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ بھائی؟ چھوڑیں بھابھی کو۔"

ابرک کا لہجہ غصے سے لرزنے لگا۔

"میری بیوی ہے یہ! میری بیوی ہے۔"

جلیل نے ایک ہاتھ سے ابرک کو دھکا دیا اور زرکشا کو گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے گیا۔

"امی!... بھائی! بھابھی کو مار رہے ہیں۔"

ابرک نے ماں کے قریب آ کر ایسے کہا جیسے وہ سب کچھ دیکھ اور سن نہیں رہی تھیں۔ مگر وہ تو چپ تھیں۔

ثروت بیگم کو جانے کیوں لگا کہ اگر وہ اس وقت مداخلت کریں گی۔ تو معاملہ اور بگڑ جائے گا۔

"یہ ان کے آپس کا معاملہ ہے، سلجھا لیں گے۔"

لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد، جلیل زرکشا کو دھکے دیتے

digest library.com

ہوئے کمرے سے باہر نکال چکا تھا۔
"نکلو میرے گھر سے اور دفع ہو جاؤ۔"
وہ چیخ رہا تھا "بس کرو جلیل!"
ثروت بیگم تڑپ کر جلیل کے پاس آگئیں۔ "یہ دو نمبر ہے! ابرک کے ساتھ اس کا چکر چل رہا ہے! اور آپ... آپ بھی ملوث ہیں۔"
جلیل کا غصہ حد سے بڑھ گیا تھا۔
صوفے پر بیٹھا ابرک جھٹکے سے اٹھا، تیزی سے جلیل کی طرف لپکا، اور اس کی گردن پر اپنے بازو رکھ کر اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا۔
"بس! ایک بھی لفظ اور مت کہنا۔ ایک بھی لفظ آپ نے بھابھی یا میرے بارے میں نکالا تو لحاظ نہیں کروں گا۔"
ابرک کی آنکھیں دہک رہی تھیں۔
"طلاق دیتا ہوں میں تمہیں۔"
جلیل ابرک کے سامنے بے بس ہو کر چلایا۔
زرکشا، ثروت بیگم اور ابرک سکتے میں آگئے تھے۔
"کیا کر رہے ہو، بھائی؟"
ابرک فوراً جلیل کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔
"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں! طلاق دیتا ہوں میں تمہیں۔"
جلیل نے لمحوں میں زرکشا سے ہر رشتہ ختم کر دیا۔
"اب کیسے تم اس گھر میں رہو گی؟ نکلو میرے گھر سے۔" اس نے زرکشا کو زور سے دھکا دیا۔
زرکشا کا وجود یوں گرا، جیسے ریت کی دیوار ہو۔
ثروت بیگم کے لیے اپنی ٹانگوں پہ کھڑا ہونا مشکل ہو گیا۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔
ابھی تو ماں کے جانے کا دکھ زرکشا سنبھال بھی نہ پائی تھی، کہ طلاق کا داغ اس کے ماتھے پر لگا دیا گیا۔ ابرک ماں کے چہرے کو تھپتھپاتے ہوئے زرکشا کی طرف اشارہ کر رہا تھا، جو ہوش و حواس کھو کر زمین پر بے جان سی پڑی تھی۔
☆☆☆
اور پھر ابرک نے ریسکیو کے دفتر فون کیا، اور ان کی مدد سے بے ہوش ہوئی زرکشا کو اسپتال لے آیا۔
"انہیں شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ ویسے میں نے انہیں انجکشن دے دیے ہیں، یہ اگلے کئی گھنٹوں تک سوتی رہیں گی۔ لیکن کوشش کریں کہ ہوش میں آنے کے بعد ان کے سامنے کوئی ناگوار بات نہ ہو جس سے انہیں صدمہ پہنچے۔"
ڈاکٹر کی آواز میں تشویش تھی۔
اب ابرک اور ثروت بیگم دونوں اسپتال کے بینچ پر بیٹھے، دل میں یہی سوچ رہے تھے کہ آگے کیا ہوگا۔
لیکن جو کچھ ہو چکا تھا۔ اس سے نظر کب تک چرائی جا سکتی تھی انہوں نے جلیل سے بات کی لیکن۔
ہمت کر کے ثروت بیگم نے فیصل اور ثمرہ کو اسپتال بلا لیا تھا۔
☆☆☆
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"
ثمرہ نے حیرت سے ثروت بیگم کی طرف دیکھا، "آپ کے بیٹے نے زرکشا کو طلاق دے دی؟ اور آپ اتنے آرام سے ہمیں بتا رہی ہیں؟ ویسے بھی میں اور فیصل باہر شفٹ ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ہمارا سب کچھ مکمل ہے۔ ان ٹکیٹ، اس ماہ کے آخر میں ہماری فلائٹ ہے۔"
ثمرہ کے چہرے پر پریشانی تھی، اور لہجے میں اکتاہٹ "اور آپ کہہ رہی ہیں کہ بہو نے کچھ نہیں کیا۔ ساری غلطی جلیل کی ہے۔"
ثمرہ نے ناراضی سے خاموش بیٹھے فیصل کی طرف دیکھا۔ اور پھر ثروت بیگم کی طرف۔ جو دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھیں
"زرکشا نے کچھ نہیں کیا، ثمرہ! جو بھی کیا ہے، جلیل نے کیا ہے۔ میرے بیٹے کی غلطی ہے، اور میں بہت شرمندہ ہوں۔"
ثروت بیگم نے آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے۔ "شرمندہ ہونے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، آنٹی! سوری مت کریں، کچھ کریں! کسی بھی طرح جلیل


Scanned with CamScanner

digest library.com

سے بات کریں۔ اس سے کہیں کہ اب زرکشا کو اپنے ساتھ رکھے۔"

ثمرہ کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

ثروت بیگم نے حیرت سے ثمرہ کو دیکھا۔

وہ انہیں بتا رہی تھیں کہ جلیل نے زرکشا کو طلاق دی ہے، اور ثمرہ کہہ رہی تھی کہ اسے واپس گھر لے کر جائیں۔ جلیل سے بات کریں؟

"بات؟ کیا بات کروں۔ زرکشا کو طلاق دی جا چکی ہے۔ ایسے میں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔"

ثمرہ جھٹ سے بولی۔ "جب تک جلیل لندن نہیں جاتا، تب تک ہم زرکشا کو رکھ لیتے ہیں۔ بعد میں آپ اپنے گھر لے جانا۔ زرکشا تب تک آپ کے گھر رہے گی، جب تک ہم وہاں جا کر اسے بلانے کا بندوبست نہیں کر لیتے۔" ثمرہ غصے میں بولی۔ اور پھر فیصل کی طرف متوجہ ہوئی۔ "آپ کی ماں اور بہن نے کبھی مجھے سکون نہیں لینے دیا! میں اتنی خوش تھی، لیکن نہیں! ایک نئی پریشانی، نئی مصیبت سر پر آن کھڑی ہے۔"

ثمرہ منہ بنا کر پاؤں پٹختی ہوئی اسپتال سے باہر نکل گئی۔ ثروت بیگم اس کے رویے سے انگشت بدنداں رہ گئیں۔

ابرک خاموشی سے فیصل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بھائی، جسے بہن کا مان ہونا چاہیے تھا، صرف خاموش تھا۔

زرکشا ہوش میں آئی تو اس کی آنکھوں سے نمکین پانی، ضبط کے باوجود بہہ نکلا۔

وہ بس یہی سوچ رہی تھی کہ "کتنی دیر ہو گئی اس کے بھائی نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ تسلی کا ایک حرف نہیں کہا۔

بھائی، جو بہن کا سائبان ہوتا ہے۔ لیکن وہ تو بیوی کے اشاروں پر خاموش ہے۔

زرکشا نے آنکھیں زور سے بند کر لیں، تو پانی، آنکھوں کے کناروں سے بہہ کر کنپٹیوں سے گزرتا ہوا اس کے بالوں میں جذب ہو گیا۔

بالکل ویسے ہی جیسے آج کل زرکشا خود کو محسوس کر رہی تھی۔ اکیلی، انسانوں کے سمندر میں تنہا۔ نہ اپنی منزل کا پتا، نہ کسی راستے کی خبر۔ نہ کوئی ہمدرد، نہ کوئی مہربان ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں تھا، جس کے سہارے وہ اپنی منزل تلاش کر سکتی۔ وہ اکیلی تھی۔ بہت اکیلی، بہت تنہا بھی۔

☆☆☆

"زرکشا اسپتال سے فیصل کے ساتھ اپنے گھر آ گئی تھی، لیکن ثمرہ کا رویہ ہر دن بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔"

"میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا، آپ کی امی اپنی لاڈلی رانی کی تربیت اچھی نہیں کر رہیں۔ مرد بھلا عورت کی خوبصورتی کو کیا سمجھتا ہے؟" دل میں جگہ بنانے کے لیے عورت کو اپنا آپ مارنا پڑتا ہے، تب جا کے گھر بستے ہیں۔ ایسی لڑکیاں یہی کرتی ہیں جو آپ کی بہن نے جلیل کے گھر میں کیا۔ بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیا۔"

جب سے طلاق کی وجہ جلیل کے منہ سے پتا چلی تھی، تب سے تو ثمرہ کے ہاتھ جیسے زرکشا کو ذلیل کرنے کا بہانہ آ گیا تھا۔

اور اس پر مستزاد، فیصل نے اگلے ماہ کے ٹکٹ کینسل کروا دیے تھے یہ کہہ کر کہ جب تک زرکشا کی عدت پوری نہیں ہو جاتی اور وہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر لیتا، تب تک وہ باہر سیٹل نہیں ہوگا۔

یہ بات ثمرہ کو زرکشا سے مزید بیزار کرنے کے لیے کافی تھی۔

جیسے ہی زرکشا کی عدت کے دن ختم ہوئے، اگلے دن ہی ثروت بیگم ابرک کے ساتھ فیصل کے گھر پھر سے زرکشا کا رشتہ لینے کے لیے پہنچ چکی تھیں۔

"یہ نہیں ہو سکتا آنٹی! یہ کبھی نہیں ہوگا۔"

زرکشا نے ثروت بیگم کی بات سنتے ہی نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ ہمارا دین اور شریعت اس بات کی اجازت دیتے ہیں، اور پھر میری وجہ سے آپ کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ہے۔ اور میں ہی آپ



Scanned with CamScanner

digest library.com

کی زندگی میں سب کچھ ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔"

ابرک نے کہا تو زرکشا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ثروت بیگم کی طرف دیکھا۔

"نہیں آنٹی، ابھی بھی نہیں! جلیل کا الزام سچ ثابت ہو جائے، انہیں یہی لگے گا کہ زرکشا واقعی ویسی تھی۔"

زرکشا نے دکھی لہجے میں کہا، "جلیل کی تو تم بات ہی مت کرو۔ اس کی کسی بات سے اب مجھے یا ابرک کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"لیکن مجھے پڑتا ہے۔"

زرکشا کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ کرنے والی؟ تمہارے بھائی ابھی زندہ ہیں، سب کچھ طے تمہیں نہیں، انہیں کرنا ہے۔"

ثمرہ نے شعلہ بار نظروں سے زرکشا کو گھورتے ہوئے فیصل کو جیسے اپنے لفظوں سے جھنجھوڑا۔

"ہاں تمہاری بھابھی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، تم جاؤ یہاں سے۔"

فیصل نے زرکشا کو ڈرائنگ روم سے جانے کو کہا۔

"لیکن بھائی۔" زرکشا روہانسی ہوگئی۔

"یہاں سے جاؤ۔" فیصل سخت لہجے میں بولا۔

"آپ لوگ آرام سے بات کریں۔ اور زرکشا! کوئی زبردستی نہیں ہے آپ کے ساتھ، اور دوسروں کو بھی آپ کے ساتھ زبردستی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ سوچ لیں، سمجھ لیں، پھر جواب دیں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔"

ابرک نے ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے کہا تو ایک ممنونیت کا جہاں زرکشا کی آنکھوں میں آباد ہوا، لیکن اسے سوچنے کا وقت دینا ثمرہ کو سخت ناگوار گزرا۔

☆☆☆

ابرک اور ثروت بیگم کو آئے ایک ہفتہ ہوا تھا اس ایک ہفتے میں ثمرہ فیصل سے کئی بار لڑ چکی تھی۔

اسے باہر جانا تھا۔ اور یہاں فیصل زرکشا کو اکیلا چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا۔

ادھر رشتے کے لیے زرکشا کا شدت سے انکار تھا، اور دوسری طرف ثمرہ کا ضبط ختم ہو رہا تھا۔

اس دن بھی ثمرہ اور فیصل دونوں کے بیچ شدید لڑائی ہوئی تھی۔

اتنی کہ ثمرہ نے حسن کا ہاتھ تھاما اور اپنے میکے جانے لیے کمرے سے تیار ہوگئی۔

باہر لاؤنج میں کھڑی زرکشا کے پاس آ کر بولی "اپنا گھر تو تم بسا نہ سکیں، میرے بسے بسائے گھر کو اجاڑنے آئی ہو۔ تم طلاق لے کر یہاں آ گئی ہو۔ اور اپنے بھائی سے کہنا کہ مجھے طلاق میرے گھر بھجوا دے۔ پھر تم دونوں بہن بھائی اپنی اپنی طلاق کو ماتھے پر سجا کر اس گھر میں رہو۔"

ثمرہ غصے سے پھنکارتی ہوئی زرکشا کی طرف دیکھ کر آگے کی جانب بڑھی۔

زرکشا نے روتے ہوئے سر نفی میں ہلایا اور آگے بڑھ کر ثمرہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"بھابھی... پلیز... ایسا مت کریں... میں شادی کے لیے راضی ہوں۔"

اس کی خواہش، اس کی مرضی کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ صرف دو دن بعد وہ اسی گھر میں دوبارہ ایک نئی پہچان کے ساتھ لوٹی۔ اب کی بار ابرک کے نام کی چادر اوڑھ کر اس گھر میں آئی تھی۔

گھر وہی تھا، لوگ وہی تھے، مگر رشتے بدل چکے تھے۔ زرکشا کنفیوژن میں ڈوبی تھی، وہ خود کو کسی انجان جزیرے پر کھڑا محسوس کر رہی تھی جہاں کوئی سمت، کوئی شناخت باقی نہ بچی ہو۔

ثروت بیگم اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ ابرک جو تھوڑی دیر پہلے ہی گھر آیا تھا، زرکشا کو لاؤنج میں یوں خاموش بیٹھے دیکھ کر پل بھر کو رکا، پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کچھ دیر بعد، جب وہ تازہ دم ہو کر دوبارہ لاؤنج میں آیا، تو زرکشا اب بھی وہیں بیٹھی تھی۔ سر



Scanned with CamScanner

digest library.com

جھکائے، اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو یوں گھور رہی تھی جیسے ان سے کوئی جواب مانگ رہی ہو۔

"یہیں بیٹھنے کا ارادہ ہے؟" ابرک نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا، ساتھ ہی مسکرا دیا۔

وہ اس کے قریب آبیٹھا اور اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔ زرکشا کی نگاہ اب بھی جھکی ہوئی تھی، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز۔

ابرک نے نرمی سے اس کی پلکوں پر ٹھہرے موتیوں کو انگلی کی پور سے چنا اور آہستہ سے کہا

"میں جانتا ہوں... تم ایسی نہیں ہو۔ تم نے کبھی مجھے کسی اور نظر سے نہیں دیکھا۔"

زرکشا کچھ کہنے لگی تھی، شاید صفائی دینا چاہتی تھی، مگر ابرک نے اپنے ہاتھ کی انگلی اس کے ہونٹوں پر رکھ دی۔

"اگر تم نے مجھے وضاحتیں دینا شروع کیں تو مجھے لگے گا جیسے میں نے تمہیں جھوٹا سمجھا۔ اور میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

ابرک کی آواز میں دکھ اور گہری سچائی تھی۔

"مجھے افسوس سے زیادہ دکھ ہے کہ میرے بھائی نے تم جیسی اچھی لڑکی پر یقین نہیں کیا... مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔"

وہ تھوڑا رکا، پھر آہستہ سے بولا

"تمہیں پتا ہے؟ جلیل جانتا تھا کہ ہمارے درمیان کچھ نہیں ہے... کچھ بھی نہیں۔ لیکن اس کے اندر کا کمزور انسان... وہ تمہیں مسکراتا دیکھ کر ڈر جاتا تھا۔ ڈر کہ کہیں تم اسے چھوڑ نہ دو۔ اور اسی ڈر نے، اسی احساس کمتری نے، اسے شک میں مبتلا کر دیا۔

شک... جو دیمک کی طرح رشتوں کو چاٹ جاتا ہے۔ ایسا انسان نہ خود خوش رہتا ہے، نہ اپنے ساتھ رہنے والوں کو جینے دیتا ہے۔

آخر میں... وہ اکیلا رہ جاتا ہے۔ بہت اکیلا۔

ابرک نے ایک گہرا سانس لیا، سر کو جھٹکا اور کھڑا ہو گیا۔

"لیکن ہم اب کیوں کسی ایسے انسان کو ڈسکس کر رہے ہیں، جس نے اپنے ہی رشتے کو رسوا کر دیا؟"

اس نے دوبارہ نرمی سے اپنا ہاتھ زرکشا کی طرف بڑھایا۔

...زرکشا اب بھی تذبذب میں تھی

ابرک نے گہرا سانس لیا۔ اور واپس زرکشا کے پاس آبیٹھا۔ "کوئی بات پریشان کر رہی ہے؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

آنسو اب بارش کے قطروں کی صورت اس کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔

"زرکشا!" ابرک نے اسے پکارا۔"

اگر آپ نے بھی میرے ساتھ اپنے ... "بھائی کی طرح کیا تو؟"

اس کے لہجے میں ڈر تھا اور لفظوں میں خوف۔

"میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں زرکشا۔ تم بہت اچھی ہو، اتنی اچھی کہ تمہارے چند ماہ اس گھر سے دور ہونے سے مجھے اور امی کو اس بات کا اور بھی شدت سے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمیں تمہاری عادت ہو گئی ہے۔ ہنستی مسکراتی یہاں وہاں پھرتی، امی کے ساتھ ڈرامے دیکھتی، کچن میں نت نئے پکوان پکاتی، ایسا لگنے لگا تھا جیسے تم برسوں سے ہمارے ساتھ، ہمارے گھر میں رہتی رہی ہو۔ امی تمہارے بغیر بہت اداس ہو گئی ہیں

اور جلیل بھائی نے جو بلا وجہ تمہارے ساتھ سلوک کیا، اور اس دن جب میں نے مٹھائی کھلانے کی کوشش کی۔

اور اس کے بعد جو بھی ہوا۔

مجھے یہ دکھ ہوتا تھا کہ میری غلطی کی وجہ سے تمہیں اس گھر سے جانا پڑا۔ تمہیں واپس گھر بھی تو لانا تھا، پھر اس سے اچھا اور بہترین کوئی اور طریقہ نہیں تھا کہ میں تمہیں اپنا محرم بنا کر اپنے گھر میں واپس لاؤں۔ اور ویسے ایک بات ہے۔ ثمرہ بھابھی نے شاید زندگی میں پہلی بار اچھا کام کیا۔ فیصل بھائی سے لڑائی کر کے۔ اگر وہ ان کے ساتھ لڑائی نہ کرتیں



Scanned with CamScanner

digest.library.com

تو تم کبھی مجھ سے شادی کے لیے راضی نہ ہوتیں۔
اور امی نے تمہارے سوا میری شادی کسی اور سے کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔ اور اس سب میں سب سے زیادہ نقصان مجھ بے چارے غریب کا ہی ہوتا۔ صبح کو اسپیشل ثمرہ بھابی کو کال کر کے ان کا شکریہ ادا کروں گا۔" ابرک نے شرارت سے کہا۔
تو روتی ہوئی زرکشا جانے کیوں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی اور اسے یوں ہنستا دیکھ کر ابرک بھی کھل کر ہنسا تھا
زرکشا نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا جسے ابرک نے گرم جوشی کے ساتھ تھام لیا تھا۔

☆☆☆

کھٹکے کی آواز میں خیالوں میں کھوئی زرکشا چونکی تھی ابرک بیٹے کو گود میں اٹھائے کمرے میں آیا تھا۔
"قاسم سو رہا تھا۔"
ابرک نے قاسم کو بیڈ پر لٹا کر اس کے اوپر کمبل دیا۔ اور کھڑکی کے پاس کھڑی زرکشا کے قریب آ کر اس کے کندھے کے گرد اپنے بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔
"وہ کیوں آئے ہیں۔" زرکشا نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"امی سے ملنے آئے ہیں، یوں بھی ان کا بھی تو گھر ہے، وہ کبھی بھی آ سکتے ہیں، اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے؟"
ابرک نے زرکشا کو دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔
جلیل پورے چار سال کے بعد پاکستان آیا تھا، یعنی ابرک اور زرکشا کی شادی کے بعد پہلی بار گھر آیا تھا۔
یوں تو ثروت بیگم جلیل کو ابرک اور زرکشا کی شادی کے بارے میں بتا چکی تھیں۔ اس وقت جلیل کے لبوں پہ معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔
"ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جلیل، میں نے ابرک اور زرکشا، کی شادی کروائی، وہ تو مان ہی نہیں رہی تھی۔"
ثروت بیگم کو بیٹے کی مسکراہٹ بہت بری لگی تھی۔
"چلیں، اچھا کیا جو بھی کیا۔" جلیل نے لاپروائی سے کہا تھا۔"
"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔"
ابرک نے زرکشا کے کندھے پہ ہلکا سا دباؤ ڈالا
"مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔"
"زرکشا تم بہت بھولی ہو۔ حالانکہ ڈرنا تو انہیں تم سے چاہیے۔"
ابرک نے زرکشا کی ناک کی نوک کو ذرا سا دبایا!
"میں سچ کہہ رہی ہوں۔"
زرکشا روہانسی ہوئی تھی۔ "پہلی بات یہ ہے کہ وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں کچھ کہیں گے، تو تم، زرکشا ابرک ہو۔ میرے نام کا تمہارے نام کے ساتھ لگ جانا ہی کافی ہے۔
"زرکشا اب کبھی بھی کمزور اور ڈری لڑکی نہیں ہو سکتی، مجھے تو اپنی زرکشا پہ یقین ہے، پتا نہیں تمہیں مجھ پہ کیوں یقین نہیں۔" ابرک نے کہہ کر اپنے ہونٹوں کو تھوڑا سا سکیڑا اور لاپروائی سے اپنے کندھوں کو اچکایا۔
زرکشا نے کچھ بھی کہے بغیر سر اٹھا کر ابرک کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں محبت تھی۔ اعتماد تھا یقین تھا۔
کھڑکی سے نظر آتے چاند نے مسکرا کر ان دونوں کو دیکھا اور اپنے ستاروں کے سنگ اپنی منزل کی جانب آہستگی سے سرکنے لگا۔

☆☆☆

جلیل کو گھر آئے تین دن ہو چکے ہیں
اور ان تین دنوں میں زرکشا اپنی پوری کوشش

digest library.com

رہی تھی کہ اس کا سامنا جلیل سے نہ ہو پائے
اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہی تھی،
لیکن کب تک؟

ایک گھر میں رہتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا سامنا جلیل سے نہ ہو پاتا۔

اس دن وہ دوپہر کا کھانا بنانے میں معروف تھی جب کچن کے دروازے پہ کوئی آ کر کھڑا ہوا۔

چاولوں میں، چمچ پھیرتے ہوئے زرکشا نے کسی کی آمد کو محسوس کیا

اس کے عقب میں خاموشی محسوس ہوئی۔

اور اپنے عقب میں خاموشی محسوس کر کے زرکشا مسکرائی۔ اُسے لگا ابرک آیا ہے۔

چولہے کی آنچ کو دم پہ رکھتے ہوئے وہ پلٹی۔

تو جیسے ساکت ہو گئی۔ اس کی عقب میں جلیل، گہری نظروں سے زرکشا کو دیکھ رہا تھا۔

زرخشا نے فوراً اپنی نظروں کو جلیل کے چہرے سے ہٹا لیا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتی جلیل اس کے راستے میں حائل ہوا۔

"پلیز" زرکشا نے غصے سے ہلکی آواز میں کہا۔

"میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں زرکشا! میں نے جو کیا غلط کیا۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔" جلیل کا لہجہ معذرت بھرا تھا۔

"جو ہو گیا، وہ ہو گیا۔ میں سب بھول چکی ہوں، آپ بھی بھول جائیں۔"

زرکشا نے کہہ کر وہاں سے جانا چاہا تھا۔

جب جلیل ایک بار پھر اس کے راستے میں آیا

"لیکن میں تمہیں بھول پا رہا۔ یہاں آ کر تمہیں دیکھنے کے بعد یہ احساس مجھے زیادہ کچھ زیادہ ہی کچوکے لگا رہا ہے۔ میں نے جلد بازی میں اپنی شکی طبیعت کی وجہ سے تمہیں اپنی زندگی سے نکال کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے جلیل نے اس کے ہاتھ کو تھامنا چاہا

جسے زرکشا نے فوراً [illegible] تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

زرکشا کے ماتھے پہ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکی تھیں۔

اس سے پہلے کہ جلیل مزید کچھ کہتا۔

اس کے عقب میں ابرک کا سراپا نمودار ہوا تھا۔

زرکشا کا دل ابرک کو دیکھ کر زور سے سکڑا تھا۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟" ابرک نے نارمل سے لہجے میں پوچھا۔

جلیل ابرک کی آواز سن کر پلٹا اور مسکرا دیا

"ہاں ہاں۔ سب ٹھیک ہے۔" "بس ہم دونوں ذرا کچھ بات کر رہے تھے۔"

جلیل کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی

"اچھا" ابرک نے نارمل انداز میں سر کو ہلایا اور زرکشا کی طرف متوجہ ہوا۔

"یار، میں نے تمہیں اتنی دیر سے کہا ہوا ہے، ایک کپ چائے بنا دو، تھوڑا سا آفس ورک ہے اس کو مکمل کرنا ہے، کام کر کر کے سر میں درد ہو گیا ہے۔"

"بلکہ ایسا کرو، ایک کپ چائے کے ساتھ مجھے پیناڈول بھی دے کر جاؤ۔"

ابرک نے معروف سے انداز میں کہا اور پلٹ گیا۔

جلیل نے پلٹ کر زرکشا کی طرف دیکھا

اپنے ہونٹوں کو سکیڑا اور پھر کندھوں کو اچکا کر خود بھی کچن سے باہر چلا گیا۔

زرکشا نے بے بسی سے جلیل کی پشت کو دیکھا

"یا اللہ یہ جلدی باہر چلا جائے۔"

زرکشا نے اپنا سر اوپر کر کے دعا کی۔

اور پلٹ کر ابرک کے لیے چائے بنانے لگی۔

☆☆☆

اور پھر ایسے ہی ہونے لگا تھا۔ جلیل جب بھی زرکشا کو اکیلا دیکھتا، اس کے پاس آ دھمکتا، کبھی کسی کام کے حوالے سے تو کبھی کسی چیز کے بہانے۔



Scanned with CamScanner

digest.library.com

لگی تھی۔

زرکشا کو اس کی موجودگی سے الجھن ہونے لگی تھی۔

لیکن وہ کس سے کہتی، جتنا گھر ابرک کا تھا، اتنا ہی جلیل کا لیکن جلیل ہر گزرتے دن کے ساتھ پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ اس دن بھی وہ سب کھانا کھا رہے تھے

جب جلیل زرکشا کی طرف دیکھنے لگا۔

جلیل کے یوں دیکھنے پر زرکشا کنفیوز ہوئی تھی۔

"تم نے نوز پن چینج کر لی، اچھی لگ رہی ہے۔ یہ نوز پن تمہارے چہرے پہ خوب صورت رہی ہے۔"

جلیل نے زرکشا کی ناک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ میرون کلر کی نوز پن کل ہی ابرک اس کے لیے لے کر آیا تھا۔ جو زرکشا کے سفید رنگ پر کچھ زیادہ ہی کھل رہی تھی۔

زرکشا کو جلیل کا یوں کہنا اور دیکھنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

اس نے فوراً ہی اپنے ہاتھ میں موجود روٹی کے نوالے کو پلیٹ میں رکھا اور قاسم کو گود میں اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"ایکسکیوز می بھائی! زرکشا اب میری بیوی ہے۔ سو پلیز لحاظ کیا کریں۔"

ابرک نے ناراضی سے کہتے ہوئے جلیل کو دیکھا۔

"میں تو بس۔" جلیل نے کچھ کہنا چاہا۔

"ابرک ٹھیک کہہ رہا ہے جلیل، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔"

ثروت بیگم کو بھی جلیل کا کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"آپ لوگ تو ایسے ہی ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے تو ویسے بات کر دی تھی۔"

جلیل نے کہتے ہوئے اپنے کندھوں کو لاپروائی سے اچکایا۔

"امی قیمے کا ڈونگا دیں پلیز۔"

جلیل نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا

ثروت بیگم نے ڈونگا اٹھا کر جلیل کے سامنے کر دیا۔ اور فکرمندی سے ابرک کی طرف دیکھا۔

جو اب کھانا ادھورا چھوڑ کر سے اٹھ رہا تھا۔

"ٹھیک سے کھانا تو کھا لو۔"

ثروت بیگم نے فکرمندی سے کہا۔

"کھا لیا۔" ابرک نے کہا اور ٹیبل پہ پڑا اپنا فون اٹھا کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو جلیل۔" ثروت بیگم نے تاسف سے بڑے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" جلیل نے الٹا ماں سے سوال کیا تو ثروت بیگم بڑبڑا کر رہ گئی۔

☆☆☆

"تمہیں کیا لگتا ہے، مجھے دھوکا دینے میری ناک کے نیچے میرے بھائی سے چکر چلانے کے بعد۔"

"تم اس سے شادی کر کے مزے سے زندگی گزارو گی؟"

وہ چھت سے کپڑے اتارنے کے لیے آئی تھی۔

جب جلیل دبے قدموں اس کے پیچھے اوپر چلا گیا تھا۔

اور اب دونوں ہاتھوں کو پینٹ کی جیبوں میں ڈالے۔ وہ دور آسمان پہ اڑتے پرندوں کی طرف دیکھتے ہوئے زرکشا سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا تھا۔" زرکشا نے نرم لہجے میں کہا۔ تو جلیل نے اپنی نظروں کو دور آسمان سے ہٹا کر زرکشا کے چہرے کی طرف دیکھا۔

زرکشا نے سراسیمگی نظروں سے جلیل کی طرف دیکھا

جس کا لہجہ ٹھنڈا اور آنکھیں شعلہ بار تھیں۔

میں تمہیں برباد کر دوں گا۔ میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ رات ابرک تم سے لڑائی کر رہا تھا نا؟

میں نے سنا تھا میں اپنے لیے پانی لینے کے

digest library.com

لیے کچن میں جا رہا تھا تو تمہارے دروازے کے سامنے گزرتے ہوئے، میں نے سنا تھا وہ غصے میں بول رہا تھا۔ سوری، میں امی کے آنے کے ڈر کی وجہ سے بات نہیں سن سکا تو وہ بات تو مجھے بتا دو جس بات پہ ابرک تم پہ غصہ کر رہا تھا۔"

جلیل نے جھک کر زرکشا کی آنکھوں میں جھانکا جہاں نمکین پانی تیزی سے اکٹھا ہوتا جا رہا تھا۔

زرکشا دھیرے سے پلٹی اور بنا کچھ کہے سیڑھیاں اترنے لگی۔

اس کے سامنے موجود جلیل کے لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

زرکشا قاسم کو ثروت بیگم کو تھما کر خود نہانے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جب وہ اپنے بالوں میں تولیہ لپیٹے، بنا دوپٹے کے کمرے میں آئی، جلیل بیڈ سے اٹھ کر تیزی سے اس کے قریب آیا۔ "آپ" زرکشا نے غصے سے اپنے سامنے کھڑے جلیل کو دھکا دیا۔

اور اس سے پہلے زرکشا آگے بڑھ کر صوفے کی پشت پر پڑے اپنے دوپٹے کو اوڑھتی اس سے پہلے ہی جلیل بات کو بدل چکا تھا۔

"مجھے جانے دو، تم نے مجھے کیوں اپنے کمرے میں بلایا ہے؟"

جلیل کہتا ہوا پلٹا، اور اپنی عقب میں حیران کھڑے ابرک کو دیکھ کر رکا۔

زرکشا کی نظروں نے ابرک کو دیکھا۔ تو اسے لگا جیسے وہ ایک بار پھر جیتے جی مر گئی ہے

ٹانگیں اس کا وجود، اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر رہی تھیں۔

بے جان ہوتے وجود کے ساتھ زرکشا صوفے کے کنارے بیٹھتی چلی گئی۔

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گی جیسا اس نے میرے ساتھ کیا تھا۔ ایسی لڑکیوں کو اپنی خوب صورتی پہ گمان

[illegible] اس سے پہلے کہ جلیل اپنی بات مکمل کر پاتا ابرک نے اپنی پوری قوت سے جلیل کے جبڑے پر مکا رسید کر دیا۔ جلیل مکمل طور پر سنبھل نہ پایا۔ جب ابرک نے ایک اور مکا اس کے چہرے پہ رسید کیا اور اب وہ جلیل کا گریبان پکڑے اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

جب ثروت بیگم ہانپتی کانپتی ابرک کے کمرے کے دروازے پہ آ کر رکیں۔

"یہ میری بیوی ہے، میری محرم ہے۔ میں جانتا ہوں اسے، اور مجھے پتا ہے اس کا بھی، اور اس کے کردار کا بھی۔"

لفظ تھے کہ امرت جو ابرک کے لبوں سے نکل کر زرکشا کی سماعتوں سے ٹکراتے ہوئے اس کے مرتے وجود کو زندہ کر رہے تھے۔ سینے میں کہیں اٹکی کوئی سانس کو ابرک کے لفظوں سے روانی ملی تھی تو ایک سسکی زرکشا کے لبوں پر آ کر رکی تھی۔

"نکلیں میرے کمرے سے۔" ابرک اب جلیل کو اپنے ساتھ کھینچ کر لے کر جا رہا تھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ امی اس لڑکی نے اس پر کوئی جادو کروا دیا ہے۔ مجھے خود زرکشا نے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔"

"بس۔" ابرک نے رک کر ایک اور مکہ جلیل کے چہرے پہ مارا خون ایک فوارے کی طرح اس کے ہونٹوں سے نکلا تھا۔

"یہ میری بیوی ہے۔" ابرک پلٹ کر صوفے پر ڈر کر بیٹھی زرکشا کو بازو سے کھینچ کر جلیل کے سامنے لایا تھا۔

"مجھے یقین ہے، اس پہ خود سے بھی زیادہ یقین ہے۔ اس کا کردار پہلے بھی اچھا تھا، آج بھی اچھا ہے۔ لیکن مسئلہ پتا کیا ہے؟ ایسے مضبوط کردار کی لڑکیاں جانے آپ جیسے گرے لوگوں سے کیوں ڈرتی ہیں؟"

پہلی بار میں ہی منہ توڑ دیا جائے، آپ جیسے لوگوں کا تو یہ نوبت نہیں آئے۔



Scanned with CamScanner

digest.library.com

اور ابرک اب نے زرکشا کی سمت پلٹا۔

''پرسوں میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اگر یہ تم سے کوئی بھی الٹی سیدھی بات کریں۔ مجھے بتانے سے پہلے اپنی پوری قوت سے ان کے چہرے پر تھپڑ رسید کرنا۔''

ابرک نے غصے سے زرکشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے میری بات پہ عمل نہیں کیا۔ تم جیسی لڑکیاں ایسے لوگوں سے ڈر کر، انہیں اور بھی شیر بنا دیتی ہو۔''

ابرک نے کہتے ہوئے زرکشا کی طرف دیکھا۔

''ابرک! میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' جلیل نے جیسے ایک اور کوشش کی تھی۔

''بس کر دیں۔ اب تو بس کر دیں۔ امی ہیں۔ میں ہوں۔ ایک بار تو ان رشتوں کا احترام کر لیتے آپ۔''

ابرک کے لہجے میں دکھ اور درد تھا۔ اپنے حلق میں اٹکے آنسوؤں کے گولے کو اپنے اندر اتارا اور اپنے سامنے کھڑی ماں کی طرف دیکھا۔

''یہاں سے چلے جاؤ، جلیل! اب کبھی واپس نہیں آنا سوائے اس کے جب تمہیں ابرک میرے مرنے کی اطلاع دے۔ تو آخری بار مجھے رخصت کرنے کے لیے آ جانا، اس سے زیادہ ہم تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔''

ثروت بیگم نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ جلیل ماں کے عقب میں لپکا لیکن تب تک ثروت بیگم اپنے کمرے کا دروازہ لاک کر چکی تھیں۔

جلیل نے پلٹ کر ابرک کے کمرے کی طرف دیکھا

تو ایک آخری نظر بھائی پہ ڈالنے کے بعد ابرک نے بھی اپنے کمرے کا دروازہ جلیل پہ بند کر دیا تھا۔

روتی ہوئی زرکشا ابرک کے پاس آ کر بیٹھی۔

[illegible] زرکشا، ابرک [illegible] رو دی۔

''مجھے معاف کر دو۔'' زرکشا نے روتے ہوئے کہا۔

''معاف کر دوں۔ اتنا کہنے کے باوجود، تم مجھ پر اعتماد نہ کر سکیں۔''

ابرک نے ناراضی سے اپنے ہاتھ کو زرکشا کے ہاتھ سے الگ کیا۔

لیکن وہ پھر بھی اس کا بازو تھام کر رونے لگی۔

''اب کیوں رو رہی ہو؟'' ابرک نے خفگی سے زرکشا کی طرف دیکھا۔

''سوری!'' زرکشا نے کہہ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو پکڑا۔

''ابرک! میں ڈر گئی تھی۔ کیوں کہ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی تھی، میں خوف زدہ ہو گئی تھی کہ کہیں آپ نے ان کی بات کو مان لیا تو میں مر ہی جاؤں گی آپ کے بنا میں مر جاؤں گی۔

میں سچ میں مر جاؤں گی۔'' زرکشا رو رہی تھی۔

''پاگل ہو تم۔ جہاں محبت ہو وہاں، یقین ہوتا ہے اور مجھے تم پہ خود سے زیادہ یقین ہے۔'' ابرک نے جیسے جہاں بھر کی خوشی کو زرکشا کی ہتھیلی پر سجایا تو زرکشا ابرک سے دور ہوئی اس کی آنکھوں میں دیکھتی، ہنسنے پہ آئی تو وہ ہنستی چلی گئی۔

محبت، یقین، اعتبار، اُس کے پاس تو سب تھا۔ زرکشا نے اپنا سر ابرک کے کندھے پر رکھا۔

''میری محبت زرکشا ہے۔'' ابرک نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''محبت ابرک ہے۔''

زرکشا نے کہا اور وہ دونوں جہان کی سب سے خوبصورت ہنسی اپنے لبوں پہ سجائے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

آج ایک مرد نے عورت کو اعتبار دے کر معتبر کر دیا تھا اور عورت نے اپنی وفا اور محبت اس کے نام کر کے اس کی زندگی کو خوب صورتی عطا کی تھی۔

☆☆



Scanned with CamScanner

سمیعہ حمیر

# بازی گدہ

مکمل ناول

digest library.com

چاروں طرف، بلند ہوتی [illegible] اذان کا فسوں تھا، گمان ہوتا تھا جیسے اذان آسمان سے نازل ہو رہی ہو۔ محلے کی بے ترتیب چھتوں سے ٹکرا کر اذان کی دعوت صحنوں میں اتر رہی تھی۔ غزالہ بیگم بھی بظاہر اللہ کی یاد میں بستر سے اٹھی تھیں۔ لیکن اصل میں انہوں نے اپنے شوہر کے لیے وضو کا پانی گرم کرنا تھا، ورنہ کچھ دیر اور دادگھ لیٹتیں۔ انہوں نے وضو کے لیے نلکا کھولا تو پانی کی جگہ ہوا نمودار ہوئی، اس لیے انہیں صحیح معنوں میں اللہ یاد آنے لگا۔

"جب تک بوتلوں میں بند ہو کر بکتا نہیں تھا تب تک نلکوں میں پانی وافر آتا تھا۔" وہ نلکے کی پشت تھپک کر اس کو بھی خوف خدا یاد کروانے لگیں۔ مگر وہ ہوا اگلنے سے باز نہ آیا۔

صبح صبح ہی بوجھل پن نے انہیں آلیا۔ وہ پلٹی ہی تھیں کہ اسی لمحے موٹر چلنے کی آواز آئی۔ کھلے نلکے سے پانی شرشر بہنے لگا۔ وہ بے ساختہ مسکرائیں۔

"میرے کہنے سے پہلے ہی میری بات پوری کر دیتا ہے۔ یا اللہ میرے بیٹے کے لیے اجر بھی اس کی خدمت گزاری کے حساب سے لکھنا۔" وہ مطمئن ہو کر وضو کے لیے پانی لینے لگیں۔

☆☆☆

فواد چھت پر ٹنکی کے پاس دونوں قدم جمائے کھڑا تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے وہ سامنے سے ابھرتا سورج دیکھ رہا تھا۔ بظاہر لگتا تھا کہ سورج ڈوب کر ابھرا ہے۔ مگر جاننے والے سمجھتے تھے کہ سورج تو کبھی ڈوبا ہی نہیں تھا۔ وہ تو گردش میں مگن تھا۔ ایک جگہ اوجھل تو دوسری جگہ نمودار۔ انسان کے حالات بھی ایسے ہی گردش میں رہتے ہیں۔ کبھی نارنجی اجالا، کبھی سونے جیسی چمک تو کبھی سیاہ رات۔ کچھ بھی لافانی نہیں ہے۔ آزمائش بھی نہیں۔ ابھرتا سورج روز اس کو ایک نئی سیکھ دے جاتا جسے وہ لپک کر اپنی ہتھیلی میں تھام لیتا۔

روز [illegible] فواد کو قریب پڑی کتاب کا خیال آیا۔ اس نے [illegible] اٹھانی چاہی تو فرنٹ پاکٹ سے ایک سکہ [illegible] اور لڑھکنے لگا۔ فواد نے فوراً سکہ اچک لیا۔ اس کی جیب میں ویسے ہی دو اور سکے موجود تھے۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے وہ دونوں سکے بھی نکال لیے اور اپنی ہتھیلی پر رکھے۔ نگاہیں اس نے آسمان کی طرف اٹھائیں جیسے آسمان والے کو اپنی مختصر سی جمع پونجی دکھا رہا ہو۔ لیکن ماتھے پر بل پڑنے کے بجائے اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔

"اے خدا! یہ جو سورج طلوع ہوا ہے۔ اس کی کرنوں کے تو نے کبھی پیسے نہیں لیے ہوا کا کوئی کرایہ نہیں دینا پڑتا۔ نہ ہی تو بارش برسانے کا بل مانگتا ہے۔ میں جب دیکھتا ہوں کہ کتنی انمول نعمتیں تو بنا مانگے مفت میں دے دیتا ہے تو اپنی جیب کے یہ چند سکے بھی خزانے کی مانند لگنے لگتے ہیں۔"

یہ سوچ کر اس نے تینوں سکے فاتحانہ انداز میں ایک ساتھ ہوا میں اچھالے اور ایک ساتھ کیچ کر لیے۔

☆☆☆

پینٹ شرٹ اور ٹائی پہنے ہاتھ میں ٹیب پکڑے اویس لمبی سانسیں لے کر خود کو پرسکون کر رہا تھا۔ اس کے سامنے گیلانی ہاؤس کا لمبا کوریڈور تھا۔ جس کے اختتام پر شاہد گیلانی کا پرسنل چیمبر تھا۔ یہ اویس کی نئی نئی روٹین تھی پھر بھی روزانہ شاہد گیلانی کے روبرو جانے



Scanned with CamScanner

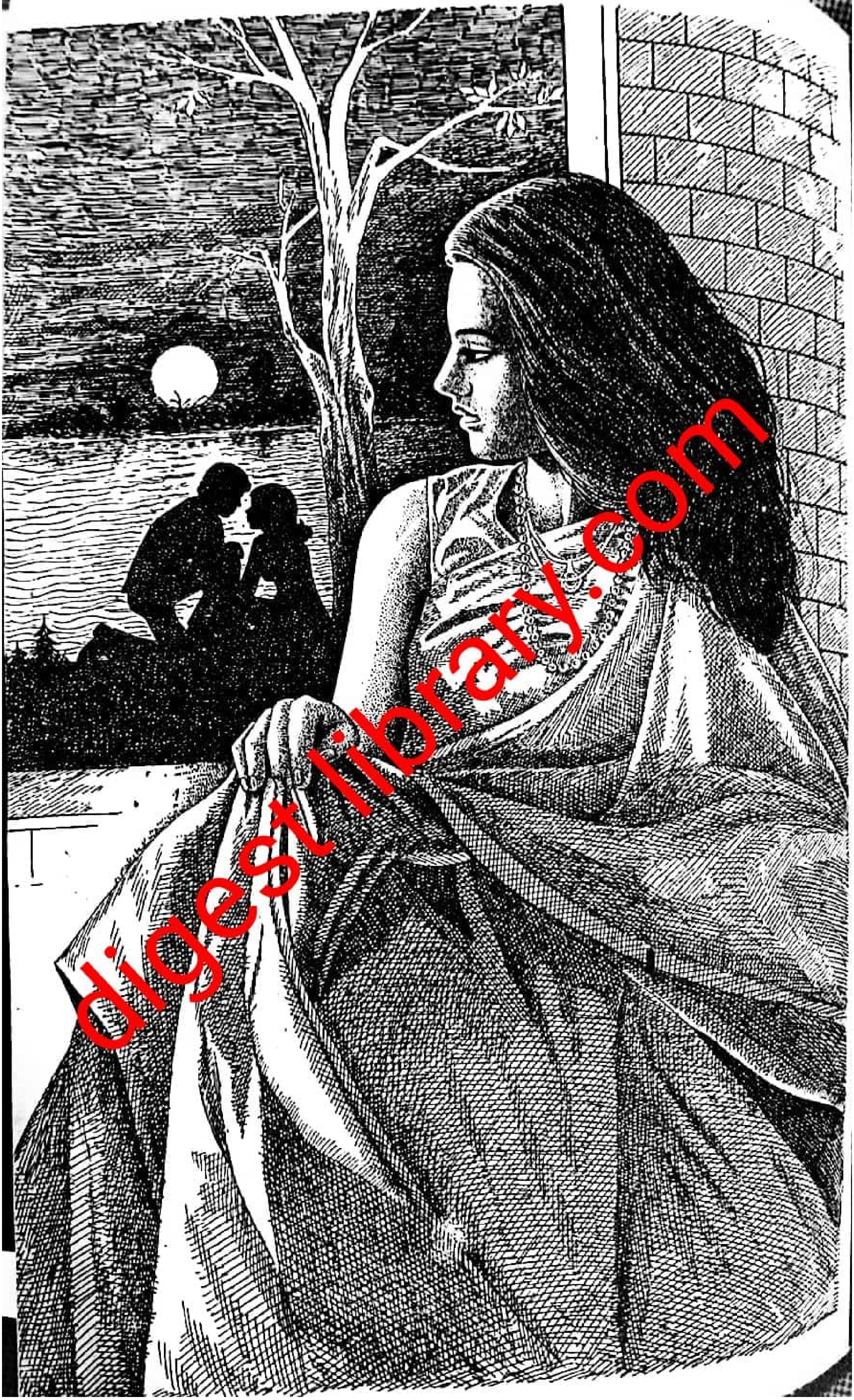
digest library.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

سے پہلے ،رعب سے اس کی شخصیت فرور کا پتی تھی۔

"ایک..... دو..... تین" کسرتی جسم اور لمبے بالوں والا نوجوان ٹرینر شاہد گیلانی کی پش اپس گن رہا تھا۔ ٹرینر کے ہاتھ کی ہر جنبش کے ساتھ شاہد گیلانی دونوں ہاتھ پر زور ڈال کر بغیر کسی مشقت کے زمین سے اٹھ رہے تھے۔

ان کا جسم پچپن کا ہندسہ عبور کر چکا تھا۔ مگر چالیس سے اوپر کا نہیں لگتا تھا۔ جبکہ اس کا ذہن سو آدمیوں جتنا کام تن تنہا کرتا تھا۔ گیلانی ہاؤس کی ایک منزل زمین کے نیچے اور دو زمین کے اوپر تھیں۔ اس پرشکوہ مکان کے چاروں طرف پھیلا لان اتنا وسیع تھا کہ مکان کا سایہ بیرونی دیوار کو چھوئے بغیر زمین پر پڑتا تھا۔ اس گھر کا مالک شاہد گیلانی اپنے ذہن اور جسم کو اپنے بینک اکاؤنٹ سے بھی تگڑا رکھنا جانتا تھا۔

"تھنڈز۔" شاہد گیلانی پش اپس کر کے اٹھے اور ٹریڈمل پر کھڑے ہو گئے۔ پاس کھڑا اپنی باری کا انتظار کرتا اویس اپنے باس کے حکم کی تعمیل کو پہنچا اور اس نے ٹی وی لگا دیا۔

"بولو۔" ہیڈ لائنز سننے کے بعد شاہد نے اویس کو اجازت دی۔ شاہد ٹریڈمل پر چہل قدمی کے انداز میں چل رہا تھا۔

اویس ٹیب آن کر کے اپنے نوٹس پڑھنے لگا۔

"جاوید شکیل نے اسپیکر صاحب کے آنر میں جو پارٹی رکھی ہے، اس میں آپ کی شمولیت میں نے کنفرم کر دی ہے۔ یاسر بخاری کے آفس سے میٹنگ کا ٹیلہ آج آئے گا۔ رامین میڈم کے یونی ورسٹی جوائن کرنے کے تمام ارینجمنٹ ہو چکے ہیں۔ گھر میں نئی اسٹاف بھی اپائنٹ کر دیا ہے فلائٹ پر یفرنس یا تو میں چیک کر لیتا ہوں۔"

... صاحب کے قدم رک گئے۔ اس نے ٹریڈ ... الیا۔ اس طویل وررش میں وہ پہلی بار ... اکلوتی بیٹی کے دوسرے ملک جانے کے

... وہ پہلے بھی اسے باہر بھیج

چکے تھے۔ اور بیچ کر پچھتائے تھے۔ کرونا کی وبا نے اسے پردیس میں قید کر چھوڑا تھا۔ اس کی نازوں پلی بچی، ڈبوں میں بند کھانا کھانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ یو۔ ایس میں آرمی باقاعدہ سڑکوں پر گشت کر رہی تھی کہ کہیں کوئی باہر نہ نکلے۔ رامین کی ہاؤس کیپر، فوڈ ڈلیوری سب بند ہو گیا تھا اور وہ تنہا شدید اسٹریس میں آ گئی تھی۔ شاہد گیلانی کس طرح اسے ہفتوں کی کوشش کے بعد واپس لائے تھے۔ وہ یاد کر کے اب بھی ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اب رامین پھر دور جانے کو تیار تھی۔

"رامین سے کہو، میرے ساتھ بریک فاسٹ کرے۔" شاہد نے ٹریڈمل سے اتر کر ہینڈ ٹاول سے پسینہ صاف کیا۔

"میڈم تو گھر پر نہیں ہیں۔" اویس نے بتایا۔

شاہد کی اٹھی ہوئی نظر وہیں جم گئی۔

☆☆☆

نسبتاً سنسان سڑک پر گاڑی اتنی تیزی سے رواں تھی کہ اگر گاڑی کے پر ہوتے تو یقیناً اڑنے لگتی۔ رفتار کی حدود توڑتے ہوئے وہ آگے بڑھی تو سگنل سرخ ہو گیا۔ اس نے قوت سے بریک لگائی۔ گاڑی جھٹکے سے رکی۔ سیٹ پر موجود اس کا بیگ ہوا میں اچھل کر دوبارہ سیٹ پر گرا۔ شکر تھا کہ گاڑی قلابازی نہیں کھا گئی۔

رامین نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ مرر اپنی طرف کیا۔ وہ مرر میں نظر آتی اپنی مغرور پلکوں کو آئی لیش کرلر سے کرل کرنے لگی۔ سگنل کھل گیا اور ساتھ ہی اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے کرلر پھینک کر موبائل اٹھا لیا۔

"میں نکل چکی ہوں۔" اس نے ہارن بجا کر ثبوت دیا۔

"ہمیشہ کی طرح لیٹ ہو، خیر تم نے پریس کے سامنے یاد سے کہنا ہے کہ......" مہک کی آواز فون میں ابھری۔

"جانتی ہوں، کیا کہنا ہے۔" رامین نے بات کاٹی۔ "یہی کہ میڈم مہک کے انداز میں بچپن سے ایک اچھوتا آرٹسٹ تھا۔ اس کو اپنے ملک سے اتنی



Scanned with CamScanner

محبت ہے کہ کچرے کے طور پر پھینکے ہوئے چھری کانٹوں سے آرٹ کے شاہکار بناتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ ویسے اس پولیوٹیڈ کنٹری میں شوق تم نے صحیح چنا ہے۔ ری سائیکلنگ کا۔" رامین نے ایک خطرناک موڑ رفتار سے کاٹا۔

"اسے سائیکلنگ نہیں sustainability کہتے ہیں۔ ویسے کچھ عرصہ باہر رہنے سے تم بھی انگریز نہیں ہو گئی ہو۔ یہ تمہاری بھی کنٹری ہے۔" مہک نے جتلایا۔

"نہیں اب یہ میری کنٹری نہیں ہے۔ سڑکوں کی پولوشن سے زیادہ گند لوگوں کی سوچ میں ہے۔ گھورنے سے ہی باز نہیں آتے۔" اس نے جھرجھری لی۔

اب وہ موبائل کو کان اور کندھے کے بیچ دبائے لپ گلوس لگا رہی تھی۔ مہک نے آنکھوں سے اعتراض کیا مگر بولی نہیں۔

"چلو جلدی پہنو، تم نے ربن کٹ کرنا ہے۔" مہک نے یاد کروایا۔

"میں جم سے سیدھا ادھر ہی آ رہی ہوں۔" اس نے لپ گلوس ساتھ والی سیٹ پر رکھ کر فیس تنٹ اٹھالیا اور چومنے کے انداز میں ہونٹ سکیڑے۔ اس کی گالوں کی ہڈیاں ابھر آئیں۔ جس پر وہ تنٹ لگانے لگی۔

ڈیش بورڈ میں لگی نیوی گیشن ٹرن لیفٹ کا اشارہ دے رہی تھی۔ جبکہ لیفٹ جانے کے لیے جگہ بچی نہیں تھی۔

"اوکے سی یو۔" اس نے عجلت میں ہاتھ میں موجود سب چیزیں ساتھ والی سیٹ پر پھینکتے ہوئے ایک نہایت شارپ موڑ کاٹا۔

گاڑی تیزی سے مڑی اور شدت سے ایک سبزی کی ریڑھی سے جا ٹکرائی۔ سبزی سے لدی ریڑھی اس جھٹکے کی تاب نہ لا سکی اور الٹ گئی۔ ساتھ کھڑا سبزی والا بھی اچھل کر دور جا ...

رامین شاہد گیلانی۔ بیس سال کی امیر زادی۔ جسے زندگی کو اسی رفتار سے گزارنے کی عادت تھی جس رفتار سے وہ گاڑی چلاتی تھی۔ اس کی زندگی میں کوئی قابل ذکر رکاوٹ ابھی تک آئی نہیں تھی اور گاڑی کے سامنے آئی رکاوٹ وہ برداشت نہیں کرتی تھی۔ اب موبائل اس کے کان سے گر گیا تھا اور سر اسٹیرنگ وہیل سے لگا ہارن بجا رہا تھا۔

☆☆☆

غزالہ بستر کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے کن انکھیوں سے اپنے شوہر کو دیکھ کر زیر لب مسکرا رہی تھی۔ رشید میاں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کرسی پر بیٹھے بڑے تردد سے اپنے سر اور داڑھی کے بال سنوار رہے تھے۔ قریب ایک اور کرسی پڑی تھی جس پر انہوں نے اپنی اوڑھنے والی چادر پھیلا رکھی تھی۔

"بس کر دیں رشید صاحب! ایک منہ اور بتیس دانت سنوارنے میں آپ زیادہ ہی وقت لے رہے ہیں۔" غزالہ تکیے کے کس بل نکالتے ہوئے لاڈ سے بولی۔ جواباً رشید صاحب شرارتی ہنسی ہنسے۔

"بیگم صاحبہ! یہ سب تو میں آپ کے لیے کر رہا ہوں۔ شریعت میں شوہر کو بھی ہدایت ہے کہ بیوی کے لیے بن سنور کر رہا کرے۔"

میاں بیوی کی چھیڑ چھاڑ میں بچوں کی آمد اور ذمہ داریوں کے ساتھ ایک طویل وقفہ آ جاتا ہے۔ پھر بڑھاپے کی فراغت میں دبے پاؤں یہ سلسلہ دوبارہ جڑ جاتا ہے جیسے کبھی ٹوٹا ہی نہ ہو۔ ان کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔

"ہماری شادی کو اب دو دہائیوں سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ آپ کو بننے سنورنے کا خیال کچھ دیر سے نہیں آیا؟" غزالہ نے مسکرا کر بستر کی آخری سلوٹ دور کی۔

رشید نے کپکپاتے ہاتھوں سے کنگھی سنگھار میز پر واپس رکھی۔

"پہلے کی بات اور تھی۔ میں محنت سے کماتا تھا تو میرا چہرہ ویسے ہی نورانی رہتا تھا۔ مگر اب تو میں آپ کے آسرے پر ہوں نا۔" درد سے کہہ کر رشید نے ساتھ پڑی کرسی سے چادر کھینچی تھی۔ وہ کرسی نہیں وہیل چیئر

تھی۔

غزالہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑی۔

☆☆☆

لمحہ بھر کو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا تھا۔ کان ہارن کے شور سے الگ دکھ رہے تھے۔ رامین نے پہلے سر اٹھایا۔ پھر اس کو دائیں بائیں ہلا کر کانوں میں سے ہوا نکالی۔ وہ ہمت کر کے گاڑی سے اتری۔ قدم نکالتے ہی اس کی نازک ہیل ایک سرخ ٹماٹر میں کھب گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ جہاں دل کرتا ہے سبزی لے کر کھڑے ہو جاتے ہو۔" اس نے ایک ٹانگ اٹھا کر ٹشو سے اپنی ہیل صاف کی۔

سبزی والا لڑکا سڑک پر گرا اپنا کندھا سہلا رہا تھا۔ جب رامین اس پر برسنے لگی۔ اتنے میں قریب کے ایک گھر کا چوکیدار بھاگا ہوا آیا اور سبزی والے کو سہارا دے کر اٹھانے لگا۔

"بی بی جی! ایک تو آپ نے بے چارے کا نقصان کر دیا اوپر سے اسے ہی ڈانٹ رہی ہو۔" چوکیدار نے کہا۔

سبزی والا فکرمندی سے اپنا دایاں کندھا سہلا رہا تھا۔ سچ سچ اس کا اتنا بڑا نقصان ہوا تھا کہ اسے لگ رہا تھا دنیا ہی ختم ہو گئی۔ پھر کندھے کی چوٹ سے اس کی بولتی بند تھی اور آنکھیں بھیگنے کو تھیں۔

"اس کی جہالت کی وجہ سے میں یہاں گرمی میں کھڑی ہوں اور لیٹ ہو رہی ہوں۔ میرے وقت کی قیمت کا تم لوگ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔"

اب سامنے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ مگر رامین کے رعب کے آگے کسی میں زبان کھولنے کی ہمت نہیں تھی۔

"کیا بات کرتی ہیں بی بی جی! اس کی ساری روزی تباہ کر دی ہے۔" صرف چوکیدار میں بولنے کی ہمت تھی مگر اس نے بھی گزارشانہ انداز میں کہا۔

"واٹ ایور، میرے پاس اس سب کے لیے ٹائم نہیں ہے۔ ادھر کال کرلو اور راستہ چھوڑو۔"

رامین نے چوکیدار کو ولیس کا کارڈ تھمایا تو والٹ سے دو کرنسی نوٹ بھی گر گئے۔ گاڑی کے عین سامنے سبزی والے کا ترازو پڑا تھا۔ رامین نے ہجوم میں سے ہی کسی کو اسے اٹھانے کو کہا۔ مجمعے سے ہی ایک آدمی آگے آیا اور رکاوٹ دور کر دی۔ رامین گاڑی میں بیٹھ کر سبزیاں روندتی ہوئی گاڑی بھگاتے ہوئے لے گئی۔ فٹ پاتھ کے پاس کھڑا سبزی والا جس کے ہاتھ سے کندھا سہلا رہا تھا۔ اسی ہاتھ میں بھورے نوٹ پکڑے کھڑا تھا۔ صرف اس کی روزی برباد نہیں ہوئی تھی۔ جو خراب ہوا تھا وہ ہر ایک کے لیے رزق تھا۔

یہ کیسے لوگ تھے جن کو رزق کی پہچان ہی نہیں تھی۔ وہ حیران کھڑا نوٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی کم عمر تھا اس لیے کچھ زیادہ ہی الجھ گیا تھا۔ وہ مجمع جو چپ کا روزہ رکھے پہلے رامین کا لگایا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب خاموشی سے ریڑھی سیدھی کر کے اس پر بچی کچی سبزی ڈالنے لگا۔

☆☆☆

گو کہ ویل چیئر کو آئے ان کی زندگی میں کچھ وقت ہو چکا تھا۔ مگر اب بھی کسی کمزور لمحے میں وہ نظروں کو ایسے کاٹتی تھی جیسے کوئی تیز دھار تلوار ہو۔ وہ ایسا ہی ایک لمحہ تھا لیکن وفا کا تقاضا تھا کہ وہ اداس نہ ہو۔ اس لیے غزالہ یاسیت کو پس پشت ڈال کر شوہر کو چادر اوڑھانے لگیں۔

"یہ تو آپ کی پرانی ادا ہے۔ ہمارے بیچ کوئی تیسرا گھسیٹ ہی لاتے ہیں۔ پہلے نوکری پھر بچے، اب یہ پہیے کی محبوبہ آ گئی ہے۔ مجھے چھوڑ جائیں گے مگر اس کے بغیر نہیں جائیں گے۔" غزالہ پہلے جیسے لاڈ سے بولیں۔

رشید کریم بوجھل ہی ہنسی پر مسکرائے۔

"مگر اب میں آپ کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ ہمارے درمیان اب کوئی تیسرا نہیں آئے گا۔"

"ان شاء اللہ" فواد نے اندر آتے ہوئے پورے جوش سے اللہ پر توکل ظاہر کیا۔



digest.library.com
Scanned with CamScanner

اس کے آتے ہی گھر کی ہر نا امیدی چھٹ جاتی تھی۔ اس کی روشن آنکھیں، مسکراتا چہرہ۔ مضبوط قدم۔ یوں لگتا تھا کوئی مشکل ایسی ہے ہی نہیں جو فواد سے ٹکرا کر دم نہ توڑ دے۔ وہ معمول کے مطابق پورے ٹائم پر آیا تھا اور باپ کو کرسی سے ویل چیئر پر منتقل کرنے میں مدد دینے لگا۔

"میں نے ایک بہت اچھے ڈاکٹر سے ٹائم لیا ہے۔ ان شاء اللہ جلد از جلد آپ کو اس ویل چیئر سے چھٹکارا مل جائے گا۔" فواد نے کہا۔ وہ جوان خون تھا اس لیے پرامید تھا۔

"ڈاکٹر اور اچھی خبر ایسے ہی ہے جیسے میٹھا چھوہارا۔ عمر گزر گئی چکھنا نصیب نہیں ہوا۔"

رشید کریم نے کہا اور بائیں ٹانگ پر لمحہ بھر کو وزن ڈال کر ویل چیئر پر منتقل ہو گیا مگر اس لمحہ بھر میں اس کی دائیں ٹانگ سے درد کی ٹیسیں ابھرنے لگیں۔

رشید صاحب کا خاندان خوش حال ہوا کرتا تھا۔ سیدھی سادی عام سے زندگی گزر رہی تھی۔ کم کمائی تھی۔ مگر حلال تھی۔ گھر میں آئے دن مرمت کے کام نکل آتے تھے۔ مگر چار دیواری اپنی تھی۔ چار بچے تھے جو اچھے اداروں میں پڑھ رہے تھے۔ کھینچ تان کر گزارا ہوتا تھا مگر مستقبل کی طرف سے ٹھنڈے جھونکے آتے تھے۔ تین سال پہلے ایکسیڈنٹ میں رشید صاحب کی دائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ آپریشن ہوئے۔ علاج کا لمبا سلسلہ چلا پھر بھی وہ سہاروں کا محتاج ہو کر رہ گئے۔ فواد نے پڑھائی کے ساتھ نوکری کر لی۔ اس سے چھوٹی بہن سائرہ نے ایثار کرتے ہوئے ایف۔ ایس۔ سی کے بعد پڑھائی ترک کر کے گھرداری سنبھال لی۔ اس سے چھوٹے سعد اور مائدہ کو بھی روز ارمان مارنے پڑتے وہ آسائشوں کو دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ خوش تو وہ اب بھی تھے۔ انہیں اللہ سے امید تھی مگر اب سفید پوشی کا بھرم روز بروز وزنی ہونے لگا تھا۔

فواد باپ کی ویل چیئر گھسیٹ کر ڈائننگ ٹیبل تک لے آیا۔ سائرہ اور مائدہ ٹیبل لگا رہی تھیں۔

"پھر آلو انڈے۔" سعد نے ڈونگے کا ڈھکن اٹھا کر بری شکل بنائی۔

"سائرہ آپی۔ آپ کے پچھلے جنم میں آلو کے کھیت تھے کیا؟ جو روز پھر آلو ہی پکتے ہیں۔" سعد بدمزہ ہوا۔

"چپ! کھانا سامنے رکھ کر ناشکری نہیں کرتے۔" غزالہ نے سیٹ سنبھالتے ہوئے ٹوکا۔

وہ جانتی تھیں کہ فریج میں تین ہی انڈے پڑے تھے۔ سائرہ تلنے بیٹھتی تو کسی کو پورا نہیں پڑتا اس لیے سائرہ نے عقل مندی سے سالن بنا دیا۔ انہوں نے دل ہی دل میں بیٹی کی بلائیں لیں۔ میز پر رس بھی پڑے تھے جس کا پیٹ نہ بھرتا وہ چائے میں ڈبو کر کھا لیتا۔

"ابو! آپ کے لیے رات کی روٹی کو گھی لگا کر گرم کیا ہے۔" سائرہ کو اپنے حقوق کب کے بھول چکے تھے اب صرف فرائض یاد تھے۔

"شاباش یہ تو میرے بچپن کا پسندیدہ ناشتا ہے۔ مجھے امی جی کی یاد آ جاتی ہے۔" رشید صاحب نے اتاولے انداز میں پلیٹ پکڑی۔

"اور مجھے نانی یاد آ جاتی ہے۔" سعد نے ٹکڑا لگایا۔

"سعد۔" فواد نے گمبھیر آواز میں کہا۔ اس کا ایک لفظ ہی کارگر ثابت ہوا۔ سب خاموشی سے ناشتا کرنے لگے۔ فواد بڑا تھا۔ اس کا رتبہ اس سے بھی بڑا تھا۔ وہ یونی ورسٹی کے آخری سال میں تھا۔ پڑھائی کے ساتھ ایک اسٹور میں بھی کام کرتا تھا۔ مشقت کا بوجھ اٹھا کر وہ اپنی جوانی کو بڑھاپے میں بدل رہا تھا تا کہ سعد اور مائدہ کا بچپن قائم رہ سکے۔

غزالہ نے چینی دان کا ڈھکنا اٹھایا۔ اگلا مہینہ آنے میں ابھی تین دن پڑے تھے۔ وہ تھوڑی مزید کفایت شعاری کرتیں تو یہ چینی ممکن تھا مہینہ گزار جائے۔ یہ سوچ کر انہوں نے چینی کے صرف چار دانے چھڑکا چائے میں ڈالے۔ تین سال سے انہوں نے بھی خود کو پھیکی چائے کا عادی بنا لیا تھا۔

digest library.com

میز پر عجیب بوکھل پن تھا فواد نے گہرا سانس لے کر پلیٹ میں خاگینہ اور توسٹ نکالے۔ باقی سب ابھی ناشتے کو گھور رہے تھے۔ مائدہ اور سعد اس لیے گھور رہے تھے کیونکہ روزانہ یہی کھا کھا کر وہ اکتا گئے تھے۔ غزالہ اور سائرہ اس لیے گھور رہی تھیں تاکہ پہلے دوسرے سیر ہو کر کھالیں۔ ان کا کیا ہے، وہ تو گھر ہی میں ہیں۔ پہلا نوالہ فواد نے توڑا تھا۔

''آج تو کرشمہ ہو گیا۔'' فواد نے نوالا منہ میں رکھ کر کہا۔

سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ جو انڈا میری پلیٹ میں پکا ہوا رکھا ہے، یہ نہ جانے کس مرغی کا ہوگا۔ آلو اور پیاز بھی کسی کسان نے کیسے بوئے ہوں گے اور کتنی محنت سے اگے ہوں گے۔ دیکھو کیسے اللہ نے سب میرے لیے میری پلیٹ میں اکٹھے کر دیے ہیں۔ یہ کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔'' فواد نے مزے سے کھاتے ہوئے کہا۔

سعد بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ مائدہ نے بھی بسم اللہ پڑھی۔ سب کی بھوک چمک اٹھی تھی۔

''چھوٹی سے چھوٹی چیز اس کے بڑے بڑے کرشموں کی گواہ ہے۔'' فواد نے پھر کہا۔

باقی سب بھی خاموشی سے نوالے توڑ کر شکر گزاری کے ساتھ حلق سے اتارنے لگے۔ دن کی شروعات تھی۔ سارا دن اس خوراک کے ساتھ اس نے بہت سے مرحلے گزارنے تھے۔ ناشتہ ان میں سے کسی کے لیے زبان کا چسکا نہیں تھا سب کی ضرورت تھی۔ فواد کی باتوں نے ناشتے میں نیا ذائقہ پھونک دیا تھا۔ اس لیے وہ ذرے ذرے سے انصاف کرنے لگے۔

☆☆☆

اس کے ربن کاٹنے سے پہلے تصاویر کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ بعد میں بھی رک نہ سکا۔ میڈیا کو آرٹ اور آرٹسٹ میں دلچسپی نہیں تھی۔ اسے دلچسپی تھی چمکتی دمکتی اس سوشلائٹ میں جو ان کے اکاؤنٹ کے فالورز بڑھا دے گی۔ سب جسے صرف نظر کر کے راحین کی طرف متوجہ تھے۔

''آپ نے ایک ریکارڈ بریکنگ میوزک وڈیو کے بعد کوئی اور کام کیوں نہیں کیا؟'' رپورٹر نے اس سے پوچھا۔

''وہ سنگر مرا بہت اچھا فرینڈ ہے۔ میں نے اس کی ویڈیو میں کام کر کے اسے فیور دیا تھا بس، ماڈلنگ میرا شوق نہیں ہے۔''

راحین مہک کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑی تھی تاکہ دوست کو سپورٹ کرے۔ لیکن ہر دوسرا سوال اس سے ہی ہونے لگا۔ تو راحین نے ادا سے مہک کی کمر میں ہاتھ ڈال لیا۔ جیسے کسی فوٹو فریم کی طرح سب کو دکھا رہی ہو کہ دیکھو تصویر تو یہ ہے۔ میں تو صرف فریم ہوں۔

''لگتا ہے آپ یہاں بھی اسی لیے آئی ہیں کیونکہ مس مہک آپ کی دوست ہیں۔'' پوچھنے والے کے انداز میں طنز تھا۔

''راحین کے چہرے سے مروت والی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''زیادہ تر چیزیں جو ہم استعمال کرتے ہیں وہ چھ ماہ کے اندر کچرا بن جاتی ہیں۔'' راحین نے ایسے کہا کہ رپورٹر کو لگا اسے کچرا کہا گیا ہے۔ پھر راحین مسکرائی۔

''انہیں کچرا بننے سے بچایا جا سکتا ہے۔ جیسے میرا یہ پرس۔ مہک نے پلاسٹک کی بوتلوں کے ڈھکن سے بنایا ہے۔'' راحین نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ننھا سا پرس آگے کیا۔ جو جوٹ کی رسی اور خوب صورت ڈھکنوں کے ساتھ ڈیزائنر آئٹم لگ رہا تھا۔ سب واہ واہ کہہ کر اب اس پرس کی تصویریں لے رہے تھے اور مہک سے سوال پوچھ رہے تھے۔ لائم لائٹ جائز طور پر اب مہک کے اوپر تھی۔ راحین آہستگی سے پیچھے ہونے لگی۔

☆☆☆

سمسٹر بریک میں فواد دن کے وقت بھی اسٹور کا ایک چکر لگا لیتا تھا۔ اسٹور منیجر چچا کا تھا۔ جو اتنے



Scanned with CamScanner

پرانے محلے دار تھے کہ فواد نے بچپن سے انہیں چچا کہا تھا۔
"لسٹ بنادیں، میں جا کر سامان دیکھ کر لاؤں گا تو مناسب لگے گا۔"
فواد کی ڈیوٹی صرف وہاں سامان بیچنے کی تھی۔ مگر وہ اتنا محنتی تھا کہ ساری ذمہ داریاں خود پر لے لی تھیں۔
"میں نے تمہیں یہ نوکری دی تھی تاکہ تمہاری مدد ہو سکے۔ مگر اب لگ رہا ہے میں تمہارا فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ چھٹیوں میں بھی تم میرے ہی کام دیکھ رہے ہو۔" منیر نے شاباشی دینے کے انداز میں کہا اور جیب سے کچھ پیسے نکالے۔
"ارے یہ کیوں؟" فواد نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔
"میں جانتا ہوں تم تنخواہ کے علاوہ کچھ نہیں لیتے۔ ایڈوانس سمجھ کر رکھ لو۔ یونی ورسٹی کھلنے والی ہے کام آ جائیں گے۔" منیر نے پیسوں والا ہاتھ مزید آگے کیا۔ فواد نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسے ان کا بڑھا ہوا ہاتھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"وقت سے پہلے پیسے آئیں گے تو وقت سے پہلے چلے بھی جائیں گے۔ خدا چاہے تو جیب میں پڑے سکوں میں بھی برکت پڑ جاتی ہے۔ اس کی ضرورت نہیں۔" فواد نے ان کا ہاتھ نیچے کیا۔
کاؤنٹر پر سامان کی لسٹ پڑی تھی۔ فواد نے وہ اٹھالی۔
"اتنی خودداری اچھی نہیں ہوتی۔ کیوں خود کو مشکل میں ڈالتے ہو؟" منیر پیسے واپس رکھتے ہوئے بے سکون تھے۔
"مشکل میں تو وہ ہوتے ہیں جن کو پیسوں کی عادت پڑ جاتی ہے۔ مجھے عادت نہیں ہے اس ہی لیے زندگی آسان ہے۔ اسے آسان رہنے دیں۔"
فواد مسکرا کر کہتے ہوئے دکان سے نکلا۔ اسے کچھ سیکنڈ ہینڈ کتابیں لینی تھیں۔ ہول سیل کی دکانیں بھی اس ہی طرف تھیں۔ وہ دماغ میں کاموں کی لسٹ بناتا سفر طے کرنے لگا۔

☆☆☆

رئیسوں کی اس دعوت میں فیملیز بھی مدعو تھیں تاکہ بزنس پارٹی پر فیملی گیدرنگ کا لبادہ چڑھایا جا سکے۔ اوپن ایر پارٹی ایریا میں نزاکت سے ہنستی فروا خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ وہ کبھی جا کو دیکھ کر کوئی تعریف سناتی، کبھی وہ روحان کی سمت نظر کر کے داد وصول کرتی، سب کچھ اس کے مزاج کے مطابق جا رہا تھا۔ یک دم پوری محفل کی نگاہوں کا زاویہ بدل گیا۔
شاہد گیلانی اور راحین گیلانی سیڑھیاں اتر کر لان میں داخل ہو رہے تھے۔ راحین نے سیاہ گاؤن پہن رکھا تھا۔ گاؤن کے بائیں کندھے پر ایک جواہرات کا بنا بڑا سا ڈائمنڈ بروچ تھا۔ بروچ کے نیچے تین غیر محسوس چنٹیں تھیں۔ جو پیروں تک پہنچ کر کھل جاتی تھیں۔ اور گاؤن کو فرشی ہونے کا گمان دیتی تھیں۔
راحین کو آرٹ اور میوزک ایونٹس جتنے پسند تھے۔ اتنی ہی نفرت ان بزنس پارٹیز سے تھی۔ یہاں اسے سب شکاری لگتے تھے یا گدھ۔ آستین میں بیٹھے خوش شکل زہریلے سانپ۔ وہ یہاں صرف شاہد صاحب کو خوش کرنے کے لیے آئی تھی۔
اس کے ایکسیڈنٹ کا سن کر شاہد صاحب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ راحین پاکستان میں ان کی نظروں کے سامنے رہے گی جبکہ راحین کے لیے اب پاکستان میں رہنا ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ گیلانی ہاؤس کے دونوں مکینوں نے سب کچھ داؤ پر لگا کر چند دن سرد جنگ لڑی تھی۔ اختتام شاہد صاحب کے گھٹنے ٹیکنے پر ہوا تھا۔ راحین ایک بار پھر جیت گئی تھی۔ باپ کا بازو تھامے سب کی نظروں کا مرکز بنی راحین آگے بڑھتے ہوئے اپنی واپسی کے دن گن رہی تھی۔
"آپ لیٹ ہو گئے ہیں چیف گیسٹ بھی پہنچ چکے ہیں۔ اتنی دیر میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں بعد میں آ جاتی۔" راحین نے باپ کے کان میں سرگوشی کی۔
"میری چیف گیسٹ میری بیٹی ہے اور مجھے اس ہی کے ساتھ آنا تھا۔ میری بیٹی میرے ساتھ ہے،"



Scanned with CamScanner

digest library.com

اب میں ستارے بھی تسخیر کرسکتا ہوں۔" شاہد کی جان جس طوطے میں تھی وہ رامین تھی۔

"مجھے ستاروں کی چاہ نہیں، یہ تو مجھے دیکھتے ہی میرے قدموں میں آ گرتے ہیں۔" رامین نے اترا کر جواب دیا تھا۔

اور اس وقت چیف گیسٹ کے پاس کھڑے لوگ بھی ان سے معذرت کر کے رامین اور شاہد گیلانی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆☆☆

"ہیلو رامین لکنگ امیزنگ۔" ارحم کی اگر دم ہوتی تو رامین کو دیکھ کر خوشی سے ہلنے لگتی۔ جا میزبان تھی۔ وہ رامین کو ریسیو کر کے سیدھا فروا اور روحان کے پاس لائی تھی۔

"بہت کمال کی پارٹی ہے جا بڑے بڑے لوگ نظر آرہے ہیں۔" فروا نے رامین پر تیکھی نظر ڈال کر جلن سے کہا۔

رامین کی دلکش مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ اس کی بے پروائی فروا کو اپنی ہی آگ میں جلا گئی۔ یہ کوئی آج کی بات نہیں تھی۔ رامین اور فروا اسکول میں ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ فروا وہ تھی جو جی جان لگا کر مطلوبہ چیز حاصل کرنے میں لگ جاتی تھی۔ جبکہ رامین اس معاملے میں خوش قسمت تھی۔ وہ انگلی بھی نہیں ہلاتی تھی اور ہر موقع اس کی جھولی میں آ گرتا تھا۔ باقی سب رامین کے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لیتے تھے۔ ایک فروا تھی جو جل کر کوئلہ ہو جاتی تھی۔

اب ان کے راستے بدل چکے تھے لیکن نہ رامین کی خوش قسمتی بدلی تھی نہ فروا کا جلنا۔

"ہمارا تو پرندوں جیسا حال ہے جو موسم کے ساتھ ہجرت کر جاتے ہیں۔ اس لیے میں چھٹیوں میں ایک پارٹی ضرور رکھتی ہوں۔ سب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔"

جا نے بھی مسکرا کر فروا کے طنز کا کڑوا گھونٹ بھرا، پھر وہ ایکسکیوز کرتی دوسرے مہمانوں کی طرف چلی گئی۔

جا کے جاتے ہی فروا طنزیہ ہنسی تھی۔

"ایسے بنتی ہے جیسے کسی کو پتا نہیں یہ ایسی پارٹیز کیوں رکھتی ہے۔ جب سے اس کے ڈیڈ نے اپنی دو ٹکے کی سیکریٹری سے شادی کی ہے ان ماں بیٹی کو ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں سوسائٹی میں مس فٹ نہ ہو جائیں۔ اس لیے آئے دن پارٹی دیتے ہیں۔"

فروا نے محفل میں وہ بات کہی جو دل میں بھی سوچنا بدتہذیبی تھی۔ خلاف توقع ارحم نے اس کی بات میں ذرا دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ اس کی ساری دلچسپی تو رامین میں تھی۔ جو واضح طور پر اکتا گئی تھی۔ جیسے آستینوں میں کچھ چبھ رہا ہو۔

"آپ جب سے یو۔ ایس گئی ہیں ملاقات نہیں ہو سکی۔ عید کا چاند بھی سال میں دو دفعہ تو نظر آ ہی جاتا ہے۔" وہ رامین کے ایک قدم قریب ہوا۔

"عید کا چاند مشکل سے نظر آتا ہے، دور سے دکھتا ہے اور جلد ہی غائب ہو جاتا ہے۔ مثال اچھی دی ہے۔"

وہ گاؤن سنبھال کر دو قدم آگے آئی اور راز داری سے روحان کو کہا۔ پھر ہلکا سا مسکرا کر گاؤن کا رخ موڑا اور واپس جانے کو پلٹ گئی۔ جیسے روحان کی دی گئی مثال پر پورا اتر کر اس کے جلوں کو سعادت بخش رہی ہو۔ وہ اس کا فرشی گاؤن دور جاتا دیکھ کر چکرایا۔

"لگتا ہے تم سوشل میڈیا فالو نہیں کرتے سوشل میڈیا پیجز پر روز ہی میڈم گیلانی نظر آتی ہیں۔" فروا نے ازلی جلے بھنے انداز میں کہا۔ رامین ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی۔

"کچھ لوگوں کو لائم لائٹ کا اتنا شوق ہوتا ہے کہ فلائٹ سیدھا ریڈ کارپیٹ پر اترواتے ہیں۔ سیلبریٹیز سے تعلقات بنانے میں ماہر ہے۔" فروا نے رامین کی پشت دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

پھر وہ جتا نہیں تھی جو ان سنا کر دیتی۔ رامین وہیں سے واپس پلٹی اس کا گاؤن بھی اس کے اطراف میں کھسکتا ہوا آیا۔ وہ سیدھا فروا کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ فروا بھی پیٹھ پیچھے بات کرنے میں ماہر تھی۔



Scanned with CamScanner

اپنے عین سامنے راحین کو دیکھ کر اس کے بھی طوطے اڑ گئے تھے۔

"میں تعلقات بنانی نہیں نبھاتی ہوں اور میں یہ سب تمہارے لیے ہی تو کرتی ہوں۔ ہم جیسے لوگ سوشل اپڈیٹس پر جیتے ہیں۔ ہماری رنگین تصویریں پیجز کی زینت نہ بنیں تو تمہاری زندگی میں گوسپ کا سامان کہاں سے آئے گا؟ تم تو چاہ کر بھی پیجز کی دوسری طرف ہی رہتی ہو۔" راحین کی مصنوعی ہمدردی عروج پر گئی۔

"اپنی کلاس مت بھولو۔" فروا کو مرچیں لگی تھیں۔

"بہت خوب سن کر خوشی ہوئی کہ تمہیں بھی کلاس کا پتا ہے۔ ویسے تم نے گوسپ ٹرمایٹ کا نام سنا ہے؟" راحین نے بہت دوستانہ انداز میں پوچھا۔

اس وقت تک ان کے پاس اور بھی لوگ اکٹھے تھے۔ وہ بھی راحین کی بات سننا چاہتے تھے۔ فروا کچھ نہیں بولی، وہ تذبذب سے آس پاس بنتے مجمعے کو دیکھتی رہی۔

"گوسپ ٹرمایٹ وہ دیمک ہوتی ہے جو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے دوسروں کی ذاتیات چاٹتی ہے۔ ابھی تو یہ ایک نیا لفظ ہے مگر تم نے اپنی حرکتیں نہ چھوڑیں تو جلد ڈکشنری میں شامل ہو جائے گا۔" راحین نے بہت مخلصانہ انداز میں کہا۔

فروا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ راحین ادا سے پلٹ کر چل دی۔ روحان سمیت کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اس کے پیچھے جاتا۔

☆☆☆

سائرہ سوئی دھاگا لیے فواد کی شرٹ مرمت کر رہی تھی۔ فواد کی شرٹ دیکھ کر اسے اپنے بچپن کی عیدیں یاد آ گئی تھیں۔ عیدی میں نئے نوٹ ملنا پیسے کی قدر بڑھا دیتا تھا۔ اگر کوئی رشتہ دار پرانا نوٹ تھما دیتا تو وہ اسے سرف سے دھو کر بہت دھیان سے استری کر لیتی۔ وہ بالکل نئے جیسا ہو جاتا۔ اب یہی فارمولا وہ فواد کی شرٹس پر لگاتی تھی۔ کثرت استعمال سے ان کے رنگ پھیکے پڑ چکے تھے۔

فواد کا یونیورسٹی کا آخری سال تھا۔ وہ پڑھائی میں ہمیشہ سے غیر معمولی رہا تھا، اس لیے بہت بڑے ادارے میں داخلہ ملا تھا۔ وہاں آنے والے دیگر اسٹوڈنٹ اپنی سواریاں بھی اتنے عرصے نہیں چلاتے تھے جتنے عرصے فواد اپنی قمیص رگڑتا تھا۔ پھر سائرہ نے خود کو تسلی دی۔ اس کے بھائی کی پرسنالٹی اس قدر جاندار تھی کہ پھٹے کپڑے بھی پہن کر جاتا تو اسٹائل اسٹیٹمنٹ بن جاتی۔ فواد ایسا ہی تھا وہ اپنی ضرورتیں بھی نظر انداز کرتا اور گھر والوں کی فرمائش بھی خود پر لازم کر لیتا تھا۔

سائرہ ایک ٹانکے میں بھائی کے لیے دعا کرتی تو دوسرے ٹانکے میں باپ کے لیے جو بہت دیر سے ڈاکٹر کے پاس گئے ہوئے تھے۔

اتنے میں بیل بجی۔ سائرہ سب چھوڑ چھاڑ باہر دوڑی۔ آج اسے بہت اچھی امیدیں تھیں۔ اس نے خوشی سے دروازہ کھولا۔ سامنے صارم کھڑا تھا۔ سائرہ نے فوراً اس کے آگے پیچھے دیکھا۔ شاید ابو اور بھائی پیچھے کہیں ہوں مگر مایوسی ہوئی۔ وہاں صرف صارم تھا۔

"السلام علیکم" سائرہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"وعلیکم السلام، یہ فواد بھائی کو اسائنمنٹ دکھانی تھی۔" صارم نے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل آگے بڑھائی۔

وہ سائرہ کا ہم عمر تھا اور ہمیشہ سے فواد کو آئیڈیلائز کرتا تھا۔ جب فواد صارم کو ٹیوشن پڑھایا کرتا تھا، تو سائرہ کو بھی پاس بٹھا لیتا۔ ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود ان دونوں میں بے تکلفی برائے نام بھی نہیں تھی۔

"بھائی تو ابو کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہیں۔ آئیں گے تو میں دے دوں گی۔" سائرہ نے اسائنمنٹ پکڑ لی۔

صارم آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر ملاقات کو طول دے رہا تھا جبکہ سائرہ ملاقات پر ختم شد کا لیبل لگا کر دروازہ بند کرنے لگی۔ پھر اسے یک دم ایک خیال

digest library.com

آیا۔

"صارم! رکیں۔" سائرہ نے پکارا۔ وہ رک گیا۔

"ایک منٹ۔" سائرہ پلٹ کر اندر گئی اور چند منٹوں بعد چھوٹے بڑے کچھ نوٹ لے کر آئی۔ وہ مڑے ہوئے نوٹ ایسے تھے جیسے ابھی گولک سے نکالے ہوں۔ "مجھے بھائی کے لیے ایک شرٹ منگوانی ہے۔ آپ لادیں گے" سائرہ فواد کی نئی شرٹ کے خیال سے ہی مسکرانے لگی۔

"آپ جانتی ہیں، میں آپ کا کہا ٹال نہیں سکتا۔" صارم نے مسکرا کر کہا۔

"جانتی ہوں آپ بھائی کے کسی کام سے انکار نہیں کرتے۔" سائرہ نے کہا اور الوداع کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔

صارم کچھ دیر مزید بند دروازے کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

لان میں پھیلے سکوت کو بوٹوں کی چاپ سے توڑتا وہ پارٹی ایریا سے نکل کر آیا تھا۔ اس کی دائیں طرف روشنیوں میں ڈوبا ہلکی موسیقی سے منور پارٹی ایریا تھا اور بائیں طرف ہرنوں اور مور کے بند پنجرے تھے۔ نگاہوں کے ٹھیک سامنے سیاہ گاؤن میں ملبوس لڑکی اس کی سمت پشت کیے کھڑی تھی۔ فارم ہاؤس کے اس حصے میں اور کوئی نہیں تھا۔ سیاہ گاؤن کے باوجود وہ لڑکی اس اندھیرے میں غائب نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے خدوخال سے لپٹا اس کا ڈریس اس کے وجود کو یوں نمایاں کر رہا تھا۔ جیسے وہ ایک مجسمہ ہو، جس کے پہلو سے روشنی کی لکیر نکل رہی ہو۔ ارحم رک گیا۔ اس نے موبائل نکال کر انسٹاگرام پر ایک تصویر کھولی۔ یہ تصویر آج کی پارٹی سے پہلے راحین کی اسٹائلسٹ نے اپنے سیلون میں لی تھی۔

"راحین گیلانی!" ارحم تصویر کے ساتھ لکھی ہوئی عبارت بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

راحین نے چونک کر گردن موڑی۔ پیچھے تھری پیس سوٹ پہنے ایک خوش شکل نوجوان کھڑا تھا۔ ارحم نے موبائل والا ہاتھ اوپر اٹھا کر موازنہ کیا۔ تصویر میں بھی راحین فرشی لباس دکھاتے ہوئے ایسے ہی کندھے کے اوپر سے جھانک رہی تھی اور حقیقت میں بھی ہو بہو ویسے ہی کھڑی تھی۔ ارحم جنید کو لگا جیسے وہ خواب میں جی رہا ہو۔ حقیقت اتنی حسین تو نہیں ہو سکتی۔

"راحین گیلانی، زرینہ بختیار کی ہینڈ میڈ جیولری اور ماہی پاشا کے جوڑے میں جھلملا رہی ہیں۔" اس نے انسٹاگرام پوسٹ سے عبارت پڑھی اور راحین کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کتنے مطلبی ہوتے ہیں یہ ڈیزائنرز اور آرٹسٹ۔ آپ کے حسن کی تعریف میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ سارا کریڈٹ اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ راحین گیلانی نے اس جیولری اور ڈریس کو چار چاند لگا دیے ہیں۔" اس کی آنکھیں جیسے ہپنوٹائز کرنا جانتی تھیں۔ راحین کئی لمحے تاب نہیں لا سکی۔ پھر ہمت کر کے بولی۔

"لگتا ہے۔ آپ کا بھی پارٹی میں دل نہیں لگ رہا۔" راحین سنبھل گئی تھی۔ اس لیے نظر پھیر کر پشت دکھائی۔

"یہ پوسٹ میں کرتا تو جانتی ہیں کیا لکھتا۔" وہ چند قدم مزید آگے ہو کر اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ پارٹی سے آتی ہلکی موسیقی ان کی اندھیری ملاقات کو بیک گراؤنڈ میوزک دے رہی تھی۔

"میں یہ جانتی ہوں کہ آپ بتائے بنا مانیں گے نہیں۔" راحین اب پوری طرح سے گھوم کر ارحم کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"راحین گیلانی بہت بن سنور کر آئی تھی۔ مگر اس بناوٹی دنیا سے جلد بے زار ہو گئی۔" ارحم کی بات پر وہ چونکی پھر فوراً سنبھل گئی۔

"آپ نے میرا تعارف دو دفعہ کروا دیا اور اپنا ایک بار بھی نہیں۔" راحین نے ابرو اچکائے۔

"میں ارحم جنید ہوں۔ مجھے معصوم لڑکیوں کو اداس دیکھنا بالکل پسند نہیں۔" اس کی نگاہیں لمحہ بھر کو بھی نہیں



Scanned with CamScanner

جھکی تھیں۔

"پھر آپ کو کیا پسند ہے؟" راحین بات سے بات نکالنے لگی۔

"مجھے انصاف پسند ہے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور تعریف کے بدلے تعریف۔ میں نے آپ کی تعریف کی اب آپ کی باری۔" ارحم نے فرمائشی انداز میں کہا۔

وہ اپنی ڈنر جیکٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوز بنا رہا تھا۔ جیسے تعریف کرنے کو سبجیکٹ دے رہا ہو۔

راحین ہنس پڑی۔

"ابھی ابھی میری پسندیدہ چیزوں کی لسٹ میں آپ کی بے ساختہ ہنسی بھی شامل ہوگئی ہے۔" ارحم کی نگاہیں بامعنی ہوئیں۔ راحین کی مسکراہٹ بھی گہری ہوگئی۔

☆☆☆

زہر رگوں میں پھیل کر جسم کو مفلوج کر رہا تھا، پھر چاندی کی بوتل میں تریاق آیا۔ رکھنے والے نے بوتل اتنی دور رکھ دی کہ پہنچنا ناممکن تھا۔ مفلوج جسم کو گھسیٹ کر وہ تریاق کی طرف بڑھتے تو جان ہی نکل جاتی۔ تریاق سامنے تھا اسے حاصل کرنا ناممکن تھا اور اس سے نظر پھیرنا محال۔ جیسے اسے دیکھ کر سسک سسک کر مرنا ہی قسمت تھی۔ یہی حال ان سب کا تھا۔

ڈاکٹر کے مطابق تین سال پہلے رشید کی ٹانگ کی ہڈی غلط جڑ گئی تھی۔ یہ ان کی زندگی کا ایسا زہر تھا جس نے تمام گھر والوں کو مفلوج کر دیا تھا۔ آپریشن سے ایک ٹانگ چھوٹی ہوگئی تھی اور اس لیے تکلیف دیتی تھی۔

اب دوبارہ آپریشن کرکے ایک مصنوعی پلیٹ ڈالنی تھی تاکہ لمبائی ٹھیک کی جاسکے۔ یہ تریاق تھا، لیکن اس علاج کے لیے ڈاکٹر نے جو خرچا بتایا تھا۔ وہ ناقابل برداشت تھا۔ وہ ڈاکٹر کو دکھا کر واپس آئے تو سب کو چپ لگی تھی۔ سائرہ سب کے چہرے ٹٹول رہی تھی۔ جہاں مایوسی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

رات کا کھانا میت ونانے کے بعد کی خوراک کی طرح کھایا گیا۔ ان کی امیدوں کا جنازہ ہی تو اٹھا تھا۔

فواد گھر والوں کی خاطر میز پر آ گیا تھا تاکہ وہ چار نوالے کھا کر اٹھ جائے گا پھر اس نے لقمہ لیا۔ یہ جس گندم کی روٹی وہ توڑ رہا تھا اس نے اس کا بیج بویا تھا۔ نہ اس کی نگہداشت میں دھوپ کاٹی تھی نہ محنت کی تھی۔ پھر بھی یہ اناج اس کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ اللہ کی ذات سے مایوس کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ یونہی سوچتے ہوئے پورا کھانا کھا گیا۔

کھانے کے بعد فواد، رشید کی ویل چیئر کو سہارا دینے کے لیے اٹھا۔

"ڈاکٹر نے کیا کہا؟" سائرہ نے ہمت کرکے پوچھ ہی لیا۔

فواد کے ہاتھ باپ کی ویل چیئر پر تھے اور باپ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"ڈاکٹر نے پہلے امید دی کہ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ پھر اسی امید کا پھندا بنا کر ہمارے گلے میں ڈال دیا۔" رشید صاحب نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"پیسہ ہوتا تو لگا بھی لیتے مگر یہاں تو پہلے ہی پائی پائی جوڑنی پڑ رہی ہے۔" شائستہ نے بھی مایوسی کی آہ بھری۔

فواد نے ویل چیئر کے ہینڈل تھامے۔ مگر باپ کو کمرے میں لے جانے کے بجائے ویل چیئر موڑ کر رشید صاحب کا چہرہ اپنے سامنے کرلیا۔

"ڈاکٹر نے وہی کہا ہے جو ہم سننا چاہ رہے تھے۔ تھوڑی سی قیمت ادا کرکے آپ مکمل ٹھیک ہوسکتے ہیں۔" فواد کی مثبت دیکھنے کی عادت اکثر دوسروں کو افسانوی لگتی تھی۔

"جب مصیبتیں ہر طرف سے حملہ کردیتی ہیں تو ہار قبول کرلینی چاہیے۔ تم اپنے پر توجہ دو۔ اپنے بہن بھائیوں کو کچھ بنادو۔ میں تم لوگوں کو دیکھ کر خوش رہوں گا۔" رشید نے بیٹے کا گال تھپتھپایا۔

"جب ہر طرف مشکلیں ہوں۔ تب ہی تو مقابلہ کرنے کا وقت ہوتا ہے۔" فواد نے یاد کروایا۔

"تو میں نے کون سا خوشی سے اس معذوری کو



Scanned with CamScanner

digest library.com

سر پہ لے رکھا ہے۔ دل مار کر تم لوگوں کی خاطر ہنستا ہوں۔ مگر سارے راستے بند ہیں تو میں کیا کرسکتا ہوں؟ مائدہ اور سعد کی پڑھائی بھی چھڑوا کر سارا پیسہ خود پہ لگالوں؟ بولو کیا چاہتے ہو تم؟" رشید صاحب زچ ہو کر بولے۔

"میں چاہتا ہوں آپ دادا جان والا گھر بیچ دیں۔" فواد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ غزالہ کے ہاتھ سے پلیٹ گرتے گرتے بچی۔ جیلی چکھتی ہوئی سائرہ ٹھٹک گئی۔ سعد نے بھی ڈر کر موبائل اپنی جیب میں گھسالیا۔

"ہرگز نہیں۔" رشید نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

"آپریشن ہوگیا تو آپ چلنے لگیں گے۔" فواد امید لاتے ہوئے باپ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"ابھی کم از کم مجھ میں جینے کی طاقت تو ہے۔ اگر وہ گھر بیچ دیا تو یقین مانو زمین میں گڑ جاؤں گا۔" ضبط سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"وہ گھر آپ کی ملکیت ہے۔ آپ کے علاج کے کام نہ آسکے تو کس کام کا؟" فواد نے پھر قائل کرنے کی کوشش کی۔

"کس کام کا؟" رشید نے بچپن میں بھی فواد کو ایسے نہ جھڑکا ہوگا۔ جیسے اس وقت جھڑک دیا اور مزید طیش میں بولے۔

"تم نہیں جانتے وہ گھر کس کام کا ہے؟ چار دیواری اور چھت اگر ہمیں اس گھر نے دی ہے۔ تو ہمارے جسم کو ننگا ہونے سے اس گھر نے بچار کھا ہے اس گھر کا کرایہ آتا ہے تو ہمارے گھر کا چولہا جلتا ہے احسان ہے اللہ کا روکھی سوکھی جو بھی کھاتے ہیں اپنی کھاتے ہیں اور اس کا وسیلہ وہ گھر ہے۔" وہ چلا اٹھے۔

مائدہ تو ڈر کے مارے کانپنے لگی۔ بھائی کو بھی ڈانٹ پڑ سکتی تھی؟ یہ تو کبھی کسی نے نہ دیکھا تھا نہ سوچا تھا۔ لیکن فواد کی ہمت جواب نہیں ہوئی۔

"یہ بھی تو آپ ہی کی زندگی ہی ہے۔ آپریشن سے جو پیسے بچیں گے، وہ آپ انویسٹ کرسکتے ہیں۔" فواد اپنا وجود پوری قوت سے تریاق کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔

"شاباش یہ تربیت دی ہے میں نے تمہیں؟ ابا جان نے حلال کمائی کی پائی پائی جوڑ کر گھر بنایا تھا۔ اسے بیچ کر سود پر لگا دوں؟ ضمیر کا گلا گھونٹ کر جینا شروع کر دوں؟ ہرگز نہیں۔" رشید صاحب کے لہجے سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

فواد سمجھ گیا اس کا تریاق اس کے باپ کا زہر تھا۔

"میں صرف آپ کو ٹھیک دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے باپ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

رشید صاحب کا لہجہ بھی نرم پڑا۔

"کل کو تمہاری بہنوں کی شادی ہونی ہے۔ اس گھر کا ہی تو آسرا ہے۔ مجھے معذوری سے ڈر نہیں لگتا۔ مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ اپنے خالی ہاتھ کسی کے سامنے پھیلانے نہ پڑ جائیں۔ وہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔"

سب ہی نے رشید صاحب کی بات سن کر جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے کہ جیسی تیسی زندگی گزار لیں گے۔ گھر بیچ کر بہتری کی کوشش الٹی بھی پڑ سکتی تھی۔

"آپ وہ گھر بیچیں یا نہ بیچیں۔ لیکن میں آپ کا علاج ضرور کرواؤں گا۔ ہر قیمت پر اور آپ کی خود داری پر آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔" اب کی بار فواد نے باپ کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تھے۔ اس کی نگاہوں کا عزم کسی سے چھپا نہیں تھا۔

رشید صاحب نے محبت سے بیٹے کا گال تھپکا، کوئی اور ہوتا تو ان ذمہ داریوں کے بوجھ تلے زیر ہو جاتا۔ یہ فواد ہی تھا جس کی چال میں بھی لرزش نہیں تھی۔

☆☆☆

"میرا نمبر پانچواں ہے۔ مجھے ہر چیز لیفٹ اوور ملتی ہے۔" گی ڈیڈی کا صبر بڑے سلیقے پر پورا ہو چکا



Scanned with CamScanner

تھا۔ میرے لیے میرے بہن بھائی ہی والدین بن چکے ہیں۔ بزنس بھی ڈیوائڈ (تقسیم) ہو چکا ہے۔ میں نے سوچ لیا تھا کسی کا امپلائے نہیں ہوں گا۔ اس لیے اپنا بزنس اسٹارٹ کیا ہے۔ سب کچھ بہترین جا رہا ہے۔" ارحم نے کہا۔

کافی دیر سے وہ اصل پارٹی سے دور اپنی ایک محفل سجائے ہوئے تھے۔

"گڈ مطلب آپ لیڈر ہیں۔" راحین خلاف معمول اس کی کمپنی انجوائے کر رہی تھی۔

"اب آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟" ارحم نے اس کی خاموشی توڑنا چاہی۔

"آپ سب جانتے ہی ہیں، میں کیا بتاؤں۔" راحین نے ٹالا۔

"اپنی مام کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا۔" ارحم چلتے ہوئے ایک لکڑی کے بینچ کے سامنے رکا تھا۔

راحین کے قدم، سوچ اور مسکراہٹ تینوں تھم گئے۔ اس کی مام کی یادیں بھی بدصورت ہو گئی تھیں۔

"آپ بتانا نہیں چاہتیں تو اٹس اوکے۔ بس یوں اداس نہ ہوں۔ اس اندھیرے میں ایک آپ کی آنکھیں ہی تو چمک رہی تھیں۔" ارحم نے تلافی کرنے کی کوشش کی۔

"میں نے اپنی سولہویں سالگرہ بھی ڈیڈ کے ساتھ منائی تھی، ہم بیسٹ فرینڈز ہیں۔" وہ رک کر بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"اور آپ کی مام؟" ارحم بھی ساتھ ہی رک گیا۔

"یہ ایک ٹاپک ہے جس پر میں ڈیڈ سے بھی بات نہیں کر پاتی۔" اس نے اقرار کیا۔

"جانے والوں کو خوشی سے یاد کرنا بھی ایک فن ہے۔" ارحم نے موبائل چیک کرتے ہوئے اسے مزید کریدا۔

"ہم باپ بیٹی میں یہ فنی خرابی ہے، ہم مام کی یاد کے آس پاس بھی نہیں پھٹک سکتے۔" اعتراف آسان نہیں تھا یہ لفظ اس کا دل چیر کر نکلے تھے۔

"انسان جس چیز سے جتنا ڈرتا ہے۔ وہ اتنا ہی اس کے پاس آتی ہے۔ آپ چاہیں تو مجھ پر بھروسہ کر کے اپنی مام کی باتیں کر سکتی ہیں۔" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"میں دل کی بات کہنے میں بہت بری ہوں۔" بہت عرصے بعد راحین کے اندر وہ آٹھ سالہ بچی بیدار ہو رہی تھی جس نے اپنی ماں کو سسک سسک کر مرتے دیکھا تھا۔

"لیکن میں دل کی بات سننے میں بہت اچھا ہوں۔" ارحم نے برجستہ کہا۔ راحین پھر سے مسکرا دی۔

"واپس چلیں؟ کہیں ہماری گمشدگی کے وارنٹ نہ نکل آئیں۔" راحین کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے دل کا کچھ بوجھ ہلکا ہوا تھا۔ وہ واپسی کی طرف چلنے لگی۔ ارحم اس کے ساتھ ہو لیا۔

☆☆☆

"ڈیڈ۔" راحین گاڑی کی پچھلی سیٹ میں بیٹھی شش و پنج کا شکار تھی۔

"ہونہہ۔" شاہد صاحب موبائل میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں پاکستان میں پڑھنے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔" اس نے باپ کے کان میں پراسرار انداز میں سرگوشی کی۔

"شاہد صاحب نے موبائل سے نظریں اٹھائیں کہ کہیں غلط تو نہیں سن لیا۔

☆☆☆

"یہ صارم بھائی آپ کے لیے دے کر گئے ہیں۔" مائدہ ایک شاپر جھلاتی ہوئی کچن میں آئی تھی۔ سارہ نے نلکا بند کر کے دوپٹے سے ہاتھ خشک کیے وہ شاپر پکڑ کر مسکراتی ہوئی فواد کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ صارم جیسے فواد کا ہی دوسرا روپ تھا۔ لائق، ذمہ دار اور قابل اعتبار۔ اس کی پسند کی شرٹ فواد کو ضرور پسند آئے گی۔

سارہ نے خوش ہوتے ہوئے شرٹ شاپر سے



Scanned with CamScanner

digest library.com

نکال کر بیڈ پر سجادی۔ ہلکے رنگ کی چیک والی بہت ڈیسنٹ شرٹ تھی۔ سائرہ دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ہاتھ میں موجود شاپر کو اصولاً ہوا سے ہلکا ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر وہ اب بھی وزنی تھا۔ سائرہ نے حیران ہو کر شاپر میں ہاتھ ڈالا اور تلاشی لی اس کی ہتھیلی میں جھمکوں کی ایک جوڑی آ گئی۔ انکشاف کی لہریں اس کے دل و دماغ سے نکل گئیں۔

''صارم؟'' سرگوشی میں اس کے لب وا ہوئے۔ صارم کے چہرے پر اسے دیکھتے ہی مسکراہٹ آ جاتا۔ اس کا ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا تاکہ ملاقات طویل ہو سکے۔ سائرہ کو پہلے سب کیوں نہیں دکھا تھا۔ اب پلٹ پلٹ کر یاد آ رہا تھا۔ وہ بت بنی کھڑی رہی۔

''سائرہ! یہاں کیا کر رہی ہو؟'' فواد کمرے میں داخل ہوا تھا۔

سائرہ نے جھمکے مٹھی میں بند کر لیے اور مٹھی دوپٹے میں چھپالی۔

''آپ کے لیے شرٹ منگوائی تھی۔ دیکھیں تو کیسی ہے؟'' اس نے بند مٹھی سے اپنا دھیان ہٹاتے ہوئے کہا۔ مگر عجیب جھمکے تھے۔ مٹھی میں بند ہو کر بھی اس کی سماعت میں گھنٹوں کی طرح بج رہے تھے۔

''ارے اس کی کیا ضرورت تھی۔ بھائیوں کو تو بہنوں کو دینے والا بننا چاہیے۔ لینے والا نہیں۔'' وہ خوش بھی تھا اور شرمندہ بھی۔

''آپ اتنی محنت ہمارے لیے تو کرتے ہیں۔''

فواد شرٹ اٹھانے آگے بڑھا۔ سائرہ پیچھے ہوئی کہیں مٹھی کا بھید نہ کھل جائے۔

''بس اب جلدی سے یونی ورسٹی کلیر ہو تو کری لگے۔ اور میں تم سب کو دنیا کے سارے سکھ دے سکوں۔'' اس نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''یہ باتیں چھوڑیں اور بتائیں شرٹ کیسی لگی؟''

''بہت اچھی۔'' فواد تعریف کر رہا تھا اور سائرہ کے کانوں میں کھنکتے جھمکوں کی آواز تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی۔

☆☆☆

راحین نائٹ گاؤن میں بیٹھی چہرے پر مساج کر رہی تھی جب فون پر ارحم کی ویڈیو کال آنے لگی۔

''ابھی تو بات ہوئی تھی ہماری۔ پچھلے چالیس منٹ میں کچھ نہیں بدلا۔'' راحین نے چہرے پر کریم رگڑتے ہوئے کال ریسیو کی۔

''بدل گیا ہے۔ مجھے تم پھر سے یاد آ رہی ہو۔'' ارحم نے پیار سے اسے دیکھا۔

''مجھے تو نیند آ رہی ہے۔'' راحین دوسروں کے لیے خود کو بدلا نہیں کرتی تھی۔

''تم تو سو جاؤ گی آرام سے۔ میں ساری رات تمہیں یاد کروں گا۔ میری نیند ایسے ہی روز تم پر قربان ہو جاتی ہے۔'' وہ بہت جلد بہت قریب آ گیا تھا۔

''قربانیاں جتائی جائیں تو مطلب کھو دیتی ہیں۔''

''لیکن محبت ہو تو سب کہہ دینا چاہیے۔'' ارحم کی تیزیاں ایسی ہی تھیں۔

''کیا محبت ہونا اتنا آسان ہوتا ہے؟'' راحین نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا محسوس کرتی ہے۔ لیکن ارحم کی آمد سے وقت بہتر ضرور ہو گیا تھا۔

''ویسے سنا ہے محبت بہت مشکل کام ہے۔ لیکن میرے سامنے راحین گیلانی تھی۔ میرے پر تو جادو ہو گیا ہے۔''

''ایسی باتیں کرو گے تو میری نیند بھی اڑ جائے گی۔ اور کل میرا یونی ورسٹی کا پہلا دن ہے۔'' راحین کو چند لمحے لگتے تھے۔ وہ ان چند لمحوں میں خود کو مضبوط کر لیتی تھی۔ اور پھر سے نارمل ہو جاتی تھی۔

''اچھی بات ہے نہ نیندیں اڑانے والی کی بھی نیندیں اڑیں۔'' ارحم نے فلرٹ انداز میں کہا۔

راحین خاموشی سے ہاتھوں کی مساج کر رہی تھی۔ وہ کسی کو اپنے پاس آتا دیکھ کر ڈر جاتی تھی۔

''میں کچھ سوچ رہی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا؟'' ارحم مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے بارے میں۔'' اس نے سسپنس



Scanned with CamScanner

سے کہا۔

"زہے نصیب۔" اس کی آواز گمبھیر ہوئی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ تم ایسے ہی مجھے فون کرتے رہے تو تمہارے بزنس کا کیا بنے گا؟" راحین نے آنکھیں دکھائیں۔

"یہی تو میں سوچتا ہوں۔ تمہیں دیکھتا رہا تو میرا کیا بنے گا۔" ارحم جہاں بیٹھا تھا وہاں ہی نیم دراز ہوا۔

"میرے پاس حل ہے اس کا۔" راحین نے رازداری سے کیمرے کے پاس آکر کہا۔

"اچھا وہ کیا؟"

"آنکھیں بند کرو۔ میں تین تک گنتی ہوں پھر کھولنا۔" راحین نے حکم دیا۔ ارحم نے آنکھیں بند کرلیں۔

"ایک......دو......" راحین نے کہہ کر ساتھ ہی فون پر کال کاٹ دی۔

خود وہ مسکراتی ہوئی سونے چلی گئی۔

☆☆☆

ایک ہی صبح ایک ہی شہر کے دو حصوں میں طلوع ہوئی تھی۔ لیکن اتنی مختلف جیسے دو الگ جہانوں کا قصہ ہو۔

فواد چھت سے پھر سکے لے کر اترا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل کے پین ہولڈر میں سکے ڈال کر وہ باتھ روم میں آگیا۔ زنگ آلود کیلوں سے جھولتی کنڈی اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اس نے پانی سے بھری بالٹی دروازے کے آگے رکھ کر کام چلایا اور شیمپو کی بوتل میں پانی بھرنے لگا۔

راحین ٹینس کھیل کر آئی تو دو ملازمائیں اس کا کمرہ ترتیب دے رہی تھیں۔ اس کا پسندیدہ میوزک آن تھا۔ شاور اس کے انتظار میں برس رہا تھا۔ باتھ سلیپر، شاور، ہیر ڈرائر قطار میں لگے انتظار کررہے تھے۔ راحین نے آتے ہی موبائل بیڈ پر اچھالا اور نہانے چلی گئی۔

☆☆☆

فواد یونی ورسٹی کے راستے میں مائدہ کو کالج چھوڑتا تھا۔ آج اس نے آخری سمسٹر کے پہلے دن کے اعزاز میں سائرہ کی دی شرٹ پہنی تھی۔ وہ بے ہنگم راستے سے اپنی مختصر سی سواری احتیاط سے گزارنے لگا۔

جبکہ راحین کی گاڑی کے پیچھے اس کا ڈرائیور شکور پروٹوکول کی دوسری گاڑی میں سوار تھا۔ شاہد کی خاص ہدایت تھی کہ راحین کو اکیلا نہ چھوڑے۔ فواد راستے میں رکا تو ایک خراب اسکول وین کی مدد کرنے لگا۔

وہ سگنل پر رکی تو مانگنے والے فقیروں سے بدبو نفسیاتی طور پر آنے لگی جبکہ کھڑکیاں بند تھیں۔

فواد یونی ورسٹی میں پہلے داخل ہوا۔ اس نے بائیک پارک کی اور دور کھڑے دوستوں کو ہاتھ ہلانے لگا۔ وہ خوشی سے بیچ کا فاصلہ پار کررہا تھا۔ اتنے میں راحین گیلانی کی گاڑی زن کرتی ہوئی آئی۔ جیسے سڑک پر چلتے انسان اسے نظر ہی نہیں آتے ہوں۔ فواد ٹکرانے کے ڈر سے کود کر پیچھے ہوا اور پھسل کر کیاری کے کیچڑ میں جا گرا۔ راحین گیلانی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ یہ جا وہ جا ہوگئی۔

فواد بے بسی سے اپنی کیچڑ سے تر قمیص دیکھ رہا تھا۔ کل ہی سائرہ نے کتنی محبت سے اپنی رقم جوڑ کے اسے یہ شرٹ گفٹ کی تھی اور آج۔

فواد نے نظر اٹھا کر اس بدتمیز لڑکی کو دور سے گھورا۔

"یہ کون ہے جو پرستان کا راستہ بھول کر ادھر آگئی ہے؟" علیم آیا تو فواد کی مدد کو تھا۔ مگر راحین کی جھلک دیکھ کر وہیں کھو گیا۔

"پرستان کا نہیں پاگل خانے کا راستہ بھول کر آئی ہے۔ دیکھو، میری شرٹ کا کیا حال کردیا۔" غصے اور بے بسی سے اس کا برا حال تھا۔

علیم اب بھی دور راحین کو گاڑی پارک کرتے دیکھ رہا تھا۔ آدھا سفید آدھا گلابی ڈیزائنر جوڑا۔ کرل کیے بال اور برائے نام دوپٹا علیم دیکھتا ہی رہ گیا۔ اور وہ بے نیازی سے چلی گئی۔

digest library.com

"بہت حسین ہے۔ دیکھی ہوئی لگتی ہے۔" علیم کے خوابیدہ انداز سے فواد مزید ناگوار ہوا۔

"یہ حسن نہیں آسائشیں ہیں جو چہرے پر چمک رہی ہیں۔ جتنا ہمارے گھر کا مہینے بھر کا بجٹ ہوتا ہے اتنا یہ پارلر میں ایک دن میں اڑاتی ہیں۔ پانی تک تو اٹھ کر پینا نہیں آتا۔ ہاتھ پاؤں استعمال ہی نہیں ہوئے تو خوب صورت ہی رہیں گے۔" فواد رومال نکال کر بڑبڑاتے ہوئے شرٹ کو خشک کر رہا تھا۔

علیم نے چڑ کر فواد کو دیکھا۔

"یار! تو کسی شاعر کا بدترین خواب ہے۔ کسی نازنین کے نین نقش کی تعریف کیا کروں تم ایسی تذلیل کرتے ہو۔ کہ حسن زہر کا پیالہ لگنے لگتا ہے۔"

علیم نے ماتھا پیٹا۔ فواد سے بزرگی کے سوا اور کسی چیز کی توقع کرنا ہی بے کار تھا۔

"شاعروں کی نسل کبھی میرے پلے پڑی ہے نہ ان کو میری سمجھ آئے گی۔ میں دانشوروں کے نقش قدم پر چلتا ہوں۔" فواد نے لہجہ دھیما کیا۔ اس کا اچھا بھلا موڈ ستیاناس ہو گیا تھا۔ مگر علیم کا قصور نہیں تھا جو اس پر بگڑے۔

"فی الحال تو آپ میرے نقش قدم پر چلیں۔ کلاس کا ٹائم ہو گیا۔" علیم نے نظروں سے راہ دکھاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

غزالہ نے دھیان بٹانے کے لیے سوئی دھاگہ سنبھال لیا۔ ابھی رشتہ کروانے والی ثمین ہو کر گئی تھی۔ جس کا دعوا تھا کہ جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں مگر زمین پر انہیں ڈھونڈتی ثمین ہے۔ وہ سائرہ کے لیے جس لڑکے کی تصویر لائی تھی۔ اس کو لڑکا کہنا زیادتی تھی۔ عمر اچھا خاصا ادھیڑ عمر کا مرد نظر آتا تھا۔ اس کی واحد خوبی یہی تھی کہ کم پڑھا لکھا ہونے کے باوجود اس کا الیکٹرونکس کا چلتا کاروبار تھا۔

غزالہ بدمزا ہو کر اپنی بچی کی کم عمری اور گن گنوانے لگیں تو ثمین نے بھی ان کی توجہ گھر کی بری ہوتی حالت کی طرف کروائی۔ اس کا کہنا تھا لوگ تو بھی دیکھتے ہیں کہ بے روزگار باپ ہے۔ لڑکی بیاہ کر لائی ہے تو اس کو اپنے گھر کے صوفے پر بٹھا کر کھلانا ہے۔ کیونکہ لڑکی کے جہیز میں صوفہ سیٹ آنے کی امید بھی نہیں۔

غزالہ اب رنگین دھاگوں سے پھول کاڑھتے ہوئے وہی باتیں کلس کر سوچ رہی تھیں۔

"جہاں تین ٹائم کھاتے ہیں۔ وہاں دو ٹائم کھا لیتے۔ لیکن سائرہ کی پڑھائی نہ چھڑواتے تو اب وہ ڈاکٹر بن رہی ہوتی۔" غزالہ سوئی کا دھاگا لمبا کھینچ کر اس ہی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

بستر پر نیم دراز رشید صاحب بیگم کو انہماک سے دیکھ رہے تھے۔

"کاش میں نے بھی تمہاری طرح کڑھائی سلائی سیکھی ہوتی۔ وقت گزاری کے لیے میرے پاس بھی کچھ ہوتا۔" وہ دھیرے سے مسکرائے۔ غزالہ کی سوچیں ٹوٹیں۔

"پہلے آپ کو فراغت کی تمنا تھی۔ اب میسر ہے تو آپ ناشکری کرتے ہیں۔" غزالہ کے اعصاب کچھ ڈھیلے پڑے تھے۔

"فراغت تو تب ہوتی جب فرائض پورے کر کے بستر پر لیٹتا، یہ فراغت نہیں بے کاری ہے۔" قدم قدم پر مایوسی کے خودرو پودے اگ آتے تھے۔ جنہیں وہ اگلے ہی لمحے جڑ سے اکھاڑنے میں جت جاتے تھے۔ اس لیے بستر پر لیٹا رہے تو بھی وہ تازہ دم نہیں ہو پاتے تھے۔ کیونکہ ان کی مشقت ذہنی تھی۔

رشید صاحب نے قریب پڑا موبائل اٹھایا۔

"سنا ہے۔ آج کل لڑکے لڑکیاں انٹرنیٹ پر کام کر لیتے ہیں۔ مصروفیت بھی آمدن بھی۔" رشید صاحب نے اپنے موبائل کی اسکرین کو گھورا۔

"موبائل کا ہی نتیجہ ہے لوگ سوچتے بعد میں ہیں، لکھ پہلے دیتے ہیں۔ ہم تو باتوں کی بھی چٹنی ڈالتے تھے۔" غزالہ نے سہولت سے بات پلٹ دی۔

"میں بھی دفتر میں باتیں اکٹھی کرتا تھا کہ رات کو



Scanned with CamScanner

تم سے کروں گا۔ مگر رات کو تھکاوٹ ذہن پر تالے ڈال دیتی تھی۔" رشید صاحب نے پرانا وقت یاد کیا۔

"تو اب وقت ہے، اب وہ باتیں کریں۔" غزالہ نے کڑھائی والا دوپٹا لپیٹ کر رکھ دیا۔

"اب لفظ کم آہیں زیادہ نکلتی ہیں۔" مایوسی کے خاردار پودے اکھاڑ کر وہ تھک جاتے تھے۔

"دل بڑا بے وقوف ہوتا ہے۔ ہر غم کو اپنا بنا لیتا ہے۔ آپ اپنے دل کو ناکامیوں کے غم میں ہلکان کرنا چھوڑ دیں۔" غزالہ نے بہت محبت سے سمجھایا تھا۔

"دل بے وقوف ہوتا ہے نہ آنکھیں ظالم۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ تم میری تین سال کی بیماری میں مشکلیں جھیل کر اپنی عمر سے دس سال بڑی لگنے لگی ہو تو اس دل کے ساتھ دماغ بھی تمہارا مقروض ہو جاتا ہے۔" ان کی نظروں نے جذبوں کی تصدیق کی تھی۔

غزالہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ شوہر نے سالوں کا خراج ایک جملے میں دے کر اظہار محبت سے بڑی بات کہہ دی تھی۔ انہوں نے گہرا سانس لے کر ماحول میں آئی اداسی جھٹکی۔

"چلو اس عمر میں ہی سہی اس بہانے آپ نے مجھے نظر بھر کر دیکھا تو سہی۔" غزالہ نے آنکھ کی پور صاف کی۔ دونوں بے ساختہ مسکرا دیے۔

☆☆☆

وہ مہک کے ساتھ یونی ورسٹی کا ریڈ ور عبور کر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ریمپ واک کر رہی ہو۔ راستے میں موجود اسٹوڈنٹس کی ٹولیاں گفتگو روک کر اس کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگ جاتیں۔ لڑکے خوش ہو رہے تھے تو لڑکیاں حیران تھیں۔

"تمہیں چاہیے تھا۔ مجھے بھی اپنے ساتھ امریکا لے جاتیں۔ الٹا تم نے خود میری یونی ورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔" مہک اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی تھی۔ لیکن راعین جیسے امرا کی حد کو نہیں پہنچی تھی۔

"اس ملک میں اتنے دلچسپ لوگ ہیں مجھے رکنا ہی پڑا۔" راعین نے کسی کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

لڑکوں کے ایک ٹولے میں سے ایک شرارتی لڑکا راعین سے تین گز آگے کھڑا ہو کر کیمرے میں سیلفی ایڈجسٹ کرنے لگا۔ اوپر نیچے سب اسے دیکھ رہے تھے لیکن راعین اور مہک اپنی باتوں میں مگن تھیں۔ لڑکے نے اپنے سارے دانت نکال کر دور سے آتی راعین کے ساتھ سیلفی لی۔ جیسے کومل رضوی نے ایدھی صاحب کے ساتھ لی تھی۔ ایک انجان، دوسرا جو شیلا۔

"کون سے دلچسپ لوگ مل گئے؟ میں بھی تو سنوں۔" مہک نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

اور وہ دونوں کوریڈور عبور کر گئیں۔

☆☆☆

پڑھائی اور غیر نصابی سرگرمیاں اس نے یونی ورسٹی میں بھی خود پر بہت زیادہ ذمہ داریاں ڈال لی تھیں۔ وہ اسی چکر میں چکراتا پھر رہا تھا کہ جیتا چکر آ گیا۔ وہ سانس لینے کو ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر مشکلوں کا حل ڈھونڈ رہا تھا اور ساتھ قمیص کو کھرچ کر اس پر لگی مٹی اتار رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی، یہ میرا بنچ ہے۔" راعین نے پیچھے سے آ کر فواد کو پکارا۔

فواد کو پہلے خبر ہی نہ ہوئی کہ اس کو کسی نے پکارا ہے۔ جب راعین نے دوسری بار کہا تو فواد نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔

"یہ کھلے گراؤنڈ میں لگا بنچ ہے۔ آپ کا کیسے ہو گیا؟" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"میں ابھی اپنی نوٹ بک رکھ کر کینٹین تک گئی تھی۔" راعین نے فواد کے پہلو میں پڑی بک کی طرف اشارہ کیا اور اپنے ہاتھ میں موجود پانی کی ڈس پوزیبل بوتل لہرا کر تصدیق کروائی۔

ساتھ کھڑی مہک شرمندہ ہونے لگی تھی۔ اردگرد کھڑے لوگوں کی توجہ اس ہی جانب مبذول ہو گئی۔ جہاں یونی ورسٹی کا سب سے مشہور اسٹوڈنٹ فواد، نیو سیلیبرٹی راعین گیلانی سے بات کر رہا تھا۔ فواد نے نوٹ بک اٹھا کر پہلا صفحہ کھولا۔

"راعین گیلانی!" اس نے باآواز بلند نام پڑھ

digest library.com

کر بک اس کی طرف بڑھائی۔

”میرا بنچ؟“ نوٹ بک پکڑ کر وہ استحقاق سے اب بھی اپنے بنچ کا مطالبہ کر رہی تھی۔

”یہ فواد ہیں اسٹوڈنٹ کاؤنسل کے ہیڈ۔“ مہک نے اس کے کان میں کہا۔ مگر راحین کو اس وقت صرف مٹی میں لتھڑا ایک لڑکا نظر آ رہا تھا۔ وہ تمیز سے بول رہی تھی یہی اس کا بڑا پن تھا۔

”محترمہ آپ یونی ورسٹی آ چکی ہیں۔ یہ تیرے میرے والی حرکتیں اسکول کے بچے کرتے ہیں۔“ فواد نے یاد کروایا۔

”میں نے اسکول میں جو مینرز سیکھے تھے۔ وہ مجھے اب تک یاد ہیں۔ سب کو ہی یاد رکھنے چاہئیں۔“ اس نے سینے پر ہاتھ باندھے۔

”میں نے سیکھا تھا کہ صفائی رکھنی چاہیے۔ آپ نے نہیں سیکھا؟“ راحین نے قدرے بدتمیزی سے کہا۔

فواد کو بھی احمقوں سے بحث کرنے کا شوق نہیں تھا۔ اس لیے اٹھ کر جانے لگا۔

”آپ نے میرا بنچ گندا کر دیا ہے۔ اس پر مٹی لگی ہے۔“ راحین نے پیچھے سے پکارا۔

”میں کسی پیون کو بھیجتا ہوں۔“ فواد نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔

اردگرد موجود دوسرے اسٹوڈنٹس کھسک کھسک کر ان کے قریب آ گئے تھے۔

”تب تک میری کلاس کا ٹائم ہو جائے گا۔“ راحین نے اپنے پرس سے وائپس کا پیکٹ نکالا اور فواد کی طرف بڑھا دیا۔

”آپ صاف کر دیں۔“ وہ بڑھا ہوا ہاتھ منہ پر طمانچہ ہی تو تھا۔

”یہ یونی ورسٹی ہے آپ کے محل کا دیوان خاص نہیں۔ یہاں آدھے بنچوں پر مٹی ہے اور ہائی پر کوؤں کی مہربانی۔ عادت ڈال لیں۔“ اس کا لہجہ سخت ہوا۔

”اپنی للکی بے زبان کوؤں پر مت ڈالیں۔ ابھی تو میں نے آپ کو رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔“ راحین نے اکڑ کر کہا اور فواد کے ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

فواد کے ہاتھوں پر لگی مٹی صاف نظر آ رہی تھی۔

”میرا یہ رنگ روپ آپ کی دین ہے۔ منج گاڑی بھگاتے ہوئے آپ نے مجھے کیچڑ میں دھکیل دیا تھا۔“ اب فواد دکھا ہوا۔

”میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ یہ لیں آپ اپنی شرٹ بھی صاف کر لیں۔“ اب کے راحین نے بوتل کا ڈھکن کھول کر اس کی طرف بڑھائی۔

اردگرد لوگ ہنسنے لگے۔ مہک کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو رہا تھا۔

”ذرا سی مٹی آپ دیکھ لیتی ہیں۔ انسان آپ کو نظر نہیں آتے۔ آپ کا صرف سوری کہہ دینا کافی ہوتا۔“ فواد کو اس کی سطحی تربیت دیکھ کر دل سے افسوس ہوا تھا۔

”راحین چلو سینئر ہیں۔“ مہک نے اسے لے کر جانے کے لیے اس کا بازو پکڑا۔

”سینئر ہیں تو ان کو معلوم ہو گا۔ اصول سب کے لیے برابر ہیں۔“ اس نے مہک کو جتلایا پھر فواد کو دیکھا۔

”میں آپ کو پانی دے رہی ہوں۔ آپ اپنی شرٹ صاف کر لیں اور میرا بنچ مجھے صاف کر دیں۔ سمپل۔“ اس نے کھلی بوتل فواد کی طرف بڑھائی۔

”اب ایسا ہے تو ایسے ہی سہی۔“ فواد ہار ماننے کے انداز میں مسکرایا۔ اردگرد باقاعدہ مجمعا لگ گیا تھا۔

فواد نے ہاتھ بڑھا کر پانی کی بوتل کو دو انگلیاں لگائیں راحین کو لگا اس نے بوتل پکڑ لی ہے۔ راحین نے بوتل چھوڑ دی۔ بوتل سیدھا بنچ پر گری اور بہنے لگی۔ سارا بنچ پانی پانی ہو گیا۔ راحین اور مہک پر بھی پانی گرا۔ راحین خود کو پانی کے چھینٹوں سے بچانے کی خاطر جھٹکے سے پیچھے ہوئی اور بے یقینی سے فواد کو دیکھا جو بے ضرری شرارت کے بعد زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

”لیجیے آپ کا بنچ تو صاف ہو گیا ہے۔ رہی میری شرٹ تو میں گھر جا کر صاف کر لوں گا۔ تشریف



Scanned with CamScanner

رکھیے۔" فواد نے چڑانے والے انداز میں نیچ پر ہاتھ جھاڑے۔ اردگرد سب نے چیئر کرنا شروع کر دیا۔ فواد ون راحین زیرو۔

فواد مڑ کر جانے لگا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری تھی۔ اسے سکون سے جاتا دیکھ کر راحین مزید تلملا اٹھی۔

☆☆☆

گیلانی ہاؤس پہنچ کر جس طرح وہ تن فن کرتی اندر گئی تھی۔ سب کو ہی نظر آ گیا تھا کہ میڈم راحین کا موڈ اچھا نہیں ہے۔

"اس نے اچھا نہیں کیا۔" راحین اتنی گرم تھی کہ سکون سے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"تم بھی تو پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔" مہک بہت سنبھل کر بولی تھی۔ اس وقت راحین کے آس پاس رہنے والوں کو بھی خطرہ تھا۔

"میڈم آپ کے لیے کچھ آیا ہے۔" ملازمہ نے آ کر اطلاع دی۔ گویا اپنی شامت کو دعوت دی۔

"تو لے آؤ۔" راحین نے کوفت سے کہا۔

"یہاں؟" ملازمہ نے دوبارہ تصدیق چاہی۔

"میں یہاں ہوں تو یہیں منگواؤں گی۔" اس نے یوں آنکھیں گھما کر ملازمہ کو دیکھا جیسے اس کی عقل پر شک کر رہی ہو۔

ملازمہ چلی گئی۔

"آرام سے اس کا کیا قصور ہے۔ تم بیٹھو تو۔" ایک اچھی سہیلی ہونے کے ناتے اس وقت اس کا کام صرف راحین کو ٹھنڈا کرنا تھا۔

ملازمہ دو ملازموں کی مدد سے ایک بڑا ڈبہ اندر لے کر آئی ہے۔

"یہ کیا ہے؟" راحین سب غصہ بھول کر اب حیران تھی۔

"کسی تو آیا تھا۔" ملازمہ نے کہا۔

اسے اب سمجھ میں آئی کہ ملازمہ نے دوبارہ کیوں پوچھا تھا۔

"یہ کس نے دیا؟" مہک نے ملازموں کے جانے کے بعد پوچھا۔

راحین نے ڈبہ کھولا، اندر سے چند گیس بھرے غبارے نکل کر چھت سے جا لگے۔ راحین نے سنبھل کر اندر ہاتھ ڈالا اندر آٹھ اچھی قسم کے گہرے سرخ گلابوں کا ایک گلدستہ تھا۔

"امید کرتا ہوں۔ یونی ورسٹی کے یہ آٹھ گھنٹے آپ کے لیے پھولوں سے گزرے ہوں گے۔ ارحم جنید۔" راحین نے کارڈ پڑھا۔

اتنے میں مہک اٹھ کر آ چکی تھی۔

"اتنے بڑے ڈبے میں صرف پھول اور غبارے؟" مہک نے ڈبے کو ہلایا۔ وہ گتے کا سفید رنگ کا خالی ڈبہ تھا۔ بڑا تھا مگر ہلکا تھا۔

"قیمت میٹر نہیں کرتی۔ یہ دیکھو کہ اس نے پچھلے آٹھ گھنٹوں میں مجھے کتنا مس کیا ہوگا۔" راحین پھولوں پر اپنی نرم انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"خیر تمہیں جو بھی ملتا ہے یاد رکھتا ہے تم راحین گیلانی ہو۔ یہ بتاؤ تم نے اسے کتنا مس کیا؟" مہک نے اس سے بہت سادے لفظوں میں پوچھا۔

راحین جیسے لاجواب ہوئی تھی اس سے جواب مل گیا تھا۔

"میں بھول بھی گئی تھی تو اس نے یاد کروا دیا۔ یہی اس کی اچھی بات ہے۔" راحین پھر سے نارمل ہو گئی۔

☆☆☆

رات کے گیارہ بجے تھے۔ لکڑی کی سنگھار میز پر کئی قسموں کا میک اپ کھلا پڑا تھا۔ بڑے سے آئینے کے ساتھ موبائل کھڑا تھا۔ جس پر ایک میک اپ ٹیوٹوریل چل رہا تھا۔" زارا نے ایک آنکھ پر انگلی رکھ کر اسے زبردستی بند کیا ہوا تھا۔ دوسری آنکھ سے ٹیوٹوریل دیکھ کر وہ بند آنکھ پر آئی شیڈو لگا رہی تھی۔ آنکھوں کا میک اپ کر کے اس نے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائی اور پاؤٹ کرنے لگی۔

"یہ رات گئے تم پاپ بیٹی کا دن کیوں چڑھ جاتا ہے؟" فاخرہ اچانک پیچھے سے آ کر بولی تھیں۔ زارا کا مسکارا لگاتا ہاتھ لرز کر اس کے ماتھے پر جا لگا۔



Scanned with CamScanner

digest library.com

"امی میرا سارا میک اپ خراب کر دیا۔" وہ جھنجلا کر ٹشو سے ماتھا صاف کرنے لگی۔ "تمہارے ابو دکان سے آ کر سو جاتے ہیں۔ پھر اٹھ کر جو ٹی۔ وی دیکھنا شروع کرتے ہیں تو آدھی رات کر دیتے ہیں اور تم اس وقت میک اپ ایسے کر رہی ہو جیسے خواب میں مقابلہ حسن میں شرکت کرنی ہو۔" فاخرہ کو بیٹی کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔

"آج کل فیشن کی سمجھ نہ ہو تو گزارا نہیں ہوتا۔" زارا بال بناتے ہوئے ماں کو سمجھا رہی تھی۔

"کبھی وقت تم پڑھائی کو دے دیا کرو۔ بی اے کی دو سپلیاں تمہیں بھول گئیں۔ بی اے کلیئر کرو تو میں تمہارا بیاہ کروں۔" فاخرہ نے بیٹی کے قریب ہوتے ہوئے ہاتھ نچایا۔

"امی اب تو الیکشن میں بھی بی اے کی شرط ختم ہو گئی ہے۔ آپ کیسی ماں ہیں۔ شادی کے لیے بی اے لازم کیا ہوا ہے۔" زارا نے غصے سے ہیئر برش ٹیبل پر رکھا۔

اتنے میں ڈور بیل بجی۔ فاخرہ مڑنے لگیں۔

"میں دیکھتی ہوں۔" زارا کہہ کر کود لی پھلانگتی اس کا راستہ کاٹ کر دروازے تک پہنچ گئی۔

فاخرہ کو پہلے شک تھا اب یقین ہو گیا کہ گھر بیٹھ کر زارا کا ذہن الٹ گیا ہے۔ زارا نے دروازہ کھولا۔ دروازے پر فواد تھا۔ زارا کی مسکراہٹ اس سے بھی بے لگام تھی سا سے چھپانا آتا ہی نہیں تھا۔

"میں نے اسٹور بند کر دیا ہے۔ منیر چچا کو چابی دے دینا۔" فواد نے چابی بڑھائی۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ یونی ورسٹی کے بعد منیر چچا کے اسٹور پر کام کرتا تھا پھر رات کو تالے لگا کر اسی وقت چابی دینے آتا تھا۔ اب بھی وہ چابی دے کر جانے لگا۔

"اندر آئیں ہمارے ساتھ چائے پئیں۔" زارا نے اتاؤلا ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ دو قدم پر تو میرا گھر ہے ضرورت نہیں۔" فواد احترام سے مسکرایا۔

"بھائی کے جانے کے بعد آپ نے اندر آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔" زارا تو ضد کر رہی تھی کہ وہ اندر آئے۔

"کیسا ہے دانیال؟" فواد نے مروت میں پوچھ لیا۔ حالانکہ دانیال سے اس کی کبھی بھی کوئی خاص دوستی نہیں رہی تھی۔

"بالکل ٹھیک ہیں۔ بہت خوش ہیں۔ آپ کا پوچھتے رہتے ہیں۔" زارا اس بار زیادہ ہی کہہ گئی۔ فواد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ واضح تھا اس نے اس بات کا یقین نہیں کیا تھا۔

"اللہ حافظ" فواد جانتا تھا چھوٹی لڑکی ہے۔ خوش گفتار ہونے کے چکروں میں جھوٹ بول گئی ہے۔ اس نے نظر انداز کیا۔

وہ اندھیرے گیٹ پر ہی الوداع کر کے چلا گیا تھا۔ زارا نے کمرے میں آ کر موبائل کا فرنٹ کیمرا کھولا اور خود کو دیکھنے لگی۔

"اتنی محنت کی تھی۔ کیا فائدہ۔" اس نے منہ لٹکا کر سوچا۔

☆☆☆

اس کے تعلقات میں ہر شعبے کے لوگ تھے۔ مگر دوست ایک ہی صرف مہک تھی۔ وہ بھی اس لیے کیونکہ مہک نے کبھی وقت ان کے بیچ آنے نہیں دیا تھا۔ وہ کبھی مہینوں ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے تھے لیکن جب ایک دوسرے کو فون کرتے تو ایسے جیسے کوئی وقت گزرا ہی نہ ہو۔

اب ارحم اس کا دوسرا دوست بنتا جا رہا تھا۔ مہک سے وہ حال کی بات کرتی تھی تو ارحم اسے ماضی اور مستقبل کے ذکر کا حوصلہ دیتا تھا۔ ارحم کی دوستی اسے گدگداتی تھی۔ پچھلی شام انہوں نے ساتھ گزاری تھی۔ رات ڈھل گئی دن چڑھ گیا مگر اس شام کی باتیں ابھی بھی راحین یاد کر کے دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔

"ہمیں بھی کسی ایکٹویٹی میں حصہ لینا چاہیے۔" مہک نے یونی ورسٹی نوٹس بورڈ کے سامنے رک کر کہا۔

"اس یونی ورسٹی کو بہت امپروومنٹ کی ضرورت ہے۔" راحین نے تنقیدی نگاہ ڈال کر تمام ایکٹیویٹیز کو رد

کیا۔
سامنے ایک صفائی والا، لمبے ڈنڈے والا موپ مار رہا تھا۔ اور مارتے ہوئے راحین کے عین سامنے آ چکا تھا۔

"دیکھ کر۔" راحین نے جھڑکتے ہوئے کہا اور راستہ بدل کر آگے کو نکل گئی۔ سیڑھیوں کے اوپر فواد اور علیم کچھ باتیں کرتے گزر رہے تھے۔ مہک نے انہیں دیکھ لیا۔ دو دن پرانی بات اسے اچھے سے یاد تھی۔

"راحین یہاں سے چلتے ہیں۔" مہک نے تیزی سے راستہ بدلنا چاہا۔ تب تک راحین بھی نگاہ اٹھا کر دونوں کو دیکھ چکی تھی۔

"میں راستہ نہیں بدلتی۔ دوسروں کو راستے سے ہٹا دیتی ہوں۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر مسکرائی پھر کچھ سوچ کر مڑی اور اس ہی صفائی والے کو پکارا۔ جس کو لمحہ بھر پہلے حقارت سے دیکھا تھا۔

"ایکسیوز می، سر۔ ایک کام تھا آپ سے۔" راحین نے شیرے جیسے لہجے میں کہا اور اس کے سامنے ایک نیلا نوٹ لہرایا۔

☆☆☆

"یہ نوٹس بہت ضروری ہیں۔ آج ہی لکھوا دو۔" فواد نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ دیکھتے ہوئے علیم کو کہا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

اسی لمحے صفائی والے نے گندے پانی سے بھری بالٹی عین سیڑھیوں کے نیچے رکھی اور نیلا کڑکتا نوٹ جیب میں ڈال کر روپوش ہو گیا۔

فواد نے جلدی میں بھی دیکھ لیا تھا کہ نیچے بالٹی پڑی ہے۔ اس نے قدم روک لیے مگر رفتار کے باعث اس کا پاؤں پھر بھی پھسل گیا تھا۔ بالٹی میں پاؤں پڑنے کے بجائے وہ اس کے قریب بیٹھنے کے انداز میں گر گیا۔ اس کے ہاتھ میں موجود اہم نوٹس پانی کی گندی بالٹی میں تیرنے اور ڈوبنے لگے۔

فواد نے غصے سے پانی کی بالٹی کو مکا مارا۔ مہک کانوں میں ہینڈز فری لگا کر دیوار کی اوٹ میں ہو گئی تھی جبکہ راحین اترا کر چلتے ہوئے فواد کے سامنے آ گئی۔ اور ٹھیک ویسے ہی ہاتھ جھاڑے جیسے بینچ پر پانی گرنے کے بعد فواد نے جھاڑے تھے۔ علیم کا بھی منہ حیرت سے کھلا تھا۔ یہ لڑکی کس مٹی کی بنی تھی؟ فواد کو اس بددماغ لڑکی پر جی بھر کے غصہ آیا تھا۔

پہلی بار اس نے ناپسندیدہ لوگوں کی فہرست بنائی تھی جس میں فی الحال ایک ہی نام تھا اور سرفہرست تھا۔ "راحین گیلانی"

☆☆☆

صارم لیپ ٹاپ پر تیزی سے انگلیاں چلا رہا تھا۔ پھر کچھ وقفہ لے کر ہاتھ میں موجود پیپر دیکھتا اور دوبارہ ٹائپ کرنے لگتا۔ حمیدہ بہت جوش سے دروازہ دھکیل کر اندر آئیں اور آتے ہی کہنے لگیں۔

"تمہاری ساجدہ خالہ کا فون آیا تھا۔ بیٹے کی شادی سے خیر سے فارغ ہوئی ہیں۔" یہ دیکھے بغیر کہ صارم معروف ہے وہ پٹر پٹر بولنے لگیں۔ صارم نے ایک نظر ماں کو دیکھا مگر اس سے زیادہ دیکھ ہی نہیں سکا۔ اس کا کام اتنا ہی ضروری تھا۔

"اس نے تصویریں تمہیں ای میل کر دی ہیں ذرا کھول کر دیکھنا۔" اس نے حکم دیا۔

"جی امی ایک منٹ۔" صارم نے بہت باادب لہجے میں کہا۔ مگر اس کی نگاہیں اب بھی لیپ ٹاپ اسکرین پر تھیں۔ حمیدہ بیٹھ گئیں۔ بمشکل دس سیکنڈ ہی ہوئے تھے کہ حمیدہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"شاباش ہے۔ اتنی دیر سے آ کے بیٹھی ہوں اور تمہاری نظر اس لیپ ٹاپ سے اٹھ ہی نہیں رہی۔ یہ ہی تربیت کی ہے میں نے تمہاری؟" وہ چلائی تھیں۔

صارم بھی گڑبڑا گیا۔

"نہیں امی بہت ضروری ایپلیکیشن بھیج رہا ہوں۔ آپ کو کیسے اگنور کر سکتا ہوں۔" اس نے ماں کے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے۔ وہ اکلوتا بیٹا تھا۔ اور قدم قدم پر اس کو اپنی فرماں برداری ثابت کرنی پڑتی تھی۔

"گھر والوں سے ضروری کوئی نہیں ہوتا۔ وہ



Scanned with CamScanner

digest library.com

چھوٹی بہنیں ہیں تمہاری، تم تو ماں سے ہی نظریں چرانے لگے۔ بہنوں کے فرائض کیسے دیکھو گے؟"

حمیدہ کو جب غصہ آتا تھا تو اکلوتے بیٹے کی ساری اچھائیاں کھڑے کھڑے بھسم ہو جاتی تھیں۔ صارم نے جلدی سے موبائل آن کیا تھا۔

"امی ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ آپ سے بڑھ کر میرے لیے کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے موبائل پر تصویریں کھولیں اور ماں کو دکھانے لگا۔

"یہ دیکھیں شادی کی تصویریں۔"

"تو اب میں اتنی چھوٹی سی اسکرین پر تصویریں دیکھوں؟ تصویریں تو دوسرے ملک میں کھینچی ہیں جو اتنی دور سے دیکھنی پڑیں۔" ان کو نہ جانے کس بات میں اتنی زیادہ بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔

صارم نے کمپیوٹر اسکرین پر دیکھا جہاں وہ یونی ورسٹی ایڈمیشن کے لیے موٹی ویشن لیٹر لکھتے ہوئے انہماک سے جذبات انڈیل رہا تھا اور یہ بے حد ضروری کام تھا اس کی بیس پر ایڈمیشن سلیکٹ اور ریجیکٹ ہوتے تھے۔ اب ایک طرف کیریئر تھا اور دوسری طرف وہ ماں جس کے لیے اسے کیریئر بنانا تھا۔ اس نے اپنا کام بند کر دیا۔ اور ماں کے لیے تصویریں کھول دیں۔

"دلہن کا ڈریس پھیکا ہے۔ مگر ہمارا لڑکا کتنا سوہنا لگ رہا ہے۔"

حمیدہ پھر سے پہلے سی خوش ہو گئیں۔ اسے خبر تھی نہ پروا کہ بیٹا کیا محسوس کر رہا ہے۔

☆☆☆

وہ ایک کامیاب بزنس مین کی بیٹی تھی۔ اسے نیچے سے زینہ زینہ چڑھ کر اوپر جانے کی عادت نہیں تھی۔ اس کی تربیت میں سیدھا اوپر کی کرسی حاصل کرنا شامل تھا۔ یونی ورسٹی میں بھی وہ یہی کر رہی تھی۔ کلرکا حصہ بن کر سینئرز کی چاکری کرنے کی بجائے وہ اپنا آئیڈیا لے کر سیدھا پروفیسر جعفر کے پاس اپروول کے لیے گئی تھی۔ پروفیسر جعفر ضرورت سے زیادہ پر عزم انسان تھے۔ مگر اتنے ہی بھلکڑ اور ملنگ آدمی تھے۔ فلسفیوں کی کتابیں انہیں صفحہ نمبر سمیت یاد تھیں۔ مگر سامنے رکھی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اسی قبیلے کے پروفیسر تھے جن کا لطیفہ مشہور تھا کہ کلاس میں پہنچ کر ایک پروفیسر نے کہا آج میں آپ کو مینڈک پڑھاؤں گا۔ پھر اس نے جیب میں سے لڈو نکالا تو سوچ میں پڑ گئے کہ لڈو یہاں ہے تو میں نے ناشتے میں کیا کھایا؟

پروفیسر جعفر اپنے بے ترتیب آفس میں بیٹھے راحین کے بنائے آئیڈیاز پر یوں سر دھن رہے تھے جیسے قوالی سن رہے ہوں۔ پھر راحین کی ڈیجیٹل لائبریری کے آئیڈیا پر وہ خوشی سے چٹکی بجانے لگے۔

"ایکسیلنٹ آئیڈیا لگ رہا ہے انسٹیٹیوٹ میں فریش بلڈ آیا ہے۔ آپ پروپوزل لکھو میں آئیڈیا اپروو کرواتا ہوں۔" وہ جوش سے کہتے ہوئے پیچھے لگی الماری کی طرف بڑھے اور جوش سے الماری کھولی۔ الماری بالکل خالی تھی۔

"مے آئی کم ان سر۔" دروازے پر فواد آیا تھا۔

پروفیسر جعفر چشمہ آنکھوں کے مزید قریب لے جا کر الماری کے اندر سر ڈال کر گھورنے لگے۔ جیسے یاد کر رہے ہوں الماری کیوں کھولی تھی۔

"آجاؤ فواد رائٹ آن ٹائم۔ ان سے ملو یہ ہیں ماہین گیلانی۔" پروفیسر صاحب نے مڑ کر راحین کا تعارف کروایا۔

"سر میرا نام راحین گیلانی ہے۔" وہ تصحیح کرتی اٹھی۔ فواد اور راحین نے آمنے سامنے آ کر تفصیلی نظروں کا تبادلہ کیا۔

"فواد اسٹوڈنٹس کاؤنسل کا ہیڈ ہے۔ یہ تمہیں گائیڈ کر دے گا۔" دونوں کے وجود سے پھوٹتی واضح دشمنی کو دیکھے بغیر پروفیسر جعفر ٹیبل سے کتابیں اٹھا کر خالی الماری میں رکھنا شروع ہو گئے۔

"میں نے مس ماہین کو ڈیجیٹل لائبریری بنانے کی ذمہ داری دی ہے۔" رعشہ زدہ ہاتھوں سے کتابیں الماری میں رکھتے ہوئے پروفیسر نے کہا۔

"سر آپ کو ذمہ داری ایسے لوگوں کو نہیں دینی

چاہیے جو کام کرنے سے زیادہ کام بگاڑنے میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ مجھے اپنی ٹیم میں خود سر اور گھمنڈی لوگ نہیں چاہئیں۔" فواد نے کہا۔

دونوں کی نظریں باہم ملی ہوئی تھیں۔ جیسے پہلے جو نظر پھیرے گا وہ ہار جائے گا۔

"میں ہر چیلنج میں پورا اترنا جانتی ہوں۔ شاید آپ کو ڈر ہے میرے آنے سے آپ کی پاپولیرٹی میں کمی آجائے گی۔" اس نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔ پروفیسر صاحب نے تمام کتابیں الماری میں رکھیں ان کا مطلوبہ کاغذ تمام کتابوں کے نیچے ٹیبل پر موجود تھا۔

"اس طرح پروپوزل لکھو۔" ان نے کاغذ رامین کی طرف بڑھایا۔ جیسے فواد اور رامین کی گفتگو سنی ہی نہ ہو۔ رامین نے کاغذ پکڑا تو سر جعفر سر ہلاتے ہوئے آفس سے باہر چلے گئے۔ جیسے یہ ان کا آفس ہی نہ ہو۔ بلکہ وہ یہاں مہمان آئے ہوں۔

"دیکھیں مس رامین! میں کسی قسم کی مقابلہ بازی نہیں چاہتا۔" فواد نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے کیوں کہ مجھے ہارنے کی عادت نہیں۔" وہ اس کی امن کی کوشش کو اپنے غرور سے کچلتی ہوئی فواد کی بات سنے بغیر ہی باہر نکل گئی۔

فواد نے تیزی سے آگے ہو کر اس کا راستہ روکا۔

"آپ کوئی بھی کام مجھ سے پوچھے بغیر نہیں کریں گی۔ اینڈ آئی مین اٹ۔" اس نے انگلی کھڑی کر کے اسے تنبیہ کی۔ پھر اس نے رامین کے ہاتھ سے اس کی نوٹ بک پکڑ کر اس پر اپنا موبائل نمبر لکھ دیا۔

رامین تو شوقیہ آئی تھی اور مگن تھا۔ وہ پروپوزل لکھنے میں ہی ہفتوں لگتی۔ لیکن فواد کے رعب نے اس کے ارادے کی چنگاریوں کو مزید ہوا دے دی۔ اس نے صرف فواد کو اپنا آپ ثابت کرنے کے لیے اس ہی دن اپنا آئیڈیا پار لگانا شروع کر دیا۔ اس نے اپروول ملنے سے پہلے ہی کالج کا نہ صرف آفیشل یوٹیوب چینل بنالیا تھا۔ بلکہ کچھ ویڈیوز بھی لگا دی تھیں۔ اور وہ ایسی ہی تھی۔

☆☆☆

"سائرہ جلدی کرو۔" غزالہ نے چادر لیتے ہوئے تیسری بار آواز لگائی۔

محلے سے دو تین آئی رہتی تھیں۔ مگر آج سائرہ تیاری میں بہت وقت لے رہی تھی۔ کمرے میں آئینے کے سامنے بیٹھی سائرہ نے جھجکتے ہوئے لکڑی کا جیولری باکس کھولا۔ مندوقچی جیسا ڈبہ کھلا تو ارمان بھی نکل کر اطراف میں بکھر گئے۔ اندر وہی دو جھمکے اس کے منتظر تھے۔ وقت پہلے تھم گیا پھر پیچھے کھسکنے لگا۔

چاند رات تھی اور چاند بھی انیس کو نظر آ گیا تھا۔ ایسے میں اضافی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ مائدہ محلے کی نرگس آپی کو بلا لائی جو اس کو مہندی لگا رہی تھیں۔ لاؤنج میں فواد، صارم کو میتھ پڑھا رہا تھا۔ صارم کی رواں رواں مونچھیں آئی تھیں۔ وہ پہلے ہی معصوم تھا۔ اب شرمانے بھی لگا تھا۔ مائدہ کی ہتھیلیاں بج گئیں تو وہ بھاگتی ہوئی چلی گئی۔

نرگس نے سائرہ کو آواز دی۔ وہ اس ہی وقت ڈسٹنگ کر کے مہمانوں کے آنے کے انتظام کر کے فارغ ہوئی تھی۔ سائرہ بھی نمن ایجر تھی۔ حال ہی میں بچپنے سے جوانی پر آئی تھی۔ اس نے دوپٹہ باندھا اور مہندی لگوانے لگی۔

وہ زندگی کے اچھے وقت تھے۔ رشید کی نوکری تھی۔ غزالہ بھی شوخ رنگ پہن کر باقاعدگی سے بال رنگتی تھیں۔ فواد بھی صارم کے پیار میں ٹیوشن پڑھاتا تھا ورنہ اسے ضرورت نہیں تھی۔ سائرہ نے سیدھے ہاتھ بھروا کر الٹی طرف نازک سی بیل بنوائی ہی تھی کہ غزالہ چادر لیتی آ گئیں۔

"میں تمہارے ابو کے ساتھ ان کے جوتے لے آؤں۔ شیر خرما بنا دیا ہے۔ ڈونگوں میں ڈال کر کچن سمیٹ دینا۔" غزالہ نے ہدایت دی۔

"لیکن امی میری مہندی۔" وہ گھر کے کام خوشی سے کرتی تھی۔ لیکن یہ مطلب نہیں تھا کہ ارمان ہی نہ ہوں۔

digest library.com

"اتنی جلدی کیوں لگوالی۔ چلو آدھے گھنٹے بعد سوکھے گی تو کام کر لینا۔ دروازہ بند کر لو۔" غزالہ کہہ کر نکل گئیں۔

سائرہ کی آنکھوں میں ایک اداس تارا چمکا۔ لیکن نہ مہندی کا آخری پھول بناتی نرگس نے دیکھا۔ نہ فواد نے محسوس کیا۔ سب سے دور بیٹھے صارم کو تب بھی معلوم تھا کہ اتنی جلدی مہندی دھونے کے خیال سے ہی سائرہ کا دل بجھ گیا ہے۔ اس کی ساری توجہ وہاں ہی تھی۔

"تم یہ ایکسرسائز کرو میں آ کر چیک کرتا ہوں۔" فواد نے صارم سے کہا اور کمرے میں جا کر اپنا کرتا استری کرنے لگا۔ میتھ صارم کا پسندیدہ سبجیکٹ تھا۔ لیکن آج اس میں اس کا دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ سائرہ اپنے ہاتھوں کی مہندی کو حسرت سے سوکھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

سائرہ نے بازو سے کچن کا نلکا کھولا اور آخری بار اپنی مہندی کو دیکھا۔ اس نے دھونے کے لیے ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ پیچھے سے صارم آ گیا۔

"رکو۔" اس نے ایسے کہا جیسے مہندی دھلنے میں اس کا بھی نقصان ہو۔

"مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے میں کر دیتا ہوں۔" وہ ایک ہی کلاس میں تھے۔ البتہ لڑکے لڑکیوں کے سیکشن الگ تھے۔

"میں کر لوں گی۔" سائرہ نے اس کے آنے پر اپنی آنکھیں صاف کیں۔

"مجھے بتاؤ۔" صارم نے نلکا بند کیا۔

"وہ شیر خرما ڈونگے میں نکالنا ہے۔" اس نے اشارہ کیا۔

پھر وہ بتاتی گئی اور صارم کرتا گیا۔ کاؤنٹر پر گزارے لائق کپڑا لگا کر چند برتن پڑے تھے وہ بھی دھو دیے۔ سائرہ نے مہندی ساری رات لگا کر اگلی صبح دھوئی تھی۔

سائرہ یہ سب کب کا بھول چکی تھی۔ جو جھمکوں کو دیکھ کر یاد آ گئی۔

دل کے نہاں خانوں میں پہلی بار دستک دی گئی تھی اور دینے والا صارم تھا۔ سائرہ کیسے نہ خوش ہوتی۔ اس نے آہستگی سے جھمکے پہن لیے۔ پہلی بار اس نے خود کو صارم کی نگاہ سے دیکھا تو اپنا نیا روپ بہت منفرد لگا۔

☆☆☆

فاخرہ فرش پر بچھی سفید چادروں پر گٹھلیوں کا ڈھیر لگا رہی تھیں۔ قرآن خوانی کے چند مہمان آ چکے تھے اور سپارے پڑھنے میں مصروف تھے۔

"میں آ گئی۔" زارا تفصیل سے تیار ہو کر پہنچی تھی اور بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"تم پیدا ہوئی تھیں تو بالکل اپنی دادی جیسی لگتی تھیں۔" فاخرہ نے ناگواری سے یاد کیا۔

"لیکن اب بالکل میری کاپی ہو گئی ہو۔" انہوں نے فخریہ کہتے ہوئے بیٹی کی بلائیں لیں۔

"تھینک یو امی۔" زارا دوپٹہ پھیلا کر لیتے ہوئے مسکرائی۔

"یہ جوڑا تو بڑا ہی حسین ہے۔ کب لیا؟" فاخرہ نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔

"آپ آم کھائیں گٹھلیاں نہ گنیں۔" اس نے بھاگنے کی کوشش کی فاخرہ نے پیچھے سے اس کا بازو پکڑ کر اس کو روکا۔

"ارے یہ تو میرے ولیمے کا سوٹ ہے۔" انہوں نے جذباتی ہو کر بیٹی کا دوپٹہ آنکھوں کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"پڑا پڑا ضائع ہو رہا تھا۔ شکر کریں میں نے اپنے ناپ کا کروا لیا۔ آپ میں تو تیس سال اور پچیس کلو کا فرق آ گیا ہے۔ اب آپ کے کس کام کا۔ ایک ہی تو بیٹی ہوں آپ کی۔" زارا نے کہہ کر لاڈ سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"اس معاملے میں تم آج بھی اپنی دادی پر ہی ہو۔" فاخرہ نے بیٹی کے سر پر چپت رسید کی۔

اس وقت دروازے سے داخل ہوتے مہمانوں



Scanned with CamScanner

digest library.com

میں غزالہ اور سائرہ بھی تھیں۔ زارا اپنا حقیقی پاپا اور علامتی پاپا دونوں چھڑا کر ان کا والہانہ استقبال کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ گفتگو میں اتنی مگن تھی کہ گاڑی کی سمت پر توجہ نہیں کی۔ گاڑی جب ایک گھر کے سامنے رک گئی تو وہ چونکی۔

"یہ کہاں لے آئے؟" راحمین نے پریشانی سے پیشانی سہلائی۔

"میری ایک فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔" ارحم نے پچھلی سیٹ سے گفٹ اٹھایا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ مجھ سے پارٹیز برداشت نہیں ہوتیں۔" راحمین کو خود پر حیرت ہو رہی تھی۔ کیا وہ بے خیالی میں ارحم سے اتنی بے تکلفی ہو گئی تھی کہ اس نے اسے لانے سے پہلے اس سے پوچھا تک نہیں تھا۔

"مجھے بھی پارٹیز پسند نہیں ہیں۔ مگر دوستوں کی خاطر اتنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ یونیورسٹی میں فروا اور میں ساتھ تھے۔" ارحم نے ہمیشہ کی طرح اس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

راحمین کو بجلی کا جھٹکا لگا۔

"یہ فروا کی برتھ ڈے پارٹی ہے؟" فروا تو اسے نظر آ جائے تو اس کا پورا دن برا گزرتا تھا۔ وہ اسکول کے زمانے سے اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ارحم اسے فروا کی پارٹی میں ہی لے آئے۔

اس نے آگے ہو کر تصدیق کے لیے گفٹ پر لگا کارڈ پڑھا۔ وہاں "ہیپی برتھ ڈے فروا" فرام ارحم اینڈ راحمین لکھا تھا۔

"میرا نام؟" کارڈ پر اپنا نام ارحم کے ساتھ دیکھ کر وہ یکدم نرم پڑ گئی تھی۔

"مجھے اچھا لگتا ہے کہ ہم دونوں کا نام ساتھ آئے۔" ارحم نے مسکرا کر وضاحت دی۔

"اب پلیز میرے ساتھ پارٹی میں چلو۔ تھوڑی دیر پلیز میری خاطر۔" اس نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی۔

ارحم کی خواہش پر راحمین نے بدقت قدم اٹھایا۔

☆☆☆

لڑکیاں تو اخلاص سے گندھی مورتیں ہوتی ہیں۔ تعلق کی بھنک پر ہی محبت نچھاور کرنے لگتی ہیں۔ یہ حال زارا کا تھا تو سائرہ بھی اسی شکنجے میں گرفتار ہو رہی تھی۔ وہ محبت سے صارم کی ماں حمیدہ کے پاس آئی تھی۔

"آئے ہائے تم نے اپنے رنگ روپ کو کیا کر لیا ہے آنکھیں اندر دھنس ہی گئی ہیں۔" حمیدہ کی تنقید پر سائرہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"کام کرتی ہے۔ سارا گھر اس نے ہی تو سنبھالا ہوا ہے۔" فاخرہ نے کہا۔

کھانا کھایا جا چکا تھا۔ وہ چائے کی ذمہ داری بچیوں پر ڈال کر اب آرام سے باتیں کر رہی تھیں۔

"اچھا اچھا۔ ویسے میری بچیوں کو گھرداری کی عادت ہی نہیں پڑی۔ آج کل پڑھائیاں ہی بڑی مشکل ہیں۔ گھر کے کام کاج میں لگ گئیں تو پڑھائی کیسے ہو۔ پڑھائی تو بہت ضروری ہے کام کاج کا کیا ہے ہاتھ ڈالتے ہی سب آ جاتا ہے۔ تم صارم کی کلاس میں تھیں؟ اب پڑھائی چھوڑ دی؟"

حمیدہ اپنے ہونہار بچوں کے ذکر پر خوشی سے پھول جاتی تھیں۔ مگر اس خوشی میں بھی وہ سائرہ کو شرمندہ کرنے سے ذرا بھی نہیں چوکیں۔

"میں نے پرائیویٹ بی۔ اے کر لیا ہے۔" سائرہ کی گردن وزنی ہو کر جھک گئی۔

"چلو جو حالات۔" حمیدہ کے لہجے میں دنیا جہاں کی غفاری سمٹ آئی تھی۔

"اولاد ہو تو میرے صارم جیسی۔ پھولوں کی طرح پڑھا ہے۔ ہمیشہ اول نمبر آتا ہے۔ اب میری دونوں بیٹیاں بھی بھائی کے نقش قدم پر جھنڈے گاڑھ رہی ہیں۔" وہ ان ماؤں میں سے تھیں جن کی خوراک ہی اپنے بچوں کی تعریف تھی۔ چائے سرد کرتی سائرہ کا



Scanned with CamScanner

دل چھلنی ہونے لگا۔

"ماشاء اللہ کہیں۔ آج کل جتنے اونچے کالج ہیں۔ ان کے اخلاق اتنے ہی گرے ہوئے ہیں۔ پاؤں پھسلتے خبر نہیں ہوتی۔" فاخرہ نے توبہ کے انداز میں کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"میرا صارم ایسا نہیں ہے۔ وہ بہت ذمہ دار ہے۔ اس کے نرم لہجے سے غلط فہمی کا شکار ہو کر خود کوئی لڑکی گلے پڑ جائے تو اور بات ہے۔ میرا صارم جانتا ہے کہ اس کی دو بہنیں کنواری ہیں۔" حمیدہ نے چائے میں بسکٹ ڈبویا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ نہ حمیدہ کو صارم کے دل کا حال معلوم تھا اور نہ ہی ارادے۔ وہ تو عادت میں سب بول گئی تھیں۔ لیکن ان کی گفتگو نے سائرہ کی زندگی میں آئے اچھے لمحوں کو بدصورت بنا دیا۔ وہ اپنے ارمانوں کو خوش فہمیاں سمجھنے لگی۔

سائرہ نے بے چارگی سے بسکٹ کی پلیٹ چائے چٹی ان دونوں خواتین کے آگے سے اٹھائی۔ جن کو کسی کے ارمان کچلنے کی بھنک تک نہ پڑی تھی۔ گھر واپس آ کر سائرہ نے کانوں سے جھمکے نوچ کر الماری میں پھینک دیے اور دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

ارحم اور فردا کا سوشل سرکل ایک ہی تھا۔ راحین کو یہ بات پہلی بار معلوم ہوئی تھی۔ ارحم کے داخل ہوتے ہی لڑکے لڑکیاں اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس سے ملنے لگے۔ جبکہ راحین دور سے ہی ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"ارحم مجھے معلوم ہوتا کہ اتنے بڑے لوگ تمہارے ساتھ آ رہے ہیں تو میں فائر ورکس کا انتظام کرتی۔" فردا نے تحفہ پکڑ کر راحین کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس سے بہتر ہوتا اگر تم اپنی ڈائٹنگ ترک کر کے کچھ میٹھا کھا لیتیں۔ شاید تمہاری زبان کا زہر کم ہو جاتا۔" راحین نے فوراً حساب بے باک کیا۔

"آؤ راحین! میں تمہیں شہزاد سے ملواتا ہوں۔ ہی از مائی بیسٹ فرینڈ۔" ارحم صورت حال بھانپ کر راحین کو دوسری سمت لے گیا تھا۔

راحین ارحم کے دوستوں سے مل کر مزید اکتانے لگی۔ ارحم جتنا اسے کمفرٹیبل رکھنے کی کوشش کر رہا تھا وہ اتنا زچ ہو رہی تھی۔ بہت جلد ہی اس کی برداشت کی حد آ گئی۔ اس نے اپنی گاڑی منگوالی اور ارحم سے معذرت کر کے باہر نکل آئی۔ ارحم اسے دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔ مگر شکر اس نے رکنے پر اصرار نہیں کیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سکون کا سانس لیا ہی تھا کہ اسے اپنا پرس یاد آیا جو وہ اندر ہی بھول آئی تھی۔ اف ایک نئی مصیبت۔ اس نے کڑھ کر سوچا۔ گاڑی فردا کے گھر سے دور آ چکی تھی۔ اس کو بادل نخواستہ گاڑی پیچھے مڑوا کر واپس اندر پارٹی میں جانا پڑا۔ پارٹی میں میوزک بند ہو چکا تھا۔ اتنی خاموشی تھی کہ اسے لگا جیسے وہ کسی غلط محفل میں آ گئی ہو۔ ابھی دو منٹ پہلے تو وہاں پر خوب دھوم دھڑکا چل رہا تھا۔ وہ دروازے کے قریب تھی جب اندر تالیاں بجنے لگیں۔

"فردا میڈم! آپ شرط ہار گئیں۔ میں راحین گیلانی کو آپ کی پارٹی میں لے ہی آیا۔" ارحم ہاتھ اٹھا کر مبارک باد وصول کر رہا تھا۔

راحین نے دروازے کی اوٹ سے دیکھا اور سن ہو گئی۔

"آئی ایم امپریسڈ! تم نے اس باربی ڈول کو شیشے میں کیسے اتارا؟" فردا اپنی ہار پر اگرنا خوش تھی بھی تو اسے راحین کی ہار سمجھ کر اب جشن منا رہی تھی۔

"میرا چارم ہی ایسا ہے۔ کوئی بھی لڑکی دور نہیں رہ پاتی۔ تم نے کہا تھا ناں کہ وہ اپنی ماں کے بارے میں بھی بات نہیں کرتی تو یہ سنو۔" ارحم نے جیب سے موبائل فون نکالا اور فخریہ ریکارڈنگ چلائی۔

"ماما کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ میں سارا دن ان سے کہانیاں سنا کرتی تھی۔ داستان بیچ میں ہی تھی داستان گو چل بسا۔ زندگی ان کے بعد کھو گئی تھی۔ پھر دوبارہ ویسی نہیں ہو سکی۔ ڈیڈ اور میں آج بھی اس

digest library.com

بارے میں بات نہیں کر سکتے۔ پیرنٹس میں سے کوئی ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا بھی پہلے جیسا نہیں رہتا۔ بدل جاتا ہے۔"

ریکارڈنگ میں راحین کی آواز تھی جو ابھر آئی تھی۔ مگر وہاں سننے والے ہونٹنگ کر کے ہنس رہے تھے۔ یہ بات راحین نے بہت دل چیر کر ارحم کو سنائی تھی۔ اب اس گفتگو کی ریکارڈنگ ارحم بے غیرتی سے سب کو سنا رہا تھا۔ صرف فروا نہیں اس پارٹی میں موجود ہر شخص اس پلان میں شامل تھا۔

راحین کی وہ حالت تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ وہ ارحم کو کیا سمجھتی رہی تھی اور وہ کیا نکلا تھا۔ اتنا کٹھور، اتنا دوغلا۔ محبت سے اس کی ذاتی باتیں کریدتا تھا اس لیے تاکہ اپنے دوستوں میں سینہ ٹھوک کر بتا سکے کہ اس نے راحین گیلانی کو بے وقوف بنا لیا۔ اور وہ اس کی خاطر اپنے سارے پلان چھوڑ کر پاکستان میں رک گئی تھی۔ کیا وہ اتنی ہی محبت کو ترسی ہوئی تھی کہ ارحم جیسے انسان کو پہچان نہیں سکی۔ راحین کو غصہ آیا۔ ارحم سے پہلے خود پر غصہ آیا۔

وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح آگے بڑھی اور ارحم کے ہاتھوں سے موبائل جھٹکے سے چھین کر قریب موجود کولڈ ڈرنک کے گلاس میں ڈال دیا۔

لوگوں نے اس کی آمد کو جب تک دیکھا تب تک وہ موبائل کولڈ ڈرنک میں ڈوب چکا تھا۔

"دیکھو راحین یہ ایک مذاق تھا اس کو سیریس نہ لو۔" ارحم فوراً دو قدم پیچھے ہوا۔ راحین مسکرا کر دو قدم آگے ہوئی۔ اور بوتل سے برتھ ڈے کیک پر اسپرے کرتے ہوئے ادا سے بولی۔

"تمہیں لگتا ہے، میں تمہیں سیریس لوں گی؟ تمہیں جسے اس کے ماں باپ نے سیریس نہیں لیا۔ انہوں نے تمہیں سیریس لیا ہوتا تو تمہارا کیریئر بناتے۔ الٹا انہوں نے تمہیں اس اونچی عقل اور چھوٹی عقل والی کے اشاروں پر چلنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔"

راحین نے پھر کیک کی سائیڈ پر انگلی پھیری اور کریم والی انگلی ٹھونستے ہوئے ہوئے جاتی پھر انگلی سے فروا کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھو راحین۔" فروا نے کہا۔ "دوسروں کو نیچا دکھا کر خوش ہونے والوں کی خوشیاں ناپائیدار ہوتی ہیں۔" فروا ابھی سے تلملا رہی تھی۔

"تم دونوں کو جتنا دیکھا ہے وہ دیکھ کر ہی گھن آنے لگی ہے اور دیکھوں گی تو دشمنی ہو جائے گی۔"

راحین ہاتھ کا پنجہ بنا کر ایسے آگے ہوئی جیسے فروا کا منہ نوچ لے گی۔ فروا ڈر کر پیچھے ہوئی۔ راحین نے اس کے پیچھے پڑا اپنا پرس اٹھا لیا اور بات جاری رکھی۔

"اور راحین گیلانی کے دشمنوں کی فہرست میں آنے کی غلطی نہ کرنا۔ میں ایسی دشمنی نبھانا جانتی ہوں کہ تم خوف کے مارے اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لو گی۔" شیرنی کی طرح دونوں پر دھاڑ کر وہ مڑی تو اس کا سارا ضبط جواب دے گیا۔

محفل کے ہر فرد کی طرف اس کی پشت تھی۔ اور اس کے چہرے پر دل زخمی کر دینے والا کرب تھا۔ وہ تو مضبوط ہونے کی اداکاری کر رہی تھی۔ وہ مضبوط نہیں تھی اس کی آنکھوں سے بہنے والا پانی تمکین نہیں کر رہا تھا۔ مخلص لوگ ڈھونڈتے ہوئے اس کا صرف مطلبی لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ بے وفائی اس کا بھی دل کاٹتی تھی۔

اس کے دشمن ہتھیاروں سے لیس ہو کر آتے تھے جبکہ اس کا واحد ہتھیار اس کا غرور تھا۔ اسی غرور کی اداکاری کرتے ہوئے وہ گردن اکڑا کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ کیا وہ اتنی قابل نفرت تھی کہ اسے نیچا دکھانا دوسروں کے لیے دل فریب کھیل بن چکا تھا۔ اس سوال کا جواب ڈھونڈتے ہوئے وہ بار بار بکھری تھی۔

☆☆☆

کیلنڈر پر کچھ تاریخیں ہی آگے گئی تھیں۔ لیکن اس کے وجود پر صدیوں کی مسافت طاری تھی۔

"جب جھولی خالی ہو تو چاہے محبت انعام میں ملے یا بھیک میں اچھی لگتی ہے۔ سو رشتے ہوں اور کوئی ایک بھی دھوکا دے جائے تو دل کٹ جاتا ہے۔ میری

زندگی میں تو ڈیڈ اور تمہارے علاوہ بس وہی آیا تھا دوست بن کر نقب لگانے۔" وہ بہت دن کے بعد یونیورسٹی آئی تھی اور ایک الگ تھلگ گراؤنڈ میں بیٹھی مہک کو گزرے دن کی داستان سنا رہی تھی۔

"وہ ایک مطلبی شخص تھا جو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکا۔ کسی ایک کے برا نکلنے سے اچھے لوگوں کی تلاش چھوڑ نہیں دی جاتی۔"

رامین کو اس نے پہلے کبھی اتنا غمگین نہیں دیکھا تھا۔ جذبوں کی پہچان کروانے والا جذبوں سے کھیل کر چل دیا تھا۔

"میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ اب ڈیڈ بھی یہی چاہتے ہیں۔" وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکا کر زمین گھور رہی تھی۔

اس کے پیچھے کوئی چلتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

"یوں ہی ایک پل میں تم نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب چند دن میں تم نے جانے کی ٹھان لی۔ تم اپنے فیصلوں سے وفا نبھاؤ۔ ورنہ بے وفائی کے کٹہرے میں اگلا مقدمہ تم پر چلے گا۔ مت جاؤ ارحم اس قابل نہیں۔" مہک جھلائی تھی۔

مردانہ قدم اب اور قریب آ گئے۔

"کٹہرے میں جو بھی ہو سزا ہمیشہ مجھے ہی ملتی ہے۔ اب مجھ تک آنے کے سارے دروازے بند ہیں۔ جو کسی کے آنے سے نہیں کھلیں گے۔"

اس کی بے اشک آنکھوں میں بے اعتباری اور ناامیدی ہتھیلیاں جوڑے بیٹھی ڈال رہی تھی۔

اس تک آتے مردانہ قدم اس کے عقب میں رک گئے تھے۔

"مس رامین گیلانی۔" فواد کی وزنی آواز ابھری۔

رامین خود کو کمپوز کرنے لگی۔

"میں نے آپ کو کہا تھا کہ آپ کوئی کام مجھ سے پوچھے بغیر نہیں کریں گی۔ آپ نے کس سے پوچھ کر کالج کے نام سے یوٹیوب چینل بنایا اور کالج کی روٹین کی ویڈیوز اپ لوڈ کر دیں؟ آپ نے اپلوڈ کرنے سے پہلے ان تمام اسٹوڈنٹس سے اجازت لینا بھی گوارا نہیں کیا۔" فواد کئی دنوں سے اکٹھا کیا غصہ نکالنے لگا۔

"میں یہ ذمہ داری چھوڑ رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل کھڑی ہو گئی تھی۔ مگر وہ نظر چرا رہی تھی۔

"بہت اچھا کریں گی۔ آپ ذمہ داری اٹھانے کے لائق......" وہ سخت بات کہتے ہوئے رکا تھا۔ اگر وہ غصے میں نہ ہوتا تو رامین کے بدلے انداز سمجھ جاتا۔

"اکاؤنٹ کا پاس ورڈ اور ای میل دیں۔"

فواد نے کالی اور چین مارنے کے انداز میں اسے تھمائیں۔ رامین جان چھڑانے کے انداز میں لکھنے لگی۔

"کہنے کو میرے پاس اور بھی بہت کچھ ہے مگر میں جان گیا ہوں آپ اپنے علاوہ کسی کے بارے میں نہیں سوچتیں۔"

رامین بہت دن سے یونیورسٹی نہیں آئی تھی اور اس کی تلاش میں فواد نے جو خواری سہی تھی۔ اس نے وہ ساری ذلت کے پیالے میں ڈال کر اس کو چکھائی۔ پھر وہ جس غصے میں آیا تھا اسی میں واپس چلا گیا۔

رامین تو پہلے ہی جھلس رہی تھی۔ فواد کی باتوں نے وہ آگ لگائی کہ سب ناقابل برداشت ہو گیا۔ ارحم نے اس کے وجود میں جس نفرت کو جگایا تھا فواد نے اسی نفرت کو ہوا دی تھی اور نفرت نبھانا رامین کو بہت اچھے سے۔

☆☆☆

"تم کسی اور کا غصہ کسی دوسرے پر نکال رہی ہو۔" مہک بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ رامین اسپرے پینٹ کا کین لیے فواد کی بائیک کے نقش و نگار بگاڑنے میں لگی تھی۔

"میں تو بس یو ڈاگ لکھ رہی ہوں۔ انگریزوں کا پسندیدہ جانور ہے۔" وہ سیٹ پر بڑا سا ڈی لکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"انگریزوں کا پسندیدہ ہو گا لیکن یہ پاکستان



Scanned with CamScanner

digest library.com

ہے۔ یہاں لوگ کیسے کو دیکھ کر چکر مارتے ہیں۔ جو تمہاری مرضی کرو، میں اس بے وقوفی کا حصہ نہیں بنوں گی۔" مہک جب اسے روکنے میں ناکام ہو گئی تو پارکنگ ایریا سے چلی گئی۔

راحین نے کئی دنوں سے دل میں موجود غصہ عملی طور پر فواد کی بائیک پر نکالا تھا اور وہ اتنا ہلکا محسوس کر رہی تھی کہ مسکرانے لگی تھی۔ اپنے اندر کے آرٹسٹ کو داد دیتی وہ جانے کے لیے مڑی تو اس نے دیکھا دور سے فواد آ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔

راحین نے کین پھینک کر دوسری طرف دوڑ لگا دی۔ فواد بھی بھاگتا ہوا پہنچا اور اپنی بائیک کی حالت دیکھ کر غصے سے سر پکڑا۔ وہیں کھڑے اس نے اس بد دماغ لڑکی کو بھاگتے دیکھا۔ پھر دیکھا کہ وہ توازن کھو کر دائیں کندھے کے بل بہت بری طرح گر گئی تھی۔ اسے گرتا دیکھ کر فواد کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ وہ بچہ نہیں تھا۔ اب تو وہ ان روز کی اوچھی حرکتوں سے تنگ آ چکا تھا۔

راحین پارکنگ کے بیچوں بیچ گری پڑی تھی۔ لیکن فواد نے ایک قدم بھی نہیں بڑھایا۔ اس کا راحین کے منہ لگنے کا ذرا دل نہیں کر رہا تھا۔ راحین وہیں لیٹی رہی اور ہلی تک نہیں۔ اور بہت دیر تک جب ایسا ہوا تو فواد کو لگا کہ شاید وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ چار و ناچار فواد اس کی طرف چل پڑا۔

"مس راحین۔" وہ اس کے قریب قدموں کے بل بیٹھ گیا۔ مگر اس کے پکارنے کے باوجود راحین کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔

☆☆☆

ایک بار پھر چوکھٹ کی ایک طرف صارم تھا اور دوسری طرف سائرہ وہ تنہا چوکھٹ پار کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی اور صارم ابھی اتنا مضبوط نہیں تھا کہ بھاراد سے کیا سے چوکھٹ کے پار لے جاتا۔

"کیسی ہیں؟" آج اس نے بے قراری پر بہانے نام پردہ بھی نہیں ڈالا تھا۔

سائرہ ہانڈی بھونتے ہوئے لکڑی کی ڈوئی ساتھ ہی لے آئی تھی۔ سائرہ کا دل لمحہ بھر کو ڈولا تھا۔ پھر اس نے لہجے کو سخت بنا لیا۔

"جب آپ جانتے ہیں کہ بھائی اس وقت گھر پر نہیں ہوتے تو اسی وقت کیوں آتے ہیں؟" اس نے غصہ کرنے کی کوشش کی تو روہانسی لگنے لگی۔

"لگتا ہے میرا تحفہ آپ کو پسند نہیں آیا۔" اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا جس کے باعث وہ شرمندہ ہوتا۔

"ہمارے ایک سادہ سے تعلق کو مشکوک بنانے کی جو کوشش آپ نے کی ہے، مجھے وہ پسند نہیں آئی۔" سائرہ نے کہا۔

"میں خود سے اور آپ سے مزید جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ پہلی بار اپنے دل کا کہا مانا ہے آپ اتنا تو مجھ سے واقف ہیں۔ اگر آپ کا جواب انکار میں ہوا تو میں آپ کے رستے میں نہیں آؤں گا۔"

اپنے ہاتھوں سے اس نے اپنی جان سولی پر لٹکا دی تھی۔ سامنے والے کے سر کی ایک جنبش سے اس کے قدموں تلے سے زمین نکل سکتی تھی۔ پھر بھی وہ مضبوطی سے کھڑا رہا۔

سائرہ کا دل چاہا کہ کاش زندگی بھی کہانیوں جیسے آسان ہوتی۔ شہزادہ آتا اور گھوڑے پر بٹھا کر لے جاتا۔ اسے صارم پر بھروسہ تھا۔ بے اعتباری تو اسے اپنی قسمت پر تھی جو آزمائش میں پورا اترنا جانتی ہی نہیں تھی۔

"بھائی بتاتے ہیں آپ اکثر رات دیر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے اسٹور سے کئی قسم کے انسٹنٹ فوڈز لے کر جاتے ہیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

صارم جو جذبوں کی تکمیل کی امید لے کر آیا تھا۔ دھتکار محسوس کرنے لگا۔

"لڑکوں کا انداز ایسا ہی ہوتا ہے پیکٹ کھولا۔ دو منٹ میں پکایا اور ایک منٹ میں کھا لیا۔ اگلی خوراک تک وہ ہضم بھی ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر انہیں یاد تک نہیں رہتا کہ وقت گزاری کے لیے کس کو استعمال



Scanned with CamScanner

کیا تھا۔ میں کوئی چیز نہیں انسان ہوں۔" بے اعتباری کا اس سے بڑا مظاہرہ وہ اس کے منہ پر نہیں مار سکتی تھی۔

مگر وہ بھول گئی تھی کہ سامنے صارم تھا جو اس کی ہاتھوں کی لکیروں تک سے واقف تھا۔ اس کے لیے سائرہ کا مصلحت سے بنایا بناوٹی لہجہ پہچاننا کون سا مشکل تھا۔

"میرے خلوص پر شک کرنے کی اداکاری بھی آپ کو زیب نہیں دیتی۔" ایک جملے سے اس نے دشمن کو چاروں خانے چت کر دیا تھا سائرہ نے نظریں جھکا لیں۔

"ہم لڑکیاں مجبور ہوتی ہیں سورج بعد میں چڑھتا ہے اور ہمارے نام کی ہانڈی چولہے پر پہلے رکھ دی جاتی ہے۔ لڑکیوں کے معاملے میں گھر والوں کو بہت جلدی ہوتی ہے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ڈوئی کا سہارا لیا۔

"مجھے بس تھوڑا سا وقت دیں۔" یہ تجرباتی لگاؤ نہیں تھا کہ چوکھٹ پر ہوئی ملاقاتوں سے دل سیراب ہو جاتا۔

سائرہ نے مصنوعی قہقہہ لگایا۔

"مانگا بھی تو کیا مانگ لیا۔ چاند تارے مانگتے ہوتے تو ابھی توڑ کر آپ کی جیب میں ڈال دیتی۔ مگر وقت ہی تو نہیں ہے۔ ابھی دو منٹ بھی آپ سے اور بات کی تو سمجھیں میری ہانڈی جل جائے گی۔" وہ دروازہ بند کرنے لگی۔

"مسئلوں کا حل یکطرفہ فیصلوں سے نہیں نکلتا۔" اس نے اپنی مضبوط گرفت سے دروازہ بند ہونے سے روکا۔

"مشترکہ فیصلہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ لڑکیوں کی عزت بہت نازک ہوتی ہے۔ وقتی جذبوں سے داغ دار ہو جاتی ہے۔ اب آپ جائیں اور اس وقت آئیے گا جب بھائی گھر پہ ہوں۔" سائرہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ صارم کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے سائرہ کے فیصلے کا احترام کیا اور ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ دروازہ اس کے منہ پر بند ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دشمن اوندھے منہ زمین پر گرا دیکھنا قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ زندگی فواد کو کم ہی چکر کرتی تھی پھر بھی قدرت اسے قابل رشک بنا ہی دیتی تھی۔

پارکنگ لاٹ ویران پڑا تھا۔ فواد زمین پر گری راحین کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ذمہ داری بھی اس کے ہی سر آئی تھی۔

"مس راحین آپ ٹھیک ہیں؟" اس کا ہاتھ راحین کو جھنجھوڑنے کو بڑھا تھا۔ راحین کراہتے ہوئے رخ بدل کر سیدھی ہو گئی۔ اپنے بائیں ہاتھ سے اس نے دائیں کندھے کو پکڑ کر درد سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"لگتا ہے بہت بری چوٹ لگی ہے جو چپ چاپ مٹی پر گری ہوئی ہیں۔" فواد نے خود کلامی کی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" راحین نے غصے سے کہا اور گھور کر فواد کو دیکھا۔ جیسے نظروں سے ہی وہ اسے دھکا دے کر دور کر دے گی۔

فواد اٹھ کھڑا ہوا اور سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ کسی کو تکلیف میں چھوڑ جانا اس کی عادت نہیں تھی۔

"میں خود اٹھ جاؤں گی۔ میرے پاؤں سلامت ہیں۔" راحین نے تنک کر کہا۔

سر قلم نہ ہو جائے تب تک سر اٹھا کے چلو کی پالیسی پر کاربند وہ لڑکھڑائی، کراہتی خود ہی کسی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ دائیں کندھے سے اٹھتی ٹیسوں کے باعث وہ بائیں ہاتھ کو بھی کندھے سے جدا نہیں کر پا رہی تھی۔

"چلیں میں آپ کو ہاسپٹل لے چلتا ہوں۔" فواد کے لہجے میں کوئی گرمجوشی نہیں تھی۔

"مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کا غصہ ہونا بنتا تو نہیں تھا۔ مگر غرور اس پر جچتا تھا اس لیے وہ دکھا رہی تھی۔

"آپ کو اپنے کام خود کرنے کا اتنا ہی شوق ہے

digest library.com



Scanned with CamScanner

تو خوشی سے کریں۔'' فواد نے کہا۔

یہ لڑکی ہر صورت حال میں بد دماغ رہے گی۔ فواد کا قیاس نظریے میں بدلا۔ وہ رخ موڑ کر جانے لگا۔ راحین نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ چلا جاتا تو راحین چیخ چلا کر کسی نہ کسی کو مدد کے لیے بلا ہی لیتی۔ لیکن فواد موقع سے فرار ہونے والوں میں سے کب تھا۔ وہ چند قدم چل کر راحین کی گاڑی تک پہنچا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر بونٹ سے ٹیک لگالی۔ پھر وہ ٹکٹکی باندھ کر راحین کو دیکھنے لگا۔

اب تو یہ انا کی جنگ بن چکی تھی۔ راحین بائیں ہاتھ سے پرس کو جھٹکنے لگی مگر اس کی زپ کھل کر نہیں دے رہی تھی۔ اوپر سے فواد کی چیلنج دیتی نظریں، جیسے اس کی ہار کا نظارہ دیکھنے کی منتظر تھیں۔ راحین نے پرس دانتوں میں دبایا اور ایک ہاتھ سے زپ کھولی۔ اس کے بعد پانچ منٹ اس نے پھر کندھے پکڑ لیا۔ اسے بیچ میں درد ہو رہا تھا۔ اس سارے عرصے میں پارکنگ لاٹ میں اور کوئی نہیں آیا تھا۔ راحین نے پھر پرس سنبھالتے ہوئے چابی پکڑی تو موبائل اور گلاسز نیچے گر گئے۔ وہ اٹھانے کے لیے جھکی تو درد سے چیخ نکل گئی۔

''بہت ہو گیا۔'' فواد اکتا کر آگے آیا اور اسے نیچے گری چیزیں اٹھا کر دیں۔

''اب آپ پاؤں سے چلنے والی گاڑی کی ایجاد کا انتظار کریں گی یا میری مدد لیں گی؟'' فواد نے رعب سے کہا۔ پھر راحین کے ہاتھ سے چابی لی اور راحین نے کوئی مزاحمت نہیں دی۔

فواد نے بٹن دبا کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ راحین پیر پٹختے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھی۔

☆☆☆

''جی شکور صاحب فرمایئے۔'' ڈرائیور کی بے موقع کال اس لیے اکتا کر اٹھائی تھی۔ مگر کال سے بات کرنا اویس کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔

''صاحب! وہ بی بی جی کی گاڑی کالج سے نکل گئی ہے۔'' شکور روٹین کے مطابق دوسری گاڑی میں اس کو فالو کر رہا تھا۔

راحین کالج آتے ہوئے ارحم کے رویے سے دکھی تھی۔ اس نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ ڈرائیور ہمیشہ کی طرح پروٹوکول کی دوسری گاڑی میں اس کے پیچھے آیا تھا اور یونیورسٹی کے باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''تو مسئلہ کیا ہے؟ وہ جہاں جائیں، آپ ان کے پیچھے جائیں۔'' اویس بڑے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے مسئلے سلجھا کر تنگ آچکا تھا۔

''گاڑی کوئی لڑکا چلا رہا ہے۔ بی بی جی تو ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہیں۔'' ڈرائیور فکرمندی میں سر کھجا رہا تھا۔

''گاڑی جہاں رکے، آپ مجھے فون کر کے وہاں کی اطلاع دے دیجئے گا۔'' اویس نے کہہ کر فون بند کیا جیسے ڈرائیور نے چھوٹی بات کا بتنگڑ بنا دیا ہو۔

☆☆☆

کندھے کا درد قابل برداشت ہوا تو اس کا سر چکرانا شروع ہو گیا۔ فواد کی بھی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ وہیل پکڑے آگے کو جھکا یوں الرٹ تھا جیسے کھل کر سانس لینے سے بھی حادثے کا اندیشہ ہو۔ راحین اپنے پیروں میں پڑا پرس اٹھانے کے لیے جھکی تو دائیں کندھے نے پھر سے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کی دہائی دینا شروع کر دی۔ وہ پرس اٹھائے بغیر پیچھے ہو گئی۔ فواد کا دل نرم پڑا۔

''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اپنی انگلیوں پر زندگی کی اچھی چیزیں گنتا ہوں۔ دھیان بٹ جاتا ہے۔'' فواد نے رش سے بچنے کے لیے چھوٹی سڑک کی طرف گاڑی موڑلی۔

''اچھی چیزیں تب گنی جاتی ہیں۔ جب زندگی میں اچھی چیزیں ہوں۔'' وہ مایوسی میں بھی برس پڑی۔

وہ یاس پسند تھی۔ فواد کے دل کی گلیاں اس کے لیے مزید تنگ ہوئیں۔

''اچھی چیزیں سب کے پاس ہوتی ہیں۔ جیسے



Scanned with CamScanner

digest library.com

گھر۔" فواد نے ایک انگلی اٹھائی۔ "والدین، بہن بھائی، تعلیم، مذہب وغیرہ۔ انگلیاں ان کی پوریں ختم ہو جائیں گی۔ نعمتوں کا شمار نہیں ہوگا۔" اس نے ایک ایک کر کے پانچوں انگلیاں کھڑی کیں۔ پھر غیر ارادی طور پر ان کو بند کر کے کھولا۔

راحمین نے اس کے ہاتھ کو دیکھا جو ستارا ٹمٹمانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ لمحہ بھر کو اس کی زندگی میں بھی روشنی کی ایک کرن پھوٹی تھی۔ اس کی وہی نظر ہاتھ سے سفر کر کے فواد کے چہرے تک گئی۔ وہ جھٹکا کھا کر آگے ہوئی۔

"آپ کو گاڑی چلانی نہیں آتی؟" وہ کبھی فواد کی ہوائیاں اڑی شکل تو کبھی سڑک پر بل کھاتی گاڑی دیکھ رہی تھی۔ اتنی دیر سے وہ جس سر چکرانے سے پریشان تھی وہ گرنے کے باعث نہیں۔ فواد کے ڈرائیونگ میں اناڑی ہونے کے باعث تھا۔

"ڈرائیونگ میں نے سیکھی ہوئی ہے۔ اپنی ہے نہیں۔ کسی دوسرے کی ہی چلاتا ہوں۔" ذرا سی پریشانی اس کے ماتھے پر ابھری ہوئی تھی۔

"آپ کس قسم کے انسان ہیں؟" یہ حقیقی سوال تھا کیونکہ فواد نے اسے حیران کر دیا تھا۔

"آپ کی بائیک رنگ برنگی ہو چکی ہے اور جس نے اس کا یہ حشر کیا ہے آپ اس کو ہی ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔ گاڑی چلانے کی پریکٹس نہ ہوتے ہوئے بھی آپ گاڑی چلا رہے ہیں۔ آپ اتنے سکون سے کیسے ہیں؟" راحمین کی آنکھیں یوں پھٹی تھیں جیسے معجزہ دیکھ لیا ہو۔

فواد نے گہرا سانس لیا۔

"آپ کے پاس تو وہ سب کچھ ہے۔ پھر آپ اتنی بے سکون کیوں ہیں؟" اس نے ایک نظر راحمین پر ڈالی۔

راحمین دم بخود رہ گئی۔ وہ کتاب تھا تو اس کا عنوان ہی اس کی سمجھ سے بہت اوپر تھا۔ انسان تھا تو اتنا گہرا کہ چند ملاقاتوں میں اس کے اندر اترنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ظاہر سے باطن کا اندازہ لگانے میں اس بار بھی اس نے منہ کی کھائی تھی۔ فواد نے کچھ دیر بعد پھر اس پر نظر ڈالی۔ وہ ویسے ہی یک ٹک اسے سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جہاں اپنی صلاحیتوں پر بھروسا نہیں ہوتا۔ وہاں اللہ کی رحمت پر یقین رکھنا چاہیے۔" اس نے راحمین کی الجھن بھانپ کر کہا اور پھر سے توجہ سڑک کی طرف کر لی۔

☆☆☆

گرما گرم کٹورہ ٹرے میں سجائے وہ وقت کا حساب لگا کر آئی تھی۔ اس نے کان کے پیچھے سے ایک لٹ نکال کر دروازہ کھٹکھٹایا۔

"فواد بھائی گھر پر نہیں ہیں۔" سعد نے دروازہ کھولتے ہی کہا۔

"میں ...... میں تو سائرہ سے ملنے آئی تھی۔" زارا جھینپ کر بولی۔

سعد اس کے چڑنے پر ہنسا اور دروازہ چھوڑ دیا۔

"غزالہ آنٹی! میں نے قیمہ پیاز بنایا تھا سوچا آپ کے لیے بھی لے آؤں۔" وہ چہکتے ہوئے غزالہ تک پہنچی اور کٹورے سے کپڑا اٹھایا۔

"واہ بھئی قیمہ پیاز تو فواد بھائی کا فیورٹ ہے۔" سعد کے ذو معنی تبصرے صرف زارا کو سمجھ میں آتے تھے۔ اور وہ بھی ان کو ان سنا کر دیتی تھی۔

"اس تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنا گھر ہے۔ خالی ہاتھ ہی آیا کرو۔ بہت شکریہ۔" غزالہ نے سر پر پیار کر کے ڈونگا وصول کیا۔

"میں کچھ پکاؤں اور میرے اس گھر والے نہ کھائیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" اس کا دل غزالہ کے محبت بھرے جملوں سے باغ باغ ہوتا تھا۔

"وہ تو پہلے ہی اسے اپنا گھر سمجھتی ہیں اور آپ ہر بار یہ کہہ دیتی ہیں۔ اب کی بار کاغذ پر لکھوا کر جائیں گی کہ یہ ان کا گھر ہے۔" سعد نے ماں سے گلہ کیا۔

"چلو ہٹو تم۔ زارا بھی میری ہی بیٹی ہے۔"



Scanned with CamScanner

digest library.com

غزالہ صوفے سے اٹھنے لگیں۔

”وہ کس کاغذ پر لکھواتا ہے؟ اشٹامپ پیپر چلے گا یا نکاح نامہ ہی چاہیے؟“ سعد زارا کے قریب سے بڑبڑاتا ہوا گزر گیا تھا۔

اس کے دور ہوتے ہی زارا نے شکر کیا کہ کسی اور نے اس کی بات نہیں سنی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ فواد کیوں نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

ایکسرے سے مطمئن ہو کر ڈاکٹر حنا راحین کے بازو کا معائنہ کر رہی تھیں۔ راحین ڈاکٹر کے معمول کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے مسلسل بند دروازے کو گھور رہی تھی۔ جس کے پیچھے فواد کھڑا تھا۔

”آپ کا دھیان جس طرف ہے۔ وہ ہے کون؟“ مریض کی توجہ نہ پا کر ڈاکٹر حنا نے کہا۔

”کیا؟“ اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

”وہ اندر نہیں آیا یعنی کوئی قریبی شخص نہیں ہے۔ پر باہر کھڑا ہے آپ کو چھوڑ کر نہیں گیا یعنی اجنبی بھی نہیں ہے۔“ ڈاکٹر کا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر تھا اور دوسرے سے وہ کہنی کو سہارا دے کر نوے ڈگری کے اینگل پر اٹھا رہی تھیں۔ راحین کراہنے لگی۔ درد کم تھا مگر اب بھی تھا۔

”وہ میں نے اس کو تھینکس کہنا تھا۔“ راحین نے دھیان بٹنے کی وجہ بتائی۔

معائنہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حنا ٹھٹک گئیں۔ راحین اب فواد کا تعارف کروا رہی تھی۔ مگر ڈاکٹر کی توجہ راحین کے کندھے میں تھی اور نہ ہی اس کے بازو میں۔ وہ اس کی بغل میں ہاتھ سے کچھ ٹٹول رہی تھیں۔

”میں کھانے اور لگانے دونوں کی دوائیاں دے دیتی ہوں۔ مگر یہ کچھ ٹیسٹ ہیں جو آپ کو فوراً کروانے ہیں۔“ ڈاکٹر حنا پلٹ کر کاغذ پر کچھ لکھنے لگیں۔

کندھے کا صرف پٹھا کھنچا ہوا تھا۔ دو چار دن میں ٹھیک ہو جانا تھا۔ کچھ اور تھا جو ڈاکٹر حنا کو فکر مند کر گیا تھا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی جو گھنٹیاں بج رہی تھیں راحین کو اس کا اندازہ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

فواد ڈاکٹر حنا کے کمرے کے باہر انتظار میں کھڑا تھا۔ شاہد گیلانی کی آمد پر اس سمیت سب نے سامنے کی طرف دیکھا۔ جہاں اویس دروازہ کھول کر شاہد گیلانی کے آگے چلتا ان کے لیے گزرنے کی جگہ بنا رہا تھا۔

اویس نے آگے ہو کر ریسپشن سے پوچھا۔ ریسپشن پر کھڑی لڑکی نے فواد کی جانب اشارہ کیا۔ فواد سمجھ گیا تھا۔ ویسا ہی غرور اور تمکنت یہ ضرور راحین کی فیملی تھی۔ فواد شاہد گیلانی کو صورت حال بتانے کے لیے منتظر کھڑا تھا جب آنے والا ایک غیر اہم نگاہ اس پر ڈال کر سیدھا ڈاکٹر حنا کے کمرے میں چلا گیا۔ فواد کھڑا دیکھتا ہی رہا۔ اس کی طرف اویس آیا تھا۔

”میں شاہد گیلانی کا منیجر ہوں۔“ اویس نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

”جی السلام علیکم۔“ فواد نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اویس نے دو نیلے نوٹوں والا ہاتھ جیب سے نکال کر فواد کے آگے کر دیا۔ ”بخشش۔“

فواد جواب تک اس ساری سچویشن کا ہیرو تھا۔ پل بھر میں اسے ان امیر لوگوں کے سامنے اپنی اوقات یاد آ گئی۔ ہتک کے احساس سے اس کی سرخ کنپٹیوں پر پسینہ چمکا۔

”میں چلتا ہوں۔“ اس نے جیب سے راحین کی گاڑی کی چابی نکال کر اویس کے بڑھے ہاتھ میں موجود نوٹوں پر رکھ دی۔

وہ عاجزانہ انداز میں دھیمے قدم اٹھاتے ہوئے خود کو ان مادہ پرستوں کی دنیا سے باہر نکال کر لے گیا۔

☆☆☆

کندھے کی تکلیف دور ہونے تک وہ یونیورسٹی سے غیر حاضر رہی تھی۔ جس دن وہ بازو بلند کرنے کے قابل ہوئی۔ اس دن سب سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اس نے اپنی انگلیاں دیکھیں۔ جیسے زندگی کی اچھی



Scanned with CamScanner

digest library.com

چیزیں گننا چاہ رہی ہو۔ شکر گزار ہی نہیں آئی مگر اس کی جستجو شروع ہو چکی تھی۔

یونیورسٹی پہنچ کر وہ نظریں گھما کر کچھ ڈھونڈتی رہی تھی۔ جو اسے نہیں ملا ساری جگہیں دیکھ کر وہ سر جعفر کے آفس آئی تو وہاں فواد کو موجود دیکھ کر اس نے عرصے بعد شکر کیا۔

"ہیلو۔" آفس میں صرف فواد تھا۔

"وعلیکم سلام۔" وہ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر رہا تھا۔

سپاٹ لہجہ، بے پروا چہرہ راحین کو یہ دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔ اسے تو پچھلی ملاقات کی بہت اچھی باتیں یاد تھیں۔

"آپ نے اس دن میری مدد کی۔" وہ اٹک کر بولی۔

کچھ بدل گیا تھا۔ اب وہ فواد کے سامنے آواز اونچی نہیں کر پا رہی تھی۔

"مس راحین مجھے ڈیجیٹل لائبریری کی لانچ کے لیے بہت کام کرنے ہیں۔ کوئی ضروری بات ہے تو جلدی کریں۔" وہ پرنٹر سے کاغذ نکال کر بیگ میں ڈال رہا تھا جیسے فرار کی تیاری ہو۔

"لانچ کا پلان تو میں نے بنا کر سر جعفر کو دے دیا تھا۔" وہ چونکی۔

فواد نے تمام توجہ سے راحین کی طرف دیکھا۔ جیسے طبیعت صاف کرنے کا ارادہ ہو پھر مشقت کر کے اپنا لہجہ نرم کیا۔

"آپ کا پلان بہت مہنگا ہے۔ یہ یونیورسٹی ہے۔ یہاں اتنا وزنی بجٹ نہیں مل سکتا۔ میں نے متبادل سوچا ہے اور کام شروع کر دیا ہے۔" فواد نے بیگ کندھے پر ڈالا۔

"اوہ صرف اتنا سا مسئلہ ہے؟ کتنی اماؤنٹ چاہیے؟" اس نے فوراً پرس سے موبائل نکالا اور ان لائن ایپ کھول لی۔

اولیس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ میں نوٹ پوری شدت سے فواد کو یاد آئے تھے۔

"یہ بات بے بات پیسے نکالنے کی عادت چھوڑ دیں۔ کبھی جو آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز آ جائے گی جو پیسے سے نہیں خریدی جا سکتی تو وہ لاحاصل خواہش آپ کو توڑ دے گی۔" اس بار وہ خود کو غصہ کرنے سے روک نہ سکا۔

"اور یقین رکھیں یہ دنیا ایسی خوشیوں سے بھری ہوئی ہے جو پیسے سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔" اس نے جتلاتے ہوئے کہا۔

راحین کو مشکل اردو کے لفظ پلے نہیں پڑتے تھے پر لہجے بہت اچھے سے سمجھ آتے تھے۔ وہ پھر سے اکڑنے لگی۔

"یہ آئیڈیا میرا تھا۔ آپ مجھے شامل کیے بغیر کوئی متبادل پلان نہیں کر سکتے۔" وہ پہلے جیسے رعب میں بولی۔ فواد جانے کو تیار تھا رک گیا۔

"میں نے یونیورسٹی کے کچھ کامیاب پرانے اسٹوڈنٹس سے ٹائم لیا ہے۔ ان کے انٹرویو لے کر لانچ ڈے پر پوری یونیورسٹی کو دکھائیں گے۔" وہ جاتے ہوئے مڑ گیا تھا۔

"اور وہی ویڈیوز آفیشل چینل پر بھی لگا کر اس کو شروع کیا جا سکتا ہے۔" فواد کی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ اس نے تفصیل بتا دی۔

راحین کو یہ آئیڈیا اپنے بنائے پلان سے زیادہ اچھا لگا تھا۔

"اٹ از فیکٹ۔" وہ خوش ہوئی۔

"بالکل اور میں سب ہینڈل کر لوں گا آپ کا کام ختم۔" فواد نے جان چھڑانے کی کوشش کی۔

"مسٹر فواد نمبر ایک کہ میں جتنی بری آپ کو لگتی ہوں۔ اتنی ہوں نہیں۔ نمبر دو کہ میں اتنی بری تو ہرگز نہیں ہوں کہ جو ذمہ داری لوں اسے پورا نہ کروں۔ اس لیے آپ مجھے اس سے پلان الگ نہیں کر سکتے۔" اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"یہ آپ کے بس کی بات نہیں۔" فواد کا لہجہ طنزیہ ہوا۔

"نمبر تین مجھے چیلنج دینے کی غلطی کبھی نہ کریں۔



Scanned with CamScanner

مجھے ہارنے کی عادت نہیں ہے۔'' راحین نے کہا۔
فواد نے غور کیا یہ وہ لڑکی تو نہیں تھی جو پہلی ملاقات میں مٹی سے گھبرا رہی تھی۔ یہ لڑکی تو بہت پر عزم تھی۔ اس نے ایک بار پھر راحین کا اعتبار کرلیا۔ یہ آئیڈیا اس کا تھا اور اس کی موجودگی سے فائدہ ہونے کے امکان بھی تھے۔ فواد نے پچھلی تمام تخی پس پشت ڈال کر نرمی سے پوچھا۔
''اب آپ کا کندھا کیسا ہے؟''
راحین کے اندر کا تناؤ بھی ڈھیلا پڑا۔

☆☆☆

ابتدا میں یونیورسٹی سے سات لوگ نکلے تھے۔ فواد کا وژن اس کی طرح زمین سے جڑا تھا۔ وہ لوگوں کو اے۔ سی والے دفتر میں بٹھا کر ان کی ترقی نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ وہ ان لوگوں کو کام کے بیچ گرمی اور دھوپ میں دکھا رہا تھا۔ تاکہ دیکھنے والے اسٹوڈنٹ اے۔ سی والے دفتر کا نہیں محنت کا سبق پڑھیں۔
سب ہی اپنے حصے کا کام کروا کر رخصت لے کر جا چکے تھے۔ کسی کی اکیڈمی تھی تو کوئی دیر تک گھر سے باہر نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی کو بھوک لگ گئی تھی۔
ان جانے والے لوگوں میں راحین نہیں تھی۔ جبکہ فواد کو لگا تھا سب سے پہلے وہ بھاگے گی۔ فواد اس کی ہمت سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ پایا تھا۔ اس کے باپ نے اتنا بڑا امپائر ایسے ہی کھڑا نہیں کیا۔ اس میں قسمت کے ساتھ محنت بھی تھی۔
اب صرف تین اسٹوڈنٹ رہ گئے تھے۔ وہ ایک زیر تعمیر بلڈنگ کے سامنے موجود تھے۔ کنسٹرکشن سائٹ ہونے کی وجہ سے انہوں نے سروں پر ہارڈ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ گرمی کے باعث راحین کے چہرے پر پسینے کے قطرے بہہ رہے تھے۔ جن کو ٹشو سے صاف کرکے اس کی جلد لال ہوگئی تھی۔ اس نے چیلنج کے طور پر یہ کام قبول نہ کیا ہوتا تو کب کی چلی گئی ہوتی۔
کیمرے کے پیچھے بیٹھے اس نے ٹیبل سے اپنے حصے کی پانی کی بوتل اٹھائی اور آخری گھونٹ سے گلا تر کیا۔ فواد کچھ فاصلہ پر کھڑا عمارت کے سینئر انجینئر سے بات کر رہا تھا۔ جو ان کی ہی یونیورسٹی سے پڑھا تھا۔
راحین نے ایک بار پھر سوچا کہ ڈرائیور کو بلا لے۔ یا کچھ دیر کے لیے بہانے سے گاڑی میں جا کر اے۔ سی میں بیٹھ جائے۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی اہم سوال مس ہو گئے یا کیمرے کا اینگل بگڑ گیا تو وہ خود ہی ناخوش ہوگی۔ وہ یہ کام پرفیکٹ طریقے سے کرنا چاہتی تھی۔
وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ایک کے بعد ایک مہربان ہوا کے جھونکے اس کی سمت چلنے لگے۔ راحین کی جان میں جان آگئی۔ فواد نے گفتگو کرتے ہوئے واحد پیڈسٹل فین کا رخ راحین کی سمت کر دیا تھا۔
''چلیں انٹرویو شروع کریں۔'' فواد نے ذاتی تجسس کو پس پشت ڈالا اور کام کی بات پر آیا۔
انجینئر نے کیمرے کے سامنے والی سیٹ سنبھال لی فواد کیمرے کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور اپنی بھری ہوئی پانی کی بوتل راحین کو تھما کر اس کی خالی بوتل پکڑ لی۔
راحین کچھ ممنون کچھ حیران ہوئی۔ فواد کو بغیر کہے کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا گلا سوکھ رہا ہے۔ اس نے سوچا پھر پانی پینے لگی۔

☆☆☆

کاروان کے سب مسافروں کی منزل ایک نہیں ہوتی۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ باقی سب جا چکے تھے۔ فواد نے چلتی بائیک سے پیچھے دیکھا۔ راحین اس کے پیچھے اپنی گاڑی میں ان خستہ حال تنگ سڑکوں پر اب تک آ رہی تھی۔ احساس ذمہ داری وہ پہلی خوبی تھی جو اس نے راحین میں دیکھی تھی۔ فواد نے آگے جا کر بائیک روکی۔ راحین کی گاڑی بھی رک گئی۔ اس نے شیشہ نیچے کیا۔
''آگے گلی تنگ ہے گاڑی نہیں جائے گی آپ میری بائیک پر آجائیں۔'' یہ آخری پڑاؤ تھا۔
''تو دے میں بائیک پر نہیں بیٹھتی۔'' اس نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔



Scanned with CamScanner

digest library.com

"بھروسا رکھیں۔ میں اچھی بائیک چلاتا ہوں۔ آپ کو گرنے نہیں دوں گا۔" فواد مسکرایا۔

"لیکن میں بہت اناڑی سوار ہوں۔ گرنے کا موقع ڈھونڈ ہی لیتی ہوں۔" راعین نے کندھے اچکائے، اس معاملے میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"چلیں یہ آخری انٹرویو تھا۔ میں خود مینج کرلوں گا۔ آپ گھر چلی جائیں۔" فواد نے کچھ افسوس سے بائیک آگے بڑھا دی۔ اسے دور جاتا دیکھ کر راعین فوراً گاڑی سے اتر گئی۔ فواد نے رک کر دیکھا۔

"میں پیدل آجاتی ہوں۔" راعین نے ذرا ذرا نتھنوں سے مزید اونچا کیا۔ آگے گلی تنگ تھی اور بدبودار بھی۔ وہ اب بھی جانے پر تیار نہیں تھی۔ فواد کا اندازہ ایک بار پھر غلط ثابت ہوا۔

فواد نے راعین کو دیکھا اور تیز رفتاری سے بائیک آگے بڑھا دی۔ گلی تک پہنچتے ہی فواد نے بائیک ایک کونے میں روکی اور اس کو اسٹینڈ پر کھڑا کر کے خود بھی اتر گیا۔

"آپ بائیک پر نہیں آسکتیں۔ تو میں پیدل ساتھ آجاتا ہوں چلیں؟" اس نے راعین کو دیکھ کر تنگ گلی کی طرف اشارہ کیا۔

"ضرور۔" راعین کو اس کے ساتھ سے ڈھارس ملی تھی۔

خستہ حال سڑک کے بیچ میں خاموشی سے لپٹی اندھیری گلی میں اس وقت صرف دو مسافر تھے۔

"آپ تو بتا رہے تھے کہ احتشام احمد نے دبئی میں بہت ترقی کرلی ہے؟ لیکن یہ تو بہت خراب جگہ ہے۔" راعین دیوار کا سہارا لے کر مٹی کے ڈھیر پر سے گزری۔

"اس جگہ پر احتشام احمد کا پرانا گھر ہے۔ جس کو اس نے سنگل مدرز ہوسٹل میں تبدیل کردیا ہے تاکہ جو مشکلات اس کی ماں نے سہیں۔ اس سے دوسری ماؤں کو بچا سکے۔" فواد جیبوں میں ہاتھ ڈالے چل رہا تھا۔ جیسے پہنچنے کی کوئی جلدی نہ ہو۔

"اپنی فیری ٹیل کی ہیپی اینڈنگ مل جانے کے بعد وہ دوبارہ ان گندی گلیوں میں کیوں آگیا؟" راعین نے پرس سے نکال کر چند سینیٹائزر ہاتھوں پر رگڑا۔

"تاکہ دوسروں کی فیری ٹیل کا حصہ بن سکے۔" فواد نے مسکرا کر اس کو دیکھا۔

وہ یونہی سادہ سے لفظوں میں گہری بات کہہ جاتا تھا اور راعین اگلی ملاقات تک ان ہی لفظوں کی بازگشت سنتی رہتی تھی۔

"چھوٹے گھروں سے محل میں آجائیں تو ہیپی اینڈنگ ہو جاتی ہے؟ شاید اسی لیے بڑے گھر والوں کو فیری ٹیلز نہیں ملتیں۔" راعین نے دل کے اندر جھانکا تو باہر کی آلودگی اوجھل ہوگئی۔

"فیری ٹیل سب کو مل جاتی ہے مگر مغرور شہزادیوں کی ہیپی اینڈنگ نہیں ہوتی۔" فواد بے ساختگی میں بول گیا تھا۔

راعین کی گردن میں غصے کے باعث مزید اکڑاؤ پیدا ہوا۔ یہ طنز اس پر کیا گیا تھا۔

"میرا مطلب ہے سنو وائٹ جنگلوں میں بھٹک گئی تھی اور سلیپنگ بیوٹی سو سال بعد سو کر اٹھی تو اس کا محل کھنڈر ہو چکا تھا۔ انہیں وہ سب کچھ دوبارہ مل گیا۔ لیکن تب تک ان میں غرور ختم ہو چکا تھا۔ غرور ختم ہو جاتا ہے تو ہر چیز اچھی لگنے لگتی ہے۔" فواد نے بات سنبھالی۔

"ایسا نہیں ہے انہیں ہیپی اینڈنگ تب ملی جب انہیں سچی محبت حاصل ہوئی۔" راعین نے آنکھیں گھما کر اس کی تصحیح کر دی۔

"مغرور شخص خود سے محبت کرنے میں اتنا مصروف ہوتا ہے کہ سچی محبت سامنے بھی ہو تو دیکھ نہیں پاتا۔" اس نے سرسری کہا تھا۔ لیکن وہ خوابناک ماحول اس جملے کو کوئی معنی دے گیا تھا۔

"ہم ابھی بھی سنو وائٹ کی بات ہی کر رہے ہیں؟" راعین رک گئی تھی۔

اب وہ ایک چھوٹی سی درزی کی دکان کے باہر پہنچ گئے تھے۔



Scanned with CamScanner

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' فواد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

یہ فواد کا طریقہ نہیں تھا۔ وہ تو لڑکیوں کو دیکھتا بھی نہیں تھا۔ آج نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔

''ایسا ہے کہ شہزادیاں اپنی قدر جانتی ہیں اس لیے مغرور ہوتی ہیں۔ جبکہ شہزادے کو حسن بھی چاہیے، خاندانی لڑکی بھی چاہیے، ساری خوبیاں بھی چاہئیں اور وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ شہزادی کو اپنی خوبیوں کا احساس تک نہ ہو۔ مغرور شہزادی سیلفی کی شہزادوں سے دس گنا بہتر ہے۔'' راحین نے بھی برابر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور کہا۔

اس کی ذہانت وہ دوسری چیز تھی جس نے فواد کو متاثر کیا تھا۔ فواد لاجواب ہوا۔

''میں احتشام کو بتا دوں کہ ہم آ گئے ہیں۔'' فواد نے کیمرے والا بیگ درست کیا۔ موبائل پر احتشام کو پیغام لکھ کر بھیجا۔

ذرا سی دیر میں ہی تین بچے دوڑتے ہوئے آ گئے۔

''آپ احتشام بھائی کے مہمان ہیں؟'' چار سالہ گول مٹول سانولا بچہ پریوں سی حسین راحین کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔ راحین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''چلیں میں آپ کو لے چلوں۔'' بچے نے ہنستے ہوئے آگے ہاتھ بڑھایا۔ راحین گھبرا کر پیچھے ہو گئی۔

وہ بچہ گلی کے دوسرے بچوں کی طرح تھا۔ صبح ماں نے ضرور تیار کیا ہوگا۔ مگر اب وہ کھیل کود کر میلا لدبھڑ ہو چکا تھا۔ راحین تو ویسے ہی کسی کو آسانی سے اپنے پاس نہیں آنے دیتی تھی۔ اس بچے کے منتظر ہاتھ کو بھی دیکھ کر رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ بچے کی مسکراہٹ مرجھاتی فواد نے آگے ہو کر بچے کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''چلو'' فواد نے بچے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

بچہ معصوم تھا اس نے راحین کے رویے میں کچھ نہیں پڑھا اور اچھلتا کودتا انہیں راستہ دکھانے لگا۔

☆☆☆

شاہد گیلانی عادت کے مطابق ڈائننگ روم میں پہنچے تھے جہاں راحین اپنی عادت کے خلاف ناشتہ تقریباً ختم کر چکی تھی۔

''مارننگ کدھر کا ارادہ ہے؟'' شاہد صاحب چند دن سے اس کی پھرتی دیکھ رہے تھے۔

وہ پیٹ بھر کے ناشتہ تب ہی کرتی تھی جب کوئی مشقت طلب دن ہوتا تھا۔

''یونیورسٹی میں پروجیکٹ چل رہا ہے۔'' اس نے پلیٹ میں کانٹا واپس رکھا اور گلاس میں جوس ڈالنے لگی۔

جو انٹرویوز انہوں نے لیے تھے ان کی ایڈیٹنگ مکمل ہو چکی تھی۔ یہ کام راحین اور محسن نے کیا تھا۔ آج وہ فائنل ویڈیوز فواد اور باقی ٹیم کو دکھانی تھیں۔

''میں بہت خوش ہوں تم نے خود کو سنبھالنا سیکھ لیا ہے۔'' شاہد گیلانی سربراہی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''جہاں اپنی صلاحیتوں کا یقین نہ ہو وہاں اللہ کی رحمت پر بھروسا کر لینا چاہیے۔'' راحین نے جوس پیتے ہوئے کہا۔

''تمہاری اتنی گہری باتوں کا سیکرٹ کیا ہے؟'' شاہد گیلانی تو اڑتی چڑیا کے پر گنتے تھے۔

راحین نے گھبرانے کے بجائے انہیں گھور کر دیکھا۔

''سیکرٹس رکھنے کی عادت آپ کو ہے، مجھے نہیں۔'' راحین نے باپ کو چھیڑا۔ شاہد گیلانی کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''میرا ابھی کوئی سیکرٹ نہیں ہے۔ میری زندگی میں واحد لیڈی تم ہو۔''

اتنے میں شاہد کا فون بجنے لگا۔

''ایسی بات ہے تو اب ہی معلوم ہو جاتا ہے۔'' راحین نے شاہد کے ہاتھ سے فون اچک لیا اور اسپیکر آن کیا۔

digest library.com

"ہیلو!" شاہد صاحب نے دور سے ہی کہا۔ وہ بھی بیٹی کے مذاق میں حصہ دار بن گئے تھے۔

"ہیلو سر! میں جویریہ شاہ بات کر رہی ہوں۔" اسپیکر سے ایک لڑکی کی آواز آئی۔

رامین نے ہنس کر باپ کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ پکڑے گئے۔

"یس جویریہ!" شاہد گیلانی نے آنکھوں سے ہی کہا کہ میری اسپلائے ہے۔

"ڈاکٹر حنا نے جو ٹیسٹ کیے تھے شاہد نے ان کی ذمہ داری اپنے آفس کی ڈاکٹر جویریہ کو دی تھی۔ رامین نے موبائل ٹیبل پر رکھ کر جوس کا گلاس اٹھالیا۔

"میری ڈاکٹر حنا سے ابھی تفصیلی بات ہوئی ہے۔ انہیں میڈم رامین کی بغل میں جو گلٹی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی نیڈل بایوپسی رپورٹ آ گئی ہے۔" رامین کے ہاتھ میں موجود گلاس وزنی ہو گیا۔ اس نے خالی گلاس ٹیبل پر رکھا تو وہ کھڑا ہونے کی بجائے لیٹ گیا اور لڑھکنے لگا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اسٹیج تھری بریسٹ کینسر ہے۔" شاہد گیلانی کی سماعت سے پردے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

بے شک انسان بھکاری ہے۔ چاہے وہ کاسہ لیے چھابے پر بیٹھا ہو۔ ہاں اپنی نوعیت کا مہنگا لباس پہنے ہوئے۔ اس کی حقیقت نہیں بدلتی۔ اسے اپنے مالک کے آگے ہاتھ پھیلانے ہی پڑتے ہیں۔ خواہ رضا سے ہو یا مجبوری سے۔

"سر میں آپ کو فون پر کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ مگر آپ نے سختی سے آرڈر دے رکھا تھا۔ اس لیے آئی ایم سوری ہیلو...... سر۔" جویریہ بول رہی تھی۔

ٹیبل پر بیٹھے دونوں نفوس کی تمام حسیات خوف نے معطل کر دی تھیں۔ کانچ کا وہ گلاس لڑھکتے ہوئے ٹیبل سے نیچے گرا اور چھناکے سے گر کر ٹوٹ گیا۔ اس آواز سے دونوں باپ بیٹی کا سکتہ پاش پاش ہوا۔ رامین کے خوف زدہ چہرے پر شاہد گیلانی کی بے بس نگاہ پڑی۔ وہ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہی بیماری تو ان کی بیوی کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی تھی۔ وہ تب بھی اپنی بے شمار دولت اور کرسی جسم لیے بے بسی سے موت کا رقص دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

آڈیٹوریم اسٹوڈنٹس سے بھرا ہوا تھا۔ سر جعفر اسٹیج پر جانے کے لیے اپنی کرسی سے اٹھے تو ان کے گلے کے مفلر کے ساتھ کرسی بھی ناچتی ہوئی پیچھے آنے لگی۔ کسی شرارتی لڑکے نے ان کا مفلر کرسی سے باندھ دیا تھا۔ سارا آڈیٹوریم ہنسنے لگا۔ فواد دوڑ کر ان کی مدد کرنے پہنچا تب تک سر جعفر نے خود ہی اپنا مفلر کھول لیا تھا۔

"اس طرح ایک اکیلے انسان پر ہنسنا بزدلی کی علامت ہے۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر مائیک میں بہت سنجیدگی سے کہا۔

قہقہے تھم گئے۔ وہ ایک تعلیمی ادارہ تھا۔ ہنسی کی خاطر ایک استاد کا مذاق اڑانا۔ ان کی تربیت بتاتی تھی۔

"کمال تو یہ ہے کہ ایک اکیلا انسان مجھے کو ہنسنے پر مجبور کر دے۔" سر جعفر نے کڑی نگاہ سے شرمندہ اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر کہا۔ پھر اگلے ہی لمحے اپنے ازلی کھلکھلاتے انداز میں آ گئے اور سر کھجایا۔

"شاید چارلی چپلن نے کہا تھا۔"

فواد مسکرایا اور ہال کے تمام اسٹوڈنٹ اب احترام میں ہنسے۔ سر جینئس تھے۔ پھر سر ڈیجیٹل لائبریری کے قیام تک کے سفر کی داستان سنانے لگے۔ آڈیٹوریم کے دروازے بند تھے اور فواد کے ساتھ والی خالی کرسی رامین کا انتظار کرتے ہوئے تھک گئی تھی۔ جھلک دکھا کر غائب ہونے کی اس کی روایت قائم تھی۔ لائٹیں بند ہوئیں اور خاموش پروجیکٹر روشن ہو گیا۔ فواد نے ایک بار پھر رامین کو فون ملایا جو گزرے کئی دنوں کی طرح آج بھی بند تھا۔

☆☆☆

"جب میں بیمار ہوتا ہوں تو انگلیوں پر زندگی کی اچھی چیزیں گنتا ہوں۔"

کمرے میں روشنی کا ہر راستہ بند کر کے وہ فواد کے جملوں کی بازگشت سن رہی تھی۔ بکھرے بالوں کی چلمن سے اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا اور ایک انگلی اٹھائی۔

"ایک۔"

ہر طرف ہریالی پھیل گئی۔ گیلانی ہاؤس کے سبز لان میں آٹھ سالہ راعین گیند کو ٹھوکر مارتے ہوئے بھاگ رہی تھی۔

"مام کیچ۔" گیند کو پکڑ کر اس نے نوشابہ کی طرف اچھالا۔ نوشابہ نے آگے بڑھ کر بال پکڑا تو وہ اس کے سینے میں جا لگی۔ نوشابہ نے جیسے موت کی دستک سنی۔ یہ دستک اس کے سینے میں ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی۔

"مام تھرو...... مام...... مام بال پھینکیں۔" وہ بال کا تقاضا کرتی رہ گئی۔ جبکہ نوشابہ سینے سے اٹھتی درد کے باعث سکتے میں آ چکی تھی۔ اس کے گھٹنوں تک آتے گھنے بال ہوا سے بے قابو ہو کر اڑ رہے تھے۔ راعین بال مانگ رہی تھی اور نوشابہ ایک اجنبی کی آمد محسوس کر رہی تھی۔

اندھیرے کمرے میں راعین نے ایک اور انگلی اٹھائی اور لبوں کی بے آواز جنبش کی۔

"دو۔"

وہ ماں باپ کے بستر میں لیٹی تھی۔ نیند سے بوجھل آنکھیں ہر چند سیکنڈ بعد کھول کر ماں کو دیکھ رہی تھی۔ نوشابہ دیوار گیر بڑے آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ سر سے سرے تک برش کا ایک چکر سات سیکنڈ میں پورا ہوتا تھا۔ دروازہ کھلا تو راعین کی نیند میں خلل آیا۔ اور جب اس نے جھکے کندھے تھکے چہرے والے شاہد گیلانی کو دیکھا تو اس کی پرسکون نیند دھڑ کر کھو گئی۔

"تمہاری رپورٹ آ گئی ہے۔ اٹس پازیٹو۔"

راعین ٹکر ٹکر اپنے ہارے ہوئے باپ اور اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روتی اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔

یہ مرض نہیں اس کا ازلی دشمن تھا۔ اس نے غصے سے تیسری انگلی اٹھائی۔

"تین۔"

دو منزلہ بڑے سے کیک پر دس لکھا تھا۔ فرش پر پڑے تحائف کا ڈھیر اتنا بلند تھا کہ راعین کے قد تک آتا تھا۔

اور راعین صبح سے اپنی ضد پر قائم تھی کہ وہ مام ڈیڈ کے بغیر کیک نہیں کاٹے گی۔ گھنٹے کے بعد گاڑی کا ہارن بجا۔ راعین دوڑ کے دروازے تک گئی اور ٹھٹھک گئی۔ نوشابہ کی پرچھائی گاڑی سے نکل رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ گڑھے تھے۔ اور اس کی جلد سے چہرے کی ہڈیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔

"مام؟" اس نے جیسے تصدیق کرنا چاہی۔

نوشابہ نے ہاتھ بڑھائے۔ راعین ماں کے گلے جا لگی۔ نوشابہ کے سر پر سختی سے کپڑا بندھا تھا۔ اب اس کی کمر پر سیاہ بالوں کی آبشار نہیں تھی۔ راعین بجھی بجھی سی کیک کاٹ کر بہل گئی۔ تحفے کھول کر خوش ہو گئی۔ گفٹ سے نکلنے والا ڈول ہاؤس راعین نے نوشابہ کو پکڑانا چاہا تو نوشابہ کا کمزور ہاتھ تب اس کے پہلو میں گر گیا تھا۔

راعین کا اپنا ہاتھ اب اس کے پہلو میں ویسے ہی گرا تھا۔ چوتھی انگلی بغیر اٹھائے اس نے نوشابہ کی موت کو یاد کیا تھا۔

اور پانچویں انگلی پر اس نے وہ ساری تسلیاں یاد کی تھیں جو نوشابہ کو دفنانے کی اگلی رات باپ نے اس کو دی تھیں۔ اس رات وہ باپ کے سینے سے لگی سو گئی تھی۔ صبح اٹھی تو وہ بستر میں اکیلی تھی۔ اپنے دکھ سے فرار حاصل کرنے کے لیے شاہد صاحب دفتر چلے گئے تھے۔ جانے سے پہلے وہ راعین کے لیے میوزک کلاسز، سوئمنگ لیسنز، آرٹ سکول جیسی روٹین ترتیب دے گئے تھے۔ رشتوں کی کمی اس نے مصروفیات سے پوری کرنے کی کوشش کی تھی۔ آج تک ایسے ہی تھا۔ شاہد گیلانی اس کی ہر خوشی میں اس کے سائے سے بھی قریب ہوتے تھے اور اس کے ہر دکھ میں اسے



Scanned with CamScanner

digest.library.com

مصروفیات کا تھوڑا دے کر نظریں چرا جاتے تھے۔ شاہد گیلانی میں آسرا بننے کی ہمت نہیں تھی۔ اب بھی رامین تنہا اپنا درد محسوس کر رہی تھی۔ شاہد گیلانی اپنے کمرے میں اپنی بیٹی کو گلے لگا کر تسلی دینے کی ہمت جمع کر رہے تھے مگر ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

☆☆☆

سعد اپنی شیڈول کی آوارہ گردی کرنے کے بجائے صوفے پر الٹا لیٹا آرام کر رہا تھا۔ رشید صاحب کو جمعے کی نماز پڑھانے کی ذمہ داری اس کی تھی۔ دو گھنٹے کی مشقت کے جواب میں وہ اگلے چار گھنٹے آرام کرتا تھا۔

"ٹیسٹ سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھنا۔" سائرہ نے اپنے اسٹوڈنٹ فیضان کو الوداع کہتے ہوئے یاد کروایا۔

"آپی یہ امی نے دیے ہیں۔" فیضان نے بیگ سے ماہوار فیس نکال کر سائرہ کو پکڑائی۔

سعد نوٹ دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ سبق پڑھتی مائدہ بھی ندیدی نظروں سے دیکھنے لگی۔ فیضان کے جانے کے بعد سائرہ بھی کمرے میں جا رہی تھی۔

"سائرہ آپی! کچھ دیر پیسوں کو نظروں کے سامنے ہی رہنے دیں۔" سعد نے غالب کے مصرعے "رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے" کو ماحول کے مطابق ڈھالا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ اللہ نے اسے سب سے زیادہ دے رکھا ہے۔" سائرہ کو بھائی کی ناشکری پر دکھ ہوا۔

"اللہ نے دیا تو ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ یہ نوٹ بھی ون وے ٹریفک کی طرح آپ لے جائیں گی اور نانی اماں کے دیے ہوئے میں سنبھال دیں گی۔" سعد نے منمنایا۔

"پہلے ہم کتنا مزا کرتے تھے۔ ابو کے ساتھ سیر پر جاتے تھے۔ اب ہر جگہ جانے سے پہلے ہزار بار سوچنا پڑتا ہے کہ ابو کی وہیل چیئر کیسے جائے گی؟ کب نکلیں تاکہ کھانا واپس گھر آ کر ہی کھائیں۔ ہم جس اچھے وقت کے آنے کا روز انتظار کر رہے ہیں نہ جانے کب آئے گا۔" مائدہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر سوچ میں گم ہو گئی۔

سائرہ نے نوٹوں والی ہتھیلی بند کر کے اس مایوسی کو محسوس کیا جو گھر میں ہر وقت منڈلاتی رہتی تھی۔ اس نے اور فواد نے اچھا وقت دیکھا تھا۔ اس لیے جب مصیبت آئی تو سمجھداری سے اسے قبول کر لیا۔ لیکن چھوٹے دونوں کی ابھی حسرتیں باقی تھیں۔ انہیں آزمائش نہیں مصیبتیں نظر آتی تھیں۔ سائرہ کو بڑی بہنوں والا پیار آیا۔

"اگر ایسا ہے تو چلو پلان بناتے ہیں۔" سائرہ نے پیسے دونوں کے سامنے میز پر رکھے۔

"سچ یا آگے کوئی لیکن ہے؟" سعد نے بہن کی نیت پر شک کیا۔

"بالکل سچ لیکن شرط یہ ہے کہ جب تک یہ سارے نوٹ خرچ نہیں ہو جاتے گھر واپس نہیں آئیں گے۔" سائرہ نے گہری مسکراہٹ سے کہا۔ دونوں خوشی سے اچھل پڑے۔ سعد نوٹوں کا پنکھا بنا کر ہوا لینے لگا۔

☆☆☆

وہ ایک سبز اور نیلا ڈریگن تھا ایک طلسماتی آگ اگلنے والا مبہوت کرنے والا جاندار۔ رامین اس ڈریگن والے، پین ہولڈر پر انگلی پھیر کر بہت دلچسپی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے رنگوں سے اس کا ذہن پڑھ رہی ہو۔ ڈریگن اگر سیاہ ہوتا تو ہیبت ناک ہوتا۔ موت کی علامت لیکن یہ خوش رنگ ڈریگن ایسا تھا جیسے اس کے پاس تین خواہشیں پوری کرنے کی طاقت ہو۔ رامین اس کے پروں پر ہاتھ پھیرتی گئی جیسے ستار بجا رہی ہو۔

"رامین! ڈاکٹر الیاس تم سے کچھ کہہ رہے ہیں۔" پاپا کی آواز سے اس کے خوابوں کی دنیا ٹوٹ کر بکھر گئی۔ وہ ڈاکٹر کے کلینک میں بیٹھی تھی۔

"ہم آپ کا ٹریٹمنٹ پلان ڈسکس کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر کی بات اسے حقیقت میں گھسیٹنے لگی۔ وہ



Scanned with CamScanner

digest library.com

ڈریگن والا پین ہولڈر ٹیبل پر رکھ کر شکوہ کناں نگاہوں سے دونوں مردوں کو دیکھنے لگی۔ جس اپائنٹمنٹ کے لیے ہفتوں کی ویٹنگ تھی، وہ ان کو دو دن میں مل گئی تھی۔ راحین آنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا ڈاکٹر کو نہ دکھانے کا پلان اتنا ہی اٹل تھا جتنا اس کے سینے میں موجود کینسر۔

"جانتی ہوں آپ نے کیا پلان کیا ہوگا۔ یہی کہ آپ سرجری کے ذریعے سے کینسر سے متاثرہ حصہ نکال دیں گے۔" اس کا انداز مجبور اور ٹھہرا ہوا تھا۔

"پھر آپ مرض سے زیادہ خطرناک علاج کیموتھیراپی تجویز کریں گے۔ جس سے میرا خون خشک ہو جائے گا میری آنکھیں دھنس جائیں گی۔ میرے بال گر جائیں گے۔ میں اپنے دریدہ وجود کی ایک بچی کھچی نشانی بن کر رہ جاؤں گی۔" اس نے طنز سے کہا۔

"آپ گوگل سے دور رہا کریں۔ علاج مرض سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر الیاس نے سمجھایا۔

"اور چونکہ یہ بریسٹ کینسر ہے جس کی تلوار صرف عورتوں کے اوپر لٹکتی ہے تو مجھے ایسی دوائیاں بھی دی جائیں گی جو میرے اندر موجود زنانہ ہارمونز کو کم کر دیں گی۔ اب بیماری بھی مرد اور عورت میں فرق کرنے لگیں۔" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی تھی۔

"اتنی کم عمری میں کینسر ہونا کروڑوں میں ایک کیس ہوتا ہے۔ میں اپنی بیٹی کو دنیا کے بیسٹ انسٹیٹیوٹ میں لے کر جاؤں گا۔" شاہد گیلانی نے جذبے سے بھرپور ہتھیلی میز پر رکھی۔

"آپ کینسر کے خلاف لڑیں گے اور کینسر آپ کے خلاف ہتھیار اٹھائے گا اس سب میں، میں کہاں جاؤں گی؟ میرا جسم صرف ایک میدان جنگ بن کر رہ جائے گا اور میں اپنے وجود کی لاش اٹھانا نہیں چاہتی۔ میں کسی قسم کا کوئی علاج نہیں کرواؤں گی۔" اس نے ٹیبل پر مٹھی رکھ کر شاہد صاحب سے زیادہ دقت سے کہا۔

ڈاکٹر الیاس سمجھ گئے تھے کہ راحین کو کاؤنسلنگ کی ضرورت ہے۔ اس بیماری اور اس کے مشکل علاج کا خوف جسم میں بیماری سے بھی بڑا تھا۔ یہ تو کم عمر لڑکی تھی۔ انہوں نے بڑے پڑھے لکھے لوگوں کو بیماری کو چھپاتے، اس سے نظریں چراتے دیکھا تھا۔ لیکن وہ سب مرض پھیلنے کے بعد ایڑیاں رگڑتے ہوئے دوبارہ آئے تھے۔ تب میڈیکل سائنس بھی ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"قاتل بیماری نہیں ہوتی۔ بیماری کی اسٹیج ہوتی ہے۔ یہ مرض سے قابل علاج ہے۔ خاص طور پر آپ کی اسٹیج میں۔ میں تو تمام عورتوں سے کہتا ہوں کہ اپنا سیلف ایگزامینیشن کریں۔ یعنی اپنا معائنہ خود کریں۔ تاکہ اسے پھیلنے سے پہلے ہی تشخیص ہو سکے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ جلدی معلوم ہو گیا۔ علاج سے آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں گارنٹی دیتا ہوں۔" ڈاکٹر نے شفقت سے کہا۔

"تم ایک فائٹر ہو راحین۔ یہ بازی تم ہی جیتو گی۔" شاہد گیلانی نے ٹیبل پر دھرا اس کا ہاتھ پکڑا جو اب بھی مٹھی کی صورت بند تھا۔

"میں زندگی سے نہیں بھاگ رہی لیکن زندگی جینے کا جو راستہ آپ دکھا رہے ہیں وہ جیتے جی میری زندگی ختم کر دے گا۔" وہ ڈری ہوئی تھی۔

"لاکھوں کیسز ایسے ہیں جس میں کامیاب علاج کے بعد عورتیں نارمل زندگی گزار رہی ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"اور کتنے کیس ایسے ہیں جن میں علاج کے بعد بھی کینسر کسی نہ کسی صورت میں واپس آ ہی جاتا ہے؟" راحین نے ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھا جیسے وہ کینسر اور اس کی جنگ میں کینسر کا وکیل ہو۔

ڈاکٹر الیاس چپ ہو گئے یہ بات سچ تھی کہ کینسر کے واپس آنے کے چانس بھی تھے۔

"ہمارے پاس برائٹ سائیڈ دیکھنے کی ہر وجہ ہے۔" ڈاکٹر الیاس چند سیکنڈ کے وقفے سے بولے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆



Scanned with CamScanner

ریحانہ وقاص

# اُجالا تیری یاد وں کا

digest library.com

"ہائے اماں میں لٹ گئی برباد ہو گئی کدھر ہو تم، آؤ ذرا دیکھو تمہاری بچی کے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

شمسہ کے رونے کی آواز، پورے گھر میں خاموشی کو توڑتی ہوئی طوفان کی طرح لگی۔

کچن میں ہنڈیا پکاتی اماں رضیہ دل پکڑ کر وہیں بیٹھ گئیں۔

"آ گئی پھر بدبخت، مشکل سے تو جان چھوٹتی ہے اس سے ہر دوسرے ہفتے آ پہنچتی ہے، سسرال والے بھی جان چھڑاتے ہیں اس سے، ہاتھ جوڑ کر کہتے ہوں گے جا بی بی چار دن ہمیں بھی سکون سے رہنے دے۔ میاں بھی پردیس کے مزے لوٹ رہا ہے ایک ہم ہیں جن کی اس کا بیاہ کر کے بھی جان نہیں چھوٹ رہی۔"

اپنے ان نادر خیالات کو اندر ہی دباتے ہوئے وہیں سے آواز لگائی اور اٹھتے ہوئے باہر کی راہ لی۔

"آ گئی بیٹا! ہنڈیا چڑھائی تھی اوپر چولہے پر وہ ہی دیکھ رہی تھی۔ تو بتا کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے۔ کیوں رو رہی ہے۔

احمد نے تو کچھ کہہ نہیں دیا، یا پھر تیری ساس نندوں نے؟

رضیہ نے شمسہ کو چارپائی پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

چھت پہ کپڑے پھیلاتی، سکینہ نے بھی منڈیر سے نیچے جھانکتے ہوئے آواز لگائی۔

"کیا ہو گیا.....؟"

"ہونا کیا ہے حاسدوں کی نظر کھا گئی مجھے تو۔ ایسی تیز نظریں، اللہ کسی دشمن کو بھی بچائے۔"

اس سے پہلے کہ سکینہ، شمسہ کے عتاب کا مزید شکار ہوتی رضیہ نے نانافٹ پانی کا گلاس شمسہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ غٹاغٹ پانی پینے لگی اور ساتھ میں ہی سر اٹھا کر سکینہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اس نے بھی "اونہہ" کر کے یعنی میری جانے بلا اپنی سری غائب کر لی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو پانی پت کا میدان ابھی لگ جانا تھا۔ بچے بھی سہمے کھڑے ہیں۔

"ہاں بتا نا ہوا کیا ہے؟ کس وجہ سے اتنی چراغ پا ہے؟" رضیہ نے دوبارہ موضوع پر آتے ہوئے پوچھا۔

اماں کیا بتاؤں۔ میرے ساتھ تو وہ حال ہوا ہے کہ چوروں کو پڑ گئے مور۔

اماں سارا زیور سسرال کا بھی اور ادھر کا بھی جو آپ نے ڈالا تھا سب اکٹھا کر کے پرس میں رکھ کر رکشے میں آ رہی تھی۔ کرایہ دینے کے لیے پیسے بھی پہلے ہی نکال لیے تھے، جب گھر قریب آیا تو رکشے سے اتر کر پیسے دیے بیگ لیا اور بچوں کو لے گھر آ گئی دروازے پر آ گئی، تو پرس یاد آیا بھاگم بھاگ واپس گلی کی نکڑ پر پہنچی تو رکشے والے کا نام و نشان تک نہ تھا۔

پتا نہیں خبیث کہاں دوڑ گیا۔

اور یہ کمینی اولاد، انہوں نے بھی میری زندگی عذاب کی ہوئی ہے سارے رستے شور مچاتے میرا دماغ کھاتے آئے ہیں۔ ہائے میں اپنی سسرال میں کیا کہوں گی؟"

شمسہ کو ایک بار پھر غصہ بچوں پر آنے لگا اور اپنے غصے کو کنٹرول نہ کرتے ہوئے اٹھ کر اپنے دونوں

چھوٹے بچوں کے گالوں پر ایک ایک تھپڑ جڑ دیا۔
وہ جو پہلے ہی رونے کو تیار بیٹھے تھے غبارے کی طرح پھٹ گئے اور بھاں بھاں کر کے رونے لگے۔
رضیہ نے دونوں [illegible] سے اپنا سینہ پیٹ لیا۔
"ہائے شمسہ، یہ تو نے [illegible] رو[illegible]"
اوپر چھت پر دیوار سے گی [illegible] سے جھوم اٹھی۔

"اچھا ہی ہوا شمسہ تیرے ساتھ تو، دوسروں کے ساتھ ہمیشہ برا کرتی ہے، تیرا بھی برا ہی ہوا۔" دل میں سوچتے ہوئے گنگناتے ہوئے کپڑے پھیلانے لگی۔

☆☆☆

شمسہ تھی تو اکلوتی بیٹی لیکن اپنے شر سے پورے گھر کو گنی کا ناچ نچائے رکھتی۔ دونوں بھائی اس سے

digest library.com

Scanned with CamScanner

بڑے تھے لیکن گھر میں چلتی اسی کی تھی۔

مجھے شروع ہی سے وہ اتنی پسند نہ تھی، دو گلیاں چھوڑ کر ہمارا گھر تھا لیکن اسکول ایک تھا جو سرکاری تھا۔ جماعت میں مجھے ٹاٹ پر ہماری کلاس لگا کرتی میں سب سے آگے بیٹھتی اور پھر پیچھے لڑکیوں کی ایک قطار ہوتی، ثمرہ کا نمبر سب سے آخری ہوتا انتہائی کی لیکن ہر وقت شرارتیں کرتی ہنستی رہتی۔

میں جو بھی اخبار میں لپیٹ کر، پراٹھے پر چنے ڈال کر اپنا ناشتہ لاتی تو فوراً پہنچ جاتی کھانے کے لیے، انتہائی بدتمیزی فطرت تھی۔ میں روکتے ہوئے بھی اس کو روک نہ پاتی۔ میں ذہین اور اپنی جماعت میں اول، دوم آنے والی لڑکی تھی۔ بالآخر اس کا حل نکال ہی لیا۔

میں آدھی چھٹی ہوتے ہی کسی دوسری جماعت میں جا کر چھپ کر اپنا لنچ ختم کر لیتی، اسی طرح پڑھائی بھی کرتی کیونکہ ثمرہ کو تنگ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں آتا تھا۔ اور جب آگے سے کوئی اور جواب نہ دینے والا ہوتا تو اور شیر ہو جاتی۔

شکر میں نے تب کیا جب پانچویں کے بعد ہمارے اسکول بدل گئے۔ میں نے اسے دیکھ کر اپنا اسکول اس سے مختلف ہی رکھا، حالانکہ وہ زیادہ دور تھا اور مجھے پیدل چل کر جانا پڑتا لیکن اس کی خاطر میں نے یہ بھی برداشت کر لیا، یوں ہمارے راستے ہی نہیں بدلے ہم دونوں بھی ایک دوسرے سے بالکل دور ہو گئیں پھر میں نے سکون کا سانس لیا۔

اس کی والدہ ماکثر ہمارے گھر آتی رہتیں، امی سے ان کی دوستی تھی ثمرہ کی کارستانیاں بتاتی رہتی کہ کیسے سارے گھر کو ستا رکھا تھا۔ میٹرک وہ کر نہ سکی اور تعلیم کو خیرباد کہہ دیا۔

☆☆☆

یونی ورسٹی کا آخری سال چل رہا تھا۔ اچانک ایک دوپہر ثمرہ اپنی امی کے ساتھ ہمارے گھر آئی۔

میں اسے دیکھ کر حیران رہ گئی ——

—— وہ انتہائی پیاری ہو گئی تھی۔ اس کے سامنے کا آدھا ٹوٹا دانت، جو ہنسنے پر نمایاں ہو جاتا جس پر وہ زبان کی نوک رکھ لیتی۔ بڑا اچھا لگ رہا تھا بھرے بھرے جسم کی، پُرکشش لڑکی جو صرف ہنسے جا رہی تھی۔

"یار، تمہیں کیا ہو گیا ہے، تمہیں تو لگتا ہے جیسے ہم صومالیہ سے پکڑ کر لائے ہیں قحط زدہ لگ رہی ہو تم۔" وہ یہ کہہ کر قہقہے مار کر ہنسنے لگی۔

میں جو ہونق زدہ ہو کر اسے دیکھے جا رہی تھی حواس باختہ ہو گئی اس کی رائے اپنے بارے میں سن کر شرمندگی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی شاید پڑھائی بھی مجھے وہ اعتماد نہ دے سکی جو ثمرہ کے پاس تھا۔

وہ اب ہر دوسرے دن میرے گھر آنے لگی، شوخ چنچل زندگی سے بھرپور باتیں ہوتی بات بات پر قہقہے۔

"تمہیں پتا ہے میں نے بھائی کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے۔ پر اماں کہتی ہیں کہ پہلے تمہیں رخصت کروں گی پھر بہو لاؤں گی۔ لیکن میرے والا ابھی نہیں مان رہا۔"

ثمرہ نے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے میرے سامنے بم پھوڑ دیا۔

میں اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہی تھی کہ اپنا معاشقہ، کس طرح کھلم کھلا میرے سامنے بیان کر رہی تھی۔ میں جو یونی ورسٹی میں زیرِ تعلیم تھی ایسے قصے دیکھتی رہتی تھی۔ لیکن دوستیاں بھی میری ایسی لڑکیوں سے تھی جو کتابی کیڑا تھیں۔ اس لیے ایسا کچھ ذہن میں آیا نہیں لیکن ثمرہ سے کچھ بعید نہیں تھا۔

"تم کدھر کھو گئی ہو؟ کوئی ہے تو تم بھی مجھے بتاؤ ذرا۔ میں آخر تمہاری بچپن کی دوست ہوں۔"

اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

شرم سے میرا چہرا تمتمانے لگا۔

"تم مجھے ایسا سمجھ بھی کیسے سکتی ہو؟"

اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

digest library.com

"ہاں، ہاں نہیں ہو تم ایسی ویسے تم جیسی سڑیل مزاج کو کون چھیڑ کر اپنی مصیبت آپ بلائے گا، شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہو تم چلو دفع کرو۔

بھائی کی تاریخ پکی ہو گئی ہے۔ اگلے ماہ شادی ہے اور میں نے اس کو بھی بلایا ہے۔ وہ اپنی بیگم کو ساتھ لائے گا، میں نے گھر میں اس کی بیگم کی تصویر دکھادی ہے یہ کہہ کر کہ وہ میری سہیلی ہے اور اس نے اپنی بیگم سے یہ کہا ہے کہ میرے دوست کی شادی ہے، اکیلا نہیں آسکتا تھا ناں۔

کتنی ذہین ہوں ناں میں؟"

"تم ایک شادی شدہ شخص سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہو، تمہیں شرم نہیں آتی۔"

میں اس کے ہنستے ہوئے چہرے کو گہرے دکھ سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا؟ بہت امیر ہے وہ اس نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔ یہ اس کی گہری محبت کا ثبوت ہے۔ یہ دیکھو اس نے مجھے سونے کی چین گفٹ کی ہے بہت کچھ دیتا رہتا ہے مجھے۔"

اس نے اپنی گردن میں پڑی ایک موٹی سی سونے کی چین دکھاتے ہوئے کہا۔

"اور گھر میں کیا بتاتی ہو؟" میں نے معصومیت سے پوچھا۔

اس نے کرسی سے اٹھ کر اپنے پاؤں میں چپل گھسیڑتے ہوئے کہا۔

"تم بہت سیدھی ہو، تعلیم بھی تمہیں کوئی عقل مت نہیں دے سکی۔

گھر والوں سے چھپانا بہت آسان ہوتا ہے۔ باہر والوں کو بے وقوف بنانا تھوڑا مشکل ہوتا ہے۔ سہیلیوں کے نام لگا دیتی ہوں۔ جیسے آج کل تم ہو۔ چلو اٹھو جلدی سے مجھے تھوڑے پیسے دو۔ مجھے لوڈ کروانا ہے جلدی ہی تمہیں دے دوں گی۔"

اس سے پہلے کہ میں اسے انکار کرتی اس نے میرے سامنے پڑے پرس سے چھ سو روپے نکالے اور یہ جا وہ جا۔

میں اس سے صرف جسمانی طور پر ہی نہیں بلکہ ذہنی طور پر بھی بہت پیچھے تھی۔ میں چاہنے کے باوجود بھی اسے روک نہ سکی، وہ آندھی طوفان بلکہ سیلاب کی طرح لگتی تھی، آتی اپنا مقصد پورا کرتی اور چلی جاتی۔

کبھی کبھی میرا دل کرتا اسے کھری کھری سناؤں اور اسے اپنے گھر سے نکال دوں لیکن تعلیم نے شاید مجھے بزدل بنا دیا تھا کہ میں کسی کی بے عزتی نہیں کر سکتی تھی دل نہیں دکھا سکتی تھی۔

☆☆☆

پھر وہی ہوا جو وہ چاہتی تھی اپنے سے پہلے بھائی کی شادی کروا ہی دی۔ میں اس کی پسند کو دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ واقعی اپنی بیگم کے ساتھ ولیمے والے دن آ گیا۔ اس کی بیوی بہت خوب صورت تھی نازک سی ڈارک گرین کلر کی ساڑھی میں ملبوس جس پر موتیوں اور ستاروں کا کام جگمگا رہا تھا۔ اس کے سامنے ثمرہ کچھ بھی نہیں تھی اس کی محبت بھی عام سی شکل و صورت کی تھی شاید محبت کا تعلق خوب صورتی سے نہیں ہوتا یہ میرے اپنے نادر خیالات تھے۔

ثمرہ نے مجھے موقع دیکھ کر اپنی محبت سے ملوادیا جب اس کی بیگم، کہیں باتھ روم گئی ہوئی تھی۔

"اس سے ملو شاہد یہ میری بچپن کی بیسٹ فرینڈ ہے۔ ایم ایس سی کر رہی ہے بتایا تھا ناں آپ کو۔ بس مجھے اپنے گھر والوں کی خاطر قربانیاں دینی پڑیں، اکلوتی تھی نا۔ اگر دو بہنیں بھی ہوتیں تو میں اس کی طرح آج یونی ورسٹی میں ہوتی۔"

اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ساتھ میں مجھے آنکھ بھی ماری۔

"پورا گھر میرے اوپر انحصار کرتا ہے۔" نہایت مسکینی لہجہ اپناتے ہوئے اس نے کہا۔

شاہد صاحب کو دولت نے خاص بنا دیا تھا ورنہ ثمرہ تو کسی عام غریب شخص کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتی۔

"ثمرہ، آپ کی طرح آپ کی دوست بھی



Scanned with CamScanner

بہت نائس ہیں، کبھی اپنے ساتھ انہیں بھی لائیں کسی وقت کھانے پر۔"

شاہد صاحب نے مجھے بڑے غور سے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے دعوت دی، جو مجھے بہت بری لگی۔

"ہاں ہاں ضرور اسے بھی آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ بھائی کی شادی میں آپ سے ملنے کا خواب اس کا پورا ہو گیا۔ ہے ناں؟"

میں جو ثمرہ کی چالاکیوں سے واقف تھی اس کے ان جھوٹ کے پلندوں سے کراہیت ہونے لگی اور میں نے اسی وقت ثمرہ سے دوبارہ سے تعلق توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے سے اسے بھی آگاہ کرنا ضروری تھا۔ سامنے سے اپنی بیگم کو آتے دیکھ کر شاہد صاحب فوراً کھسک گئے۔

"تم انتہائی جھوٹی اور مکار لڑکی ہو۔ بات بات پر جھوٹ، پتا ہی نہیں چلتا سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا؟ میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی، خبردار جو تم نے آج کے بعد میرے گھر میرے لیے قدم بھی رکھا تو۔"

میں نے سب حساب چکاتے ہوئے، اپنی تعلیم وتربیت کو ایک طرف رکھتے ہوئے منہ کھول ہی دیا۔ جو بہت ضروری تھا۔ اس نے مجھے ایسے مسکراتے ہوئے دیکھا جیسے کوئی ٹیچر بچے کی معصومانہ غلطی پر اسے دیکھتا ہے۔

☆☆☆

آخری سمسٹر کے ایگزام شروع ہو گئے تھے۔ زندگی کافی مصروف چل رہی تھی سر کھجانے کی فرصت نہیں مل رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے کہ ثمرہ کا رشتہ طے ہو گیا ہے؟" امی نے صبح ناشتا میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ہیں؟ کہاں؟"

"اس کے بھائی کے دوست کی طرف۔" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"کل تو مجھے رضیہ آپا نے بتایا ہے اور ثمرہ سے تمہاری کوئی ناراضی چل رہی ہے۔ تم نے خود تو مجھے بتایا تھا کہ وہ جھوٹ بہت بولتی ہے اس لیے تمہیں وہ پسند نہیں۔"

امی کی یادداشت حیران کن کام کر رہی تھی۔

"ہاں امی، اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ، تین رشتے آئے ہوئے ہیں۔ دفع کریں مجھے کیا۔"

میں نے چائے کا کپ ختم کرتے ہوئے جانے کی تیاری کی۔

یونی ورسٹی میں بھی یہی سوچتی رہی کہ ثمرہ خوش قسمت ٹھہری کہ اپنی محبت پا ہی لی۔

☆☆☆

اچانک ایک دن امی نے اطلاع دی کہ "خالہ اپنے بیٹے کے لیے تمہارے رشتے کا کہہ رہی ہیں۔ تمہیں تو پتا ہے دو ہی بیٹے ہیں ان کے۔ بڑا والا اپنی بیوی کو لے کر سعودیہ سدھار گیا ہے اب باجی دوسری بہو لانا چاہتی ہیں جو ان کے گھر کو سنبھال سکے۔"

امی نے بات کے ساتھ ساتھ اپنے سامنے پڑی میتھی سمیٹتے ہوئے کہا۔

"باریک باریک کاٹو، موٹی میتھی ہنڈیا میں بری لگتی ہے۔" امی نے اتنی اہم بات کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنی سبزی کا میرے ہاتھوں برا حال دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن امی، آپ کو پتا ہے نا کہ میں اتنی پڑھائی کے بعد کوئی نوکری کرنا چاہتی ہوں، پڑھائی ختم کی ہے تو اب بیاہ رچا کر کسی کا گھر سنبھال لوں۔ یہ تو کوئی بات نہیں۔" میں نے دکھے دل سے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نوکری کر کے پھر بیاہ ہی کرنا ہے نا پھر اتنی خواری کس لیے۔"

امی نے پیچھے سے آواز لگائی۔

☆☆☆

اگلے روز ہی ثمرہ چلی آئی۔ اسے دیکھ کر حیرانی



Scanned with CamScanner

ہوئی۔

"امی نے مجھے بتایا کہ تمہارا رشتہ ہو رہا ہے میں نے سوچا چلو چل کر کوئی خبر ہی لے لوں، تم تو ہو ہی بدذوق بے وفا، کبھی پلٹ کر نہیں دیکھتیں، جب بھی ملتی ہوں اپنی کوشش سے خود ہی تم سے ملتی ہوں۔"

اس نے مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کی۔

"حد ہے تمہارے جھوٹ کی بھی، ہر بات میں تو تم نے جھوٹ کی ملاوٹ کی ہوئی ہے۔ اس دن وہ شاہد جس کے دیکھنے کا انداز ہی برا تھا اس سے بھی تم نے اپنے بارے میں جھوٹ بولا ہوا ہے۔"

"چھوڑو اسے۔" ثمرہ نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس کمینے شخص کو میں نے شادی کے لیے کہا تو کہنے لگا کہ میرا اوپر سیٹ ہوا ہے خاندان میں، اگر میں نے تم سے شادی کی تو میرے ساتھ میری بہن کا گھر بھی تباہ ہو جائے گا، محبت کے لیے ضروری نہیں کہ ہم شادی کریں۔ ادھر ایک رشتہ بھی آیا ہوا ہے، بھائی کی شادی میں کوئی فیملی آئی ہوئی تھی تو ان کا بیٹا دل و جان سے میرے پر فریفتہ ہو گیا۔

بس ایک عشق ختم کرنے کے لیے دوسرا عشق بھی ضروری ہوتا ہے نا۔

تو میں نے پہلا باب ختم کر لیا ہے اور حامد صاحب کو ہاں کر دی ہے۔ اگلے ماہ شادی ہے، اور سب شاپنگ میری مرضی سے ہو رہی ہے۔"

اس نے فریج کھول کر مالٹے نکالتے ہوئے کہا۔

"تم نے کھانے کے لیے کچھ دینا نہیں میں خود ہی نکال کر کھا لوں۔"

"کیا لڑکی ہو تم، کسی بات کی ٹینشن نہیں لیتیں بلکہ دیتی ہو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

☆☆☆

ریڈ کلر کے لہنگے میں ثمرہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی اس کا میاں حامد وہ بھی پیارا لگ رہا تھا البتہ امارت سارا مسلسل ہنسے جا رہا تھا لگ رہا تھا کہ وہ بہت خوش ہے آج سب نے انہیں دعاؤں سے رخصت کر دیا۔

کبھی کبھار اس کا فون آ جاتا، جس میں اس کی حامد کی باتوں کے علاوہ کوئی بات نہ ہوتی۔ کبھی اپنے دیور احمد کا بھی ذکر کرتی کہ وہ میرا بڑا خیال کرتا ہے نوکری کرتا ہے بڑی کمپنی میں، ساس صاحبہ اکثر چڑی رہتی ہیں کہ دونوں بیٹے، ماں کے بجائے میرے کہنے سننے میں زیادہ ہے۔" لیکن شاید خوشیوں کے دن مختصر ہو رہے تھے۔

☆☆☆

آخر وہ ہی ہوا۔ جو میرے ماں باپ نے چاہا وہ کر ہی لیا یعنی رشتہ پکا کرنے کے ساتھ ساتھ آناً فاناً شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دی۔ میرے جذبات، خیالات کی چڑیاں پھر نہیں گئیں۔

میری زندگی کتنی سادہ سی تھی "ملا کی دوڑ مسجد تک والی۔" یونی ورسٹی سے نکلی تو سسرال جا پہنچی۔ اپنے خیالات صرف اپنے تک ہی محدود تھے، کبھی کوئی ایسی سہیلی بنائی ہی نہیں جو اتنی قریب ہو کہ دل چاہے کہ اس پر سب آشکار کر دوں۔

وقت کم تھا اور کام زیادہ اس لیے اکثر امی کے ساتھ بازار جانا پڑ جاتا۔ اگر کوئی میری بہن ہوتی تو شاید میری زندگی زیادہ سہل ہوتی۔

شاید میری آنکھوں نے دھوکا کھایا تھا۔ سامنے رکشہ چلانے والا شخص "حامد" تھا ثمرہ کا شوہر۔ اس سے پہلے کہ میں، اس سے سلام دعا کرتی ثمرہ کا حال احوال پوچھتی وہ فوراً اڑن چھو ہو گیا۔

"امی یہ حامد تھا ناں؟"

میں نے گردن موڑ کر امی سے سوال کیا جو مجھ سے دو قدم پیچھے تھیں۔

"ہاں لگا تو مجھے بھی وہ ہی لگا۔"

"وہ تو کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازمت کرتا ہے یہاں کہاں۔" میں پوچھوں گی ثمرہ سے فون کر کے، لیکن اس نے

کون سا مجھے سچ بتا دیتا ہے۔ امی، مجھے تو کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے ثمرہ ہماری فیملی کا سب سن کر ہمیں بتاتی رہتی ہے شاید وہ ہم سے متاثر ہے۔"

پھر میں نے ثمرہ کو فون کر ہی لیا۔

"ثمرہ! آج میں نے تمہارے شوہر کو رکشہ چلاتے دیکھا۔"

"رکشہ، تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، ہوگا کوئی حامد سے ملتا جلتا۔ میں تمہیں بعد میں کال کرتی ہوں ابھی میں ہنڈیا پکا رہی ہوں۔"

ثمرہ نے جلدی سے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

"ثمرہ اور ہنڈیا؟"

میں تو کبھی کچن میں گئی نہیں۔ اور آج کہہ رہی ہے کہ ہنڈیا بنا رہی ہوں، واہ رے واہ ثمرہ کیا بنے گا تیرا۔"

☆☆☆

"اللہ کرے ایسا نہ ہو۔" میں نے سچے دل سے کہا۔

تب ہی امی گھر میں داخل ہوئیں، میں دوڑ کر ان کے پاس پہنچی کہ پتا چل سکے کہ کیا واقعی یہ خبر سچی ہے؟ ثمرہ کے شوہر حامد کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔

"وجہ صرف فوڈ پوائزننگ بنی۔ گھر میں بنے چاول کھائے اس کے بعد اس نے دودھ سوڈا پی لیا۔ بہانہ ہی بنا، الٹیاں شروع ہوئیں تو گھر والے اسپتال لے گئے لیکن جانبر نہ ہو سکا۔" امی نے چادر اتارتے ہوئے مجھے تفصیل سے آگاہ کیا۔

ہائے، میں تو دل پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کیا بنے گا ثمرہ کا، اتنی جوان جہان موت، وہ تو کبھی ثمرہ کو اپنے گھر نہیں رہنے دیتا تھا۔ اس کی چاہتوں کے قصے سنے تھے میں نے، اگر وہ آ بھی جاتی تو اس کے انتظار میں باہر دروازے پر بیٹھا رہتا۔

"امی، چلیں ان کے گھر۔" میری آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

"بیٹا! ان کے گھر میں کوئی نہیں ہے۔ ہمیں ثمرہ کی سسرال کے گھر کا پتا نہیں ہے، وہ اپنے گھر واپس آئیں گے تو ہم چلیں گے۔"

پھر میں پانچویں دن ہی ان کے گھر جا سکی۔

نیچے کا پورشن ساس سسر دیور رہتے تھے اور اوپر کا پورشن ثمرہ کے پاس تھا، ڈیڑھ سال گزرنے کے باوجود اس کے بیڈ کے اردگرد چمکیلی لڑیاں لگی ہوئی تھی اور بیڈ کے سامنے ویلکم ثمرہ لکھا ہوا تھا۔

"مجھے محبت راس نہیں آتی دیکھو میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

ثمرہ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اتنے میں اس کا دیور احمد چائے کی ٹرے لے آیا اس کی نگاہوں میں کچھ تھا جو مجھے بڑا عجیب لگا۔

"بھابھی! کچھ اور تو نہیں چاہیے۔" اس کی مرکز نگاہ ثمرہ ہی تھی۔

"نہیں احمد! بس شکریہ۔"

"کچھ چاہیے ہوگا تو مجھے مس کال کر دیجیے گا۔"

"بہت اچھا ہے میرا بڑا خیال کرتا ہے۔ یہ بھی حامد سے بہت پیار کرتا تھا۔ بس ہمارا دکھ سانجھا ہے۔"

مجھے عجیب سا تعلق محسوس ہوا ان دونوں کا، اتنی بے تکلفی، ثمرہ سے کچھ بعید نہ تھا ہمیشہ کی طرح تھوڑی دیر بعد امی نے مجھے واپسی کے لیے اوپر بلاوا دے بھیجا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے، میری نظر ان کے پچھلے صحن پر پڑی وہاں ایک رکشہ کھڑا ہوا تھا۔ مجھے بازار میں رکشے میں بیٹھا "حامد" یاد آ گیا۔ وہ سب سچ تھا حامد رکشہ چلاتا تھا۔ اور شاید "احمد" نوکری کرتا تھا ثمرہ میری طرح اس سے بھی شاید متاثر تھی، ایک قصہ تمام ہوا تھا۔ ایک شخص اپنی شدتوں سمیت قبر میں جا سویا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ثمرہ نے سب جھوٹ بولا ہو۔ لیکن دیوار پر لکھے ویلکم اور سیج اس کی محبت کا ثبوت تھے۔

☆☆☆

زندگی چلتی رہتی ہے، کسی کے جانے سے اسے



Scanned with CamScanner

digest library.com

کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی کے آنے سے ضرور فرق پڑتا ہے۔

خالہ کے بیٹے تاقب سے امی نے شادی کے لیے جو فیصلہ لیا بہتر تھا۔ میں نے بھی ان کا مان رکھا۔ ثاقب ایک بہترین شوہر تھے، خالہ نے گھر بستی سب میرے حوالے کر دیا۔ خدا نے آتے ہی خوشی سے نواز دیا۔ اوپر والا اپنی رحمتیں برکتیں دیے جا رہا تھا شاید یہ سب نیتوں کا بھی کمال ہوتا ہے۔

کافی عرصے بعد امی کے گھر چکر لگا۔

"امی، ثمرہ کا کیا بنا؟ شکر ہے کوئی اولاد نہیں تھی ورنہ کافی مشکل ہوتی۔" مجھے ایک دن بیٹھے بیٹھے خیال آیا تو میں نے امی کو اسپیشل فون کر کے پوچھا۔

"اس نے عدت کر کے فوراً اپنے دیور سے بیاہ کرلیا تھا۔ گھر میں لڑائی ڈالی ہوئی تھی کہ پہلے میرا نکاح ہوگا پھر دوسرے بھائی کی شادی ہوگی۔

بے چاری ماں کو تگنی کا ناچ نچوا دیا، بیٹے نے بھائی کی سالی پسند کرلی ثمرہ نے اپنے مفاد کے لیے بھائی کا پوری طرح ساتھ دیا۔

اب ثمرہ پھر بیاہ کے اپنی سسرال چلی گئی ہے۔

ساس نے بہتیرا کوشش کی کہ دوبارہ اسے بہو نہ بنائے لیکن بیٹے نے خودکشی کی دھمکی دی تو ناچار بے چاری کو ہار ماننا پڑی۔ ایک تو چلا گیا تھا ورنہ دوسری بار ایسا دکھ اٹھانا ممکن نہ تھا۔ کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔

ادھر میکے میں دو بہنیں آ گئی ہیں بیاہ کر کے۔

اب آپس میں تو بڑی صلاح ہے دو بہنوں کی وجہ سے بھائیوں کی بھی آپس میں بنی ہوئی ہے لیکن ساس سے ایک کی بگڑتی ہے تو دونوں بائیکاٹ کر دیتی ہیں۔

اس لیے رضیہ بے چاری کو دونوں کی جی حضوری کرنی پڑتی ہے۔ سب کو بے چاری کہتی رہتی ہے کہ کبھی دو بہنوں کو بہو مت بنانا۔

امی نے تو مجھے پورے سال کی خبریں ایک ساتھ سنا دی تھیں۔

"ہائے اللہ امی، اتنا کچھ ہو گیا مجھے کوئی خبر نہیں ہوئی۔" میں نے گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بس بیٹا، جوڑوں کی وجہ سے میرا کم ہی آنا جانا ہوتا ہے رضیہ کی طرف، وہ بھی کم ہی آتی ہے اب، جب سے بہویں بیاہ کرآئی ہیں اس کا باہر نکلنا مشکل ہو گیا ہے۔

پہلے ثمرہ نے ناکوں چنے چبوائے رکھے اب بہوؤں کے ہاتھوں خوار ہو رہی ہے، سچ ہے جوانی گزر جاتی ہے لیکن بڑھاپا گزارنا مشکل ہوتا ہے۔

"اچھی اولاد ایک بہت بڑی نعمت ہے۔" امی نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اچھا امی، آپ آرام کریں میں شام کو آپ سے بات کروں گی۔"

فون رکھ کر میں سوچنے لگی کہ نیکی اور کی ہوئی برائی پلٹ کر آتی ہے۔ برا کرنا بہت آسان ہے اور بھرنا بہت مشکل۔ اردو میں پڑھی ہوئی کہانیوں کے اینڈ میں لکھے ہوئے فقرے یاد آنے لگے ہر کہانی کے آخر میں ایک لفظ لکھا ہوتا تھا "نتیجہ" اور کچھ نتیجے ثمرہ کے اوپر موزوں لگنے لگے، کر بھلا ہو بھلا، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆

شادی کے دو سال بعد ابا چپ چاپ قبر میں جا سوئے۔ اتنی خاموشی سے بھی کوئی جاتا ہے کہ گویا خواب لگے۔

ایک رات چپکے سے سوئے اور اگلی صبح نہ دیکھ سکے۔ گھر تو پہلے ہی خالی سا تھا۔ اور سنا تا ہو گیا میں

digest.library.com

بچوں کو لے کر چلی جاتی تو گھر میں کچھ رونق ہوتی۔
خالہ نے بہتیرا زور لگایا کہ اب یہاں کیا رکھا ہے ہمارے ساتھ چلو، سب کے ساتھ دل بہلا رہے گا۔
لیکن امی ماننے کو تیار نہ ہوئیں گھر سے جڑی یادیں شاید زیادہ مضبوط تھیں جن کو چھوڑنے کو وہ تیار نہ تھیں۔ اب خالہ کا ہے بگاہے خود چکر لگا لیتیں اور مجھے بھی ایک دن کی اجازت مل جاتی، مہینے میں امی کے پاس رہنے کے لیے۔ ایک دن شمسہ اپنے چاروں بچوں کے ساتھ ابا جی کا افسوس کرنے چلی آئی۔
"بہت افسوس ہوا مجھے سن کر، ادھر آئی تھیں تھی کل آئی ہوں تو پتا چلا انکل کا، اور تم کیسی ہو، ٹھیک ہوں۔ بچے اور تمہارا میاں سب کیسے ہیں؟"
ایک سانس میں اس نے کئی سوال کر ڈالے۔
"ہم سب ٹھیک ہیں، بس ابا جی کا وقت ہمارے ساتھ اتنا ہی تھا۔" میں نے مختصر جواب دیتے ہوئے کہا۔
امی نے چائے بنا کر شمسہ کے سامنے رکھ دی۔
"تمہارے بچوں کو میں نے فروٹ کاٹ کر دیا ہے وہ باہر بیٹھے کھا رہے ہیں۔
اور تم سناؤ سسرال میاں سب راضی ہیں۔
"بس آنٹی، گزارا ہی ہے، حامد چلا گیا تو اپنے ساتھ میری سب خوشیاں لے گیا۔ چار دن ادھر میکے میں رہی تھی تو بھابی نے مجھی کا ناچ نچا دیا تھا پھر مجھے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا پڑا۔ لیکن کب تک بھائیوں کے آسرے پر پڑی رہتی۔
بھابی صاحبہ اپنی بہن بھی دیورانی بنا کر لے آئی ہیں۔ میری ماں اب ان کو پکا پکا کر کھلاتی ہے۔ میکے کے کھپڑ کھانے سے بہتر ہے سسرال کی جوتی کھا لو، اسی لیے احمد کو ہاں کر کے نکاح کر لیا۔ دیکھا بھالا تھا۔ اسی گھر میں حامد کی یادیں بھی بہت تھیں۔ اس لیے چھوڑا نہیں گیا۔
شادی کے ڈیڑھ سال بعد ہی کمپنی نے احمد کو باہر بھیج دیا ہے۔ پچھلے ایک سال سے وہ وہیں ہے، اب وہاں اسے کوئی اور پسند آ گئی ہے۔ اس سے شادی کرنے کے چکر میں ہے۔ نہ میں اسے روک سکتی ہوں اور نہ روکوں گی، کیونکہ اگر اس نے رکنا ہوتا تو دل میں کھوٹ ہی کیوں آتا۔ خرچہ بھیج دیتا ہے۔
بس گزارا کر رہی ہوں۔ دو دن پہلے ہمارے گھر چوری ہو گئی چور نچلے پورشن سے سب مال زیور چرا کر لے گئے۔
اگلی صبح میں نے سسرال والوں سے چھپا کر سب زیور بیگ میں ڈالے اور ادھر آ گئی لیکن میری بری قسمت کہ بیگ رکشے میں رہ گیا اور رکشے والا بھاگ گیا۔ سسرال والے تو انجان ہیں اس خبر سے، وہ سمجھتے ہیں کہ شمسہ کے بھی زیور چور لے گئے ہیں۔ میں نے ہی ان سے جھوٹ بولا کہ اوپر کے پورشن میں بھی چوری ہوئی ہے، میرا جھوٹ میرے سامنے آ گیا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ احمد بدل رہا ہے میں آنے والا وقت نہ جانے کیسا ہو۔ مستقبل کے لیے محفوظ کر لوں لیکن میں تو آسمان سے گری کھجور میں اٹکی والی مثال بن گئی ہوں۔ نجانے آگے میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔"
یہ کہہ کر شمسہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی۔
"اللہ بہتر کرے گا، تم اپنی نیت اور سوچ صاف رکھو۔ خدا نے تمہیں دو بیٹیوں سے نوازا ہے اب تم ان کا سوچو۔"
"بس اب ان کی تو فکر ہے مجھے بس کچھ عادتیں ہیں جو گھٹی میں پڑی ہیں۔ لیکن میں نے اپنی بچیوں کو شمسہ نہیں بننے دینا، انہیں میں نے اس طرح بنانا ہے۔" اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
میں مسکرا دی اور شمسہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
"جیت ہمیشہ سچ کی ہوتی ہے رات جتنا مرضی کٹھن کیوں نہ ہو، رات جتنی مرضی طویل ہو، صبح کا اجالا سب کو منور کر دیتا ہے۔ اور یہ بچے —— اب تمہاری زندگی کا اجالا ہیں۔"
شمسہ ہنستے ہوئے سر ہلانے لگی۔

☆☆



Scanned with CamScanner

عقیلہ ہاشمی

# بوبے کی دلہنیا

بالٹی میں گرتی پانی کی دھار اس بار سیدھی اس کے دل پر گری تھی۔ دل گویا اچھل کر سینے کی دیوار سے باہر آ گیا ہو۔ چائے کا پانی چولہے پر چڑھاتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے کھڑکی کے پار دیکھا۔

ٹونٹی کے پاس کھڑا پانی بھرتے ہوئے وہ بھی اسی اشتیاق سے [illegible] کی طرف دیکھ رہا تھا، ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں [illegible] ار ہوئیں اور فوراً زمین بوس ہو گئیں۔ اتنی ہمت [illegible] کی [illegible] میں ان نظروں کا سامنا کر پاتی۔

سارے دن میں یہ سب سے [illegible] پل [illegible] تھے جب وہ خالی بالٹی بھرنے کچن کے پچھواڑے [illegible] اس ٹونٹی پر آن کھڑا ہوتا۔

اسے لگتا زندگی کا اس سے حسین کوئی اور پل ہو ہی نہیں سکتا۔ جب وہ کھلی کھڑکی سے نظر بھر کر اسے دیکھ سکتا تھا، محبت کا ایک امرت لٹاتا اس کا رنگ روپ ایک ہی پل میں اس کی زندگی کی ساری تلخیاں بہا لے جاتا۔ وہ ڈری سہمی لڑکی جب گھبرا کر اس کی طرف دیکھتی تو لگتا، ہر طرف زندگی کے رنگ بکھیر گئی ہو۔

اسے دیکھنے میں وہ اس قدر مگن ہو جاتا کہ پتا بھی نہ چلتا کب بالٹی پانی سے لبالب بھر جاتی تب وہ گھبرائی ہوئی کھلی کھڑکی کے پاس آ کر ٹونٹی بند کرنے کا اشارہ کرتی تو وہ جھینپ کر بالوں میں ہاتھ پھیرتا ٹونٹی بند کرنے کے لیے جھک جاتا۔

☆☆☆

"اماں! بوبے کے لیے تو میں نے ایسا رشتہ ڈھونڈا ہے کہ آپ سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔"

اماں کے گھر آتے ان کا فیورٹ موضوع اکلوتے بھائی بوبے کا رشتہ ہوتا۔ آج بھی بیٹھتے ہی ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فوراً وہی موضوع چھڑ گیا۔

"ہیں...... بوبے کا رشتہ؟"

اس کی بات سنتے اماں کے بجائے قریب بیٹھی چھوٹی بہن منھی بول پڑی۔

"تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ گھر میں جوان جہان بہن بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہے اور تو ماں کو بھائی کے رشتے کے مشورے دینے چلی آئی ہے۔"

منھی اور بے بی دونوں کچھ دیر پہلے ہی میکے آئی تھیں اور آتے ہی بوبے کے رشتے کو لے کر [illegible] کے درمیان گرما گرمی شروع ہو گئی۔

"[illegible] تو [illegible] کہنے آئی تھی کہ گوخالہ سے کہہ کر جلدی سوہنا کی [illegible] کا کوئی انتظام کریں لیکن تو تو انہیں مجھے سیدھے مشورے [illegible]"

منھی کہنے کو اس سے [illegible] سب میں سمجھ دار، سوہنا کی بڑھتی عمر پر سب سے زیادہ وہ پریشان ہوتی تھی اس کی عمر کی لڑکیاں کب سے شادی ہو کر سسرال جا چکی تھیں اس بات کی اسے سب سے زیادہ ٹینشن تھی جب بھی میکے آتی ماں کو سوہنا کے رشتے کی تاکید کرنا نہ بھولتی۔

"چھوڑو...... تم دونوں تو آپس میں ہی لڑنے لگ گئی ہو۔ ہو جائے گی سوہنا کی بھی اور بوبے کی بھی شادی۔ پہلے کچھ کھا پی تو لو۔ لی سوہنا جلدی کر ابھی تک تیری چائے نہیں بنی۔"

بیٹیاں گھر آئی تھیں تو اس کا موڈ آج خوش گوار تھا دونوں کو چپ کرنے کا کہہ کر کچن میں کام کرتی



digestlibrary.com
Scanned with CamScanner

ناولٹ

digest library.com

Scanned with CamScanner

digest.library.com

مونا کو آواز دی۔

"اتنی دیر میں تو پاوے بھی گل جاتے ہیں جتنی دیر میں تیری چاہ بن کے آتی ہے، بندہ ملتان کی گاڑی پکڑ لے۔"

بسکٹ کے پیکٹ کھولتے ہوئے وہ خود ہی مسکرا دی۔

"چل جی نا ہووے تے...... ہر کم اتنا آرام آرام سے کرتی ہے۔ کہ بس نہ ہی پوچھو۔"

اماں کی باتوں کا رخ ان کی باتوں سے مڑ کر اب مونا پر جا لگا تھا۔

"اسی لیے تو نصیب بھی اتنے ٹھنڈے ہیں جہاں کہیں رشتے کی بات چلاؤ۔ اگلے خود ہی کہیں اور چل پڑتے ہیں۔"

بڑی بہن ہونے کے ناتے بے بی کو بھی مونا کے رشتے کے سلسلے میں ہر محاذ پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اب پچھلے ایک گھنٹے سے چائے کا انتظار کرتے اس کی ہمی کے ساتھ تیغ کلامی ہوئی تھی اور کھانا بننے تک تو ہوسکتا ہے دونوں دست و گریبان ہو جاتیں۔

"نصیب ٹھنڈے ہیں پر چاہ بڑی اچھی بناتی ہے۔ ملائی مار کے۔ وسیم تو کہتا ہے تم ساری بہنوں میں صرف مونا کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔"

ایک ننھی ہی تھی جسے مونا کے اندر ہر خوبی نظر آتی تھی پھر پتا نہیں دوسرے لوگ ہر وقت اسے طعنوں کی لپیٹ میں کیوں گھیرے رکھتے تھے۔ اب بھی اسے چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں آتا دیکھ کر اس نے پوری خوش دلی سے اس کے بارے میں اپنے شوہر کی رائے بتائی تھی۔

"تو بھی گرم گرم چاہ کے ساتھ بسکٹ بھی کھاؤ۔"

اس نے بسکٹ کی پلیٹ بہنوں کے آگے کی۔

"اور مونا تو کر چاہ پی کے جلدی سے پلاؤ کی تیاری شروع کر دے۔ ابھی تیاری کرے گی تو شام تک پلاؤ بن کر تیار ہو گا نا۔"

ابھی اس نے چائے کے کپ بہنوں کے آگے رکھے تھے کہ اماں کی طرف سے اگلے کام کی لسٹ جاری ہوئی تھی، وہ خالی ٹرے لے کر چپ چاپ کچن کی طرف چل دی کہ پورے گھر میں وہی اس کی محفوظ پناہ گاہ تھی۔

گھر میں آئے مہمان کے سامنے صرف چائے کھانا رکھ کر وہ خود ہی وہاں سے کھسک جاتی۔ وہ جانتی تھی ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا بڑا حصہ اسی کے گرد گھومتا تھا۔ ہر موڑ پر طنز اور طعنوں کے تیر برساتے یا اس کے اپنے ہی تھے جن کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے وہ بقول سب کے ابھی تک گھر میں بیٹھی ان کے سینوں پر مونگ دل رہی تھی۔

☆☆☆

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

اسے ٹکٹکی باندھے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ تھوڑا شرما کر بولی۔

"دیکھ رہا ہوں، تم میرے گھر میں چلتی پھرتی کیسی لگو گی"۔ محبت بھری مخمور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ایک دم سے وقت کی کمانوں پر ہاتھ رکھ کر آنے والے وقت کا تصور کیا۔

"جب تم روز صبح پیار سے مجھے جگایا کرو گی دیکھو جی آٹھ گئے ہیں اٹھ بھی جائیں نہیں تو دفتر سے لیٹ ہو جائیں گے۔"

آنے والے وقت کا خیال ہی اس کے اندر نئی انرجی بھر گیا تھا جب ان کے درمیان کوئی ظالم سماج نہ ہوگا وہ ہوگا اور اس کی بلی۔

"ہاں اور اس سے پہلے تمہاری امی ڈنڈا لے کر مجھے جگا دیا کرے گی جیسے ہر روز تمہیں جگایا جاتا ہے۔"

اسے جگانے کا منظر بلی کے ساتھ ساتھ پورے محلے نے سن رکھا تھا۔ کبھی امی جب جوتا لے کر اسے بستر سے نکالتیں تو کوئی کان ایسا نہ تھا جہاں تک ان کی آواز نہ جاتی۔

"وے لٹ جیا، اٹھ وی جا۔ دوپہر سر پہ چڑھ آئی۔ میری تے قسمت ہی خراب ہے جیسا پیو ویسا پتر۔"

اس کی امی کی ٹون تو یہی تھی لیکن اسے دوسروں کے سامنے تو سب اچھا ہے کا بورڈ ہی لگانا تھا۔ جھٹ



Scanned with CamScanner

digest library.com

سے بول پڑا۔

"نہیں......نہیں۔ میری امی تمہیں کچھ نہیں کہے گی ایک ہی ایک اس کی بہو ہوگی، دیکھ لینا وہ تو تمہیں بیڈ سے نیچے پیر نہیں اتارنے دے گی۔"

اس کی بات پر بلی کو کیسے یقین آ سکتا تھا، حیرت سے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"رہنے دو، اب اتنا بھی جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری امی تو مجھے دیکھتی ایسے ہے جیسے بھینس قصائی کو دیکھتی ہے۔ اگر اس گھر میں تم نہ ہو تو میں اس طرف منہ بھی نہ کروں۔"

اس سے ملتے اسے چھ مہینے ہو گئے تھے لیکن ان چھ مہینوں میں وہ جان گئی تھی کہ کتنی آنٹی اپنے اکلوتے بیٹے کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ کو پھوڑنے کے درپے رہتی ہے۔

"مجھے بہو بنانا تو دور، وہ تو میرا سایہ بھی تم پر نہ پڑنے دے۔"

اس کی ماں کی طرف سے اسے کوئی غلط فہمی نہ تھی وہ جب جب اس کے گھر جاتی وہ کھڑے کھڑے اسے وہاں سے چلتا کر دیتی۔ اتنی باتیں تو وہ اس سے گھر سے باہر ہی کر سکتی تھی۔ اس وقت بھی وہ دفتر سے نکلتے قریبی پارک میں بیٹھ گئے تھے۔

"اچھا اب ایسی بھی بدگمانی کی ضرورت نہیں۔ میری امی اوپر سے جتنی سخت ہیں نا، اندر سے اتنی ہی نرم ہیں۔ یہ تو حالات کی بے رحمی نے انہیں ایسا کر دیا ہے کچھ حالات نے اور کچھ میرے ابو کی بے حسی نے۔ ساری زندگی مردوں کی طرح سارے کام کیے ہیں امی نے"

وہ بیٹا تھا، جانتا تھا عورت کو جب شوہر کے حصے کے کام بھی پورے کرنے پڑ جائیں تو وہ پتھر ہو جاتی ہے۔

"اچھا چلو چھوڑو۔ تم یہ بتاؤ آج کیا پکاؤ گی دیکھو اگر بریانی بناؤ نا تو میرا حصہ ضرور لے کر آنا نہیں تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

اس نے کچھ ایسی لگاوٹ سے فرمائش کی کہ اس کا دل چاہا ابھی جائے اور دوڑ کر اس کے لیے بریانی بنا لائے۔

"لیکن ایک شرط پر؟"

بینچ سے اٹھتے ہوئے اب اسے ستانا بھی ضروری تھا۔

"میں جس دن بھی بریانی بناؤں گی، اس دن پہلے تم مجھے کال کرو گے پھر میں تمہارا حصہ لے کر آؤں گی"

"مروانا ہے کیا؟"

وہ گھر میں اس سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ ماں کے کان ہر وقت ریڈار بنے اس پر فوکس رہتے تھے۔

"ہاں۔ میسج ضرور کر دوں گا۔۔۔ میسج سے کام چلے گا نا۔"

بائیک اسٹارٹ کر کے وہ کچھ اس انداز میں بولا کہ وہ بھی جان سے اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

"چلے گا نہیں بابا.....دوڑے گا۔"

☆☆☆

کرامت بی بی کا چھ کوارٹروں کا یہ گھر اس کی کل جائیداد تھا۔ ان کوارٹروں سے آنے والی آمدنی سے اس نے بچوں کو پڑھایا لکھایا تھا۔ بڑی دونوں بیٹیوں کی شادیاں بھی انہیں کوارٹروں سے آنے والے پیسوں کی کمیٹیاں ڈال کر بڑے اچھے سے کی تھیں۔

بے بی اور تمی کے رشتے کرتے ہوئے کچھ ککو سے اس کی دوستی بھی کام آ گئی تھی۔ اس نے بڑے اچھے گھروں میں ان دونوں کے رشتے کروا دیے تھے۔ دونوں اپنے گھروں میں راج کر رہی تھیں۔

ان سے چھوٹی مونا تھی جو جاڑے کی رت میں اس کے گھر جاڑے جیسا نصیب لے کر آئی تھی۔ وہ اکثر کہتی۔

"مونا کی قسمت تو برف سے بھی زیادہ ٹھنڈی ہے۔"

پھر کسی نے بتایا بچی کا نام بدل دو۔ ناموں کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ اس سیانے بندے کے کہنے پر مونا کا نام فاطمہ رکھا گیا لیکن چار دن اسے فاطمہ کہہ کر جلد ہی سارے مونا پر لوٹ آئے۔

مونا کے رشتے کی بات جہاں کہیں چلتی بھی



Scanned with CamScanner

digest library.com

تو زنہ چڑھ پائی تھی۔ گو بھی حیران تھی، اس سے پہلے وہ کئی رشتے کروا چکی تھی۔

یہ ساری فکریں ایک اکیلی اس کی جان کو تھیں، معراج دین نے شروع سے کسی چیز کی کوئی ٹینشن نہ لی تھی۔ سارا دن نشہ کر کے پڑا رہتا۔ ذرا آنکھیں کھلتیں تو روٹی مانگ لیتا۔

سارے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی گڈا ماں منہ زور اتاپ لڑکی تھی۔ وہ گھر کے کسی بندے کے قابو میں نہ تھی۔ وہ اپنے فیصلے خود کرتی تھی۔ گلی کو اس کی شادی کی کوئی فکر نہ تھی جانتی تھی وہ شادی بھی اپنی مرضی سے کرے گی، ہاں بجلی کو لے کر اسے بوبے کی فکر ضرور لگ گئی تھی۔

☆☆☆

"مجال ہے جو کوئی ایک بھی ڈیوڑھی میں جھاڑو دیتی ہو۔ ساری کی ساری کم چور اکٹھی ہوئی ہیں یہاں۔ جس کا جہاں جی چاہتا ہے کوڑا پھینک دیتی ہے۔"

وہ بھن بھناتی گندی ڈیوڑھی کو دیکھ کر کڑھ رہی تھی۔

"سچ ہی کہا ہے کسی نے سانجھے کام کی پوری نہیں پڑتی۔"

سر نفی میں جھٹکتے جیسے وہ خود کو سمجھاتی بولی۔

"ایک یہ ذرا سی جگہ سب کے حصے میں آتی ہے۔ بندہ اپنے اپنے کوارٹر کی صفائی کر کے یہاں بھی تھوڑا سا پانی مار دیتا ہے پر نہیں۔ کُش پڑ جاتا ہے کسی ہو کا کام کرتے۔ سانجھا رستہ ہے سب کا۔"

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ سارے کوارٹروں میں بآسانی سنی جا سکتی تھی لیکن اسے جواب دینے کی حماقت کسی میں نہ تھی۔

"بی نازیہ! اندر کی صفائی کر کے ڈیوڑھی میں بھی جھاڑو لگا دیں۔"

اسے پتا تھا بیچے بعد بھی ڈیوڑھی میں جھاڑو وہی لگوائے گی۔

"گلی آنٹی! ایک آپ کے دل میں صفائی کا ابال اٹھتا ہے باقی سب تو یہاں بے کار پڑی کھیاں مارتی رہتی ہیں۔" نازیہ چڑ گئی اس کا پہلا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ اس نے نیا کام بتا دیا تھا۔

"تو بھی رج کے کم چور ہے۔ ذرا سا کام کیا تو تیری موت پڑ جاتی ہے تجھے۔ وہ کھیاں مارتی ہیں تو تو مچھر مارتی ہے، تجھے بھی کوئی کام نہیں۔"

وہ ابھی نازیہ سے دو دو ہاتھ کر رہی تھی کہ کھلے دروازے سے گو کو ڈیوڑھی سے آتا دیکھ کر اٹھ گئی۔

"نی مونا! دوڑ کے جا...... گو کے لیے جوس ٹھنڈا کر کے لا۔"

اس نے جونہی ڈیوڑھی میں قدم رکھا، وہ کچن میں کام کرتی مونا کو جوس لانے کا کہہ کر اپنا دوپٹہ اوڑھتی برآمدے میں چلی آئی۔

"وہ جوس کا ڈبہ واشنگ مشین میں میلے کپڑوں کے نیچے پڑا ہے وہاں سے نکال لے۔"

مونا کو جوس کے ڈبے کا پتا تو اس نے بتا دیا تھا اب اللہ کرے وہاں سے مل جاتا۔ بوبے اور گڈا کے ہوتے کھانے پینے کی چیزوں کا اللہ ہی حافظ تھا۔

"بسم اللہ گراں...... میری چین آ گئی۔"

اس کا جوش و خروش تو ٹھیک تھا لیکن جوس کی جگہ بہر حال ٹھیک نہ تھی۔ گو نے سنا تو جھٹ سے بول پڑی۔

"تجھے اور کوئی جگہ نہ ملی تھی جوس چھپانے کے لیے۔"

برآمدے میں رکھی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے اس نے ناک چڑھا کر پہلا اعتراض کیا۔

"بندہ پوچھے ایسی چیز فریج میں رکھی جاتی ہے۔ مہمان کے آنے سے پہلے پہلے وہ ٹھنڈی ہو جائے۔ جا کے چھپایا بھی تو کہاں؟"

ایسے جوس کا سوچ کر ہی اس کا سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"رہنے دے، ایسا جوس میں نہیں پیتی۔ تجھے ہی مبارک ہو گندے کپڑوں والا جوس۔"

بہنوں جیسی سہیلی کا کورا جواب سن کر وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔



Scanned with CamScanner

digest library.com

"تیرا کیا خیال ہے، ہم گندے لوگ ہیں؟ ہمارے کپڑے پلید ہوتے ہیں؟"

غصہ کرنا تو بنتا تھا۔ وہ تو پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہی تھی۔

"دور کہاں جانا ہے پوچھ لے نازیہ سے، یہی کہتی ہے نگی آنٹی سارے محلے میں ایک آپ کے کپڑے سب سے صاف ہوتے ہیں۔ قسم سے۔ گندے کپڑوں کا ڈھیر بھی پڑا ہو تو لگتا ہے ابھی ابھی دھو کر تار سے اتارے ہیں۔ نازیہ دس منٹ میں سارے کپڑے دھو کر دوڑ بھی جاتی ہے۔"

مونا سے جوس لے کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اب اس نے اندر نازیہ کی گواہی بھی شامل کر دی تھی۔

"ہاں..... ہاں نگو آنٹی پکڑ لیں جوس...... نگی انٹی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے کپڑے بالکل صاف ستھرے ہوتے ہیں گامے حلوائی کی برفی کی طرح۔"

نازیہ نے ٹکڑا لگایا تو اس نے ایک گھوری اس کی طرف ڈالی۔

"چپ کر، بی..... بس اتنی گواہی کافی ہے۔ جا، جا کر اپنا کام کر۔"

اسے وہاں سے چلتا کر کے اس نے ایک بار پھر نگو کی طرف دیکھا۔

"پکڑ دی لے۔ سویرے سے تیرے لیے اسپیشل جوس منگوا کے رکھا تھا۔ تجھے انار کا جوس جو پسند ہے۔"

جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ محبت سے بولی۔

"تجھے تو پتا ہے میرے سارے کے سارے بچے چوہوں کی طرح کچن میں چیزیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ ان شیطانوں سے اسی طرح بچانا پڑتا ہے۔ اور یوبے کا تو تجھے پتا ہے وہ پولیس والوں کی طرح ہر جگہ کی تلاشی لے لیتا ہے۔ کہیں پہ بھی چھپا لو وہ وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔"

اس کی مجبوری شاید نگو کی سمجھ میں آ گئی تھی یا پھر انار کا جوس دیکھ کر ساری بدگمانی دھل گئی تھی اس کے ہاتھ سے فوراً جوس کا گلاس پکڑ لیا۔

"اچھا، جوس تو پی لیتی ہوں پر مونا سے کہہ اچھی سی چائے بھی بنا کے لائے۔"

جوس پکڑتے اس نے فوراً اگلی فرمائش ڈال دی۔

"ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں نی مونا...... نگو آنٹی کے لیے اچھی سی چائے بھی بنا کر لا۔"

جوس کا مسئلہ حل ہوا تو چائے کا آرڈر مل گیا، ابھی تھوڑی دیر میں گلی سے لڈو پیٹھیاں والا گزرے گا تو اس کی فرمائش آ جائے گی۔ چائے بناتی مونا نگو آنٹی پر تاؤ کھا رہی تھی۔

"ہر دوسرے دن آن ٹپکتی ہے۔ چائے، کھانا، جوس سارا کچھ ٹھونس کر چلی جاتی ہے اور ڈھنگ کا ایک رشتہ بھی نہیں دکھائی۔"

وہ منہ میں بڑبڑاتی چائے بناتی رہی۔ جب ٹرے میں چائے کا کپ اور بسکٹ سجا کر نگو آنٹی کے سامنے رکھ کر واپس مڑی تب اس نے سنا، وہ امی سے کہہ رہی تھی۔

"میری بات کا برا نہ مان نگی، مونا میں کوئی عیب نہیں سارا قصور تیرا ہے۔ رشتے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے جب اس کے رشتے آتے تھے تب تیرا دماغ خراب تھا۔"

چائے کا گرم کپ ہاتھ میں لے کر اس نے بات سولہ آنے کھری کی تھی۔ کچن کی طرف جاتی مونا کا جی چاہا نگو آنٹی کو اتنی سچی اور کھری بات کہنے پر داد ضرور ملنی چاہیے۔

"ہاں کہتی تو تو ٹھیک ہے۔ اس ٹائم غلطی ہو گئی تھی پر اتنی بھی کوئی بڈھی نہیں ہوئی میری مونا۔ تو کوشش کرے تو کوئی رشتہ مل ہی سکتا ہے۔"

نگو کے سامنے وہ اپنی غلطی مان جاتی تھی ایک اسی سے کوئی امید تھی، وہ مونا کے لیے کوئی رشتہ گھیر کے لا سکتی تھی۔



Scanned with CamScanner

digest.library.com

غلطی ہونی تھی ہو گئی اس غلطی پر تو آج بھی ڈٹ کے کھڑی ہے۔ کوئی رنڈوا، کوئی دوہاجو تجھے اب بھی قبول نہیں۔ میری بات پلے باندھ لے، اب نخرے چھوڑ دے اور جو مل جائے صبر شکر کر کے مونا کو اس کے ساتھ رخصت کر دے۔ نہیں تو بہت پچھتائے گی۔"

"ویلڈن...... نگو آنٹی آپ کی جرات کو میرا سلام ہے۔"

وہ جو نگو کی بات پر تیوریاں چڑھا کے اسے گھور رہی تھی وہاں قریب سے گزرتی گڈا دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر اسے داد دینے رک گئی تھی۔

"ایک آپ ہی ہیں جو ہماری اماں کو آئینہ دکھا سکتی ہیں ورنہ کرامت بیگم کے آگے تو ساری زندگی اس کا اپنا شوہر بے بس اور مجبور رہا ہے۔"

اس نے برآمدے میں بچھے پلنگ پر رضائی اوڑھے معراج دین کی طرف اشارہ کیا جس پر اس وقت بھی نشے کی غنودگی طاری تھی۔

"ہا...... ہائے...... نی مرن جوگی...... کیسی قینچی کی طرح زبان چلتی ہے تیری۔" وہ پہلے ہی نگو پر خار کھائے بیٹھی تھی، اوپر سے اپنی بیٹی بھی طعنوں پر اتر آئی تھی۔

"ماں کا کوئی شرم لحاظ نہیں تجھے۔ دیدوں سے پانی مک گیا ہے۔ یہ ہے آج کل کی اولاد، کھا پی کے بھی کہتے ہیں ہم نے تو کچھ نہیں کھایا۔ سارا دن کوٹھے پتی پھرتی ہے اور باتیں مجھے سناتی ہے، میں تو کہتی ہوں نگو تو مونا کو چھوڑ، پہلے اس کا رشتہ کروا۔ اس سے تو میری جان چھٹے۔"

وہ مونا کا بالکل الٹ تھی یا یوں کہہ لیں اس کی فوٹو کاپی تھی۔ سارے بچوں میں جواب بھی ابھی سے سننے کو ملتا تھا۔

"میرے رشتے کے لیے نگو آنٹی کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں، یہ مونا کا رشتہ ہی ڈھونڈ لیں تو بڑی بات ہے۔ اپنا رشتہ میں خود ڈھونڈ لوں گی۔ میں کوئی مونا نہیں جو آپ کی ساری زیادتیاں چپ کر کے برداشت کر لوں گی۔"

وہ ماں کو کھری کھری سنا کر آگے بڑھ گئی۔

"بڑی آفت چیز ہے تیری یہ لڑکی۔"

نگو نے بھی کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"کسی دن تجھے تھانے میں بند نہ کرا دے۔ لوگوں کے ہتھ پیر توڑنے سے بھی باز نہیں آتی۔ میں نے سنا ہے، پرسوں شوکت درزی کے چھوٹے لڑکے کا بازو توڑ ڈالا تھا۔"

اس کی چھوٹی موٹی لڑائیوں سے سب واقف تھے پورے محلے میں گڈا ڈان کے نام سے مشہور تھی۔ نگو نے اسے مونا کی فکر چھوڑ کر گڈا کے خطرے سے آگاہ کیا۔

"دفع کر اسے۔ یہ تو وہ پیڑ (درد) ہے جو میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتی۔ روز دن چڑھتے پہلے اس سے منہ ماری ہوتی ہے پھر شام پڑتے اس زندہ لاش میں جان پڑ جاتی ہے۔ میری تو زندگی ہی برباد ہے۔"

ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ اس نے سوتے ہوئے معراج دین عرف ماجے کی طرف اشارہ کیا جو دن چڑھے مدہوش پڑا سو رہا تھا۔ اس کی جان کو ایک نہیں کئی روگ لگے تھے۔

"تو مونا کی بات کر۔ یہ سارے روگ تو کینسر کی طرح میرے ساتھ چلنے والے ہیں۔"

جلد ہی وہ اپنے مطلب پر لے آئی۔ جس مقصد کے لیے وہ آئی تھی وہی بات ہونی چاہیے تھی۔

"مونا کے لیے تو میرا مشورہ ہے تو اپنے کواٹروں پر ہی نظر مار لے تو کوئی حرج نہیں۔۔۔ وہ گونگا بھی تجھے کوئی برا نہیں لگتا۔ آگے پیچھے کوئی نہیں تیری بیٹی عیش کرے گی۔"

نگو صحیح معنوں میں اب مونا کا رشتہ تلاش کرنے میں ناکام ہو چکی تھی تب ہی تو اسے شارٹ کٹ راستہ دکھا رہی تھی۔

اس کا مشورہ سنتے وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"تیرا کیا خیال ہے اب میں برادری سے باہر



Scanned with CamScanner

digest library.com

رشتہ کر دوں بیٹی کا۔ اس کو تو گھر پٹھان کی ذات برادری کا پتا نہیں۔ اپنا مشورہ اپنے پاس رکھ۔ مونا اور بوبے کے لیے وٹے سٹے کا کوئی رشتہ ملتا ہے تو بے شک بات کرلے لیکن میں نے برادری سے باہر بیٹی کی شادی نہیں کرنی۔"

اس نے ٹھونک بجا کر ایک بار پھر سے اس کے کان کھولے تھے۔ مونا کا رشتہ وہ برادری سے باہر نہیں کرے گی۔

"یاد رکھ اگلی واری آئیں تو مونا کے ساتھ ساتھ بوبے کے لیے بھی اچھا سا رشتہ لے کر آئیں۔ اک ہی پتر ہے میرا۔ پتا نہیں اس مونا کی قسمت کب کھلنی ہے۔ اس کا انتظار کرتے کرتے کہیں میں اپنے پتر سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔"

اس کا آج کل شاید بی پی ہائی رہنے لگا تھا یا پھر جب سے نئے کوارٹر میں رضیہ اور اس کی بیٹی بیلی آئی تھیں اسے مونا کو چھوڑ بوبے کی فکر پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

"دن چڑھ گیا تے فیر روٹی لادے۔"

مرغے کی بانگ سن کر اس نے ہولے ہولے رضائی ہٹا کے اس کی طرف دیکھا تھا جو اپنے دھیان میں مرغیوں کو دانہ ڈال رہی تھی۔

"دو دن......اب تو رات ہونے والی ہے معراج دین۔ آنکھیں کھول اور دنیا کو دیکھ۔"

وہ سوچوں میں ڈوبتی ابھرتی غصے سے بولی۔

"تھوڑی دیر بعد چن تارے بھی نظر آجائیں گے تیری سویر بڑی جلدی نہیں ہوگئی۔"

نشئی شوہر بھی عورت کے لیے ایک مسلسل عذاب کی طرح ہوتا ہے معراج دین بھی اس کے لیے وہی عذاب تھا جس نے ساری جوانی نشے کے پیچھے برباد کر دی تھی۔

"تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں، تو پتا نہیں کیا کیا بولتی رہتی ہے۔ مونا سے کہہ، مجھے روٹی دے۔"

وہ بستر سے آہستہ آہستہ اٹھ کر برآمدے میں لگے بیسن پر کھڑا منہ پر چھینٹے مار رہا تھا۔

"ہاں، میری باتوں کی تجھے کیا۔ سمجھ آنی ہے میں انگریزی جو بولتی رہی ہوں ساری زندگی تجھ سے اور تو ٹھہرا سیدھا سادا بندہ۔"

روٹیوں کے ٹکڑے مرغیوں کی طرف اچھالتے ہوئے وہ اس وقت بہت سنجیدہ تھی۔

"ہاں یہ بات تو تو نے بالکل ٹھیک کہی ہے۔ میری اماں بھی یہی کہتی تھی۔ جب تیرا رشتہ لے کر اماں گھر آیا تھا تو یہی کہا تھا اللہ خیر کرے کڑی بڑی چلاک ہے میرا پتر سیدھا سادا ہے۔"

"ہاں جلیبی کی طرح بالکل سیدھا۔"

اس کی بات سن کر وہ جل کے خاک ہو گئی۔ اس کا دماغ شام پڑتے چل پڑتا تھا۔ سارا دن نشے میں ٹن پڑا رہتا۔ شام ہوتے اس کی یادداشت واپس آجاتی تھی۔

مرغیوں کو دانہ ڈال کر اب وہ انہیں وڑبے میں بند کر رہی تھی جب ٹرے میں بریانی کی پلیٹ سجائے بیلی چلی آئی۔

"خیر ہے، آج کیا ابو کا ختم دلایا ہے؟" ماڈرن سے لباس میں یہ خوب صورت کرائے دار اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی ہر وقت ہاتھ میں موبائل تھامے بوبے کے آگے پیچھے منڈلاتی یہ تتلی اس کی آنکھوں کے آگے خطرے کی گھنٹی بجاتی رہتی۔

"نہیں آنٹی وہ ختم تو نہیں۔ وہ میں نے خود ہی بنائی تھی۔"

یہ پلیٹ وہ خاص بوبے کے لیے لائی تھی لیکن لگتا تھا وہ ہاتھ روم میں چلا گیا تھا۔

بیلی نے ایڑیاں اٹھا کر اندر جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"خود ہی بنائی ہے تو خود ہی کھا لیتی تھی۔ ہم نے بھی آج قورمہ بنایا ہے۔"

اس کی شاطر نگاہیں اچھی طرح جانتی تھیں وہ چھٹانک بھر لڑکی ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اندر کسے ڈھونڈ رہی تھی۔



Scanned with CamScanner

digest library.com

اس کا جی چاہا بوبے کے باہر نکلنے سے پہلے وہ پلیٹ سمیت اسے یہاں سے چلتا کرے جو اس کے وہاں کھڑی ہی ہو گئی تھی۔

"لا پتر! تو مجھے دے یہ بریانی۔ اس کا تو دماغ خراب ہے۔ گھر آئی نعمت کو نہیں ٹھکراتے۔"

ان دونوں کے درمیان سوال و جواب کا سلسلہ طول پکڑتا دیکھ کر معراج دین نے بلی سے پلیٹ مانگی تو اس نے بوبے کی طرف سے مایوس ہو کر بریانی کی پلیٹ معراج انکل کی طرف بڑھا دی۔ وہ اس سے بریانی کی پلیٹ لے کر کھانے لگ گیا۔

"جا اب...... پلیٹ ہم بھیج دیں گے۔"

اسے وہاں کھڑا دیکھ کر نکی نے روکھا سا جواب دیا۔ وہ تو شکر ہے، بوبے کو باتھ روم میں دیر لگ گئی تھی ورنہ وہ باہر آتا تو شاید وہ آج اس کے سامنے بلی کا دماغ ٹھیک کر دیتی۔ نکی آنٹی کے تیور تو اب وہ بھی اچھے سے جان گئی تھی۔ ان کی بات سن کر چپ چاپ اپنے کوارٹر کی طرف چل دی۔

☆☆☆

"مل گئی ہے تمہیں فرصت ماں سے ملنے کی۔ ہفتہ ہفتہ میری خبر نہیں لیتی — کہ ماں جیتی ہے کہ مر گئی۔"

منی نے ابھی اندر قدم رکھا تھا کہ ماں نے گلہ جھاڑ دیا۔

بچوں نے حیرت سے نانی کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں، ابھی تھوڑے دن پہلے تو آئی تھی۔

"ادھر آؤ نانی صدقے واری جائے کتنے مہینوں کے بعد پھیرا ڈالا ہے۔۔۔ کیا نانی سے ملنے کو دل نہیں کرتا یا دادو نہیں آنے دیتی ادھر۔۔۔"

بیٹی سے ملنے کے بعد وہ اب بچوں کو لپٹائے گلہ کر رہی تھی۔

"لی مونا! آج مسالے والی بریانی بنا اور لا مجھے پیسے دے میں بازار سے مرغی اور مسالے کے پیکٹ لا کر دوں۔ اور فون کر کے بے بی کو بھی بلا لے، کہنا اماں کہہ رہی ہے دوپہر کا کھانا ادھر ہی کھانے۔۔۔ بچوں سے بھی مل لے گی۔"

بیٹیاں گھر آتیں تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ ہوتا۔ چادر اوڑھ کر بازار جاتے ہوئے وہ مونا کو تاکید کرتی باہر چلی گئی۔ مرغی مسالے وہی لا کر مونا کو دیا کہ دوپہر میں بریانی بنا لے۔

"لو تم لوگ یہ چیز کھاؤ"

بازار سے واپس آئی تو بے بی بھی آ چکی تھی۔

بچوں کو بازار سے چپس لا کر دیے تھے۔ اب سارے بچے نانی سے چپس لے کر اندر کمرے میں ٹی وی پر کارٹون دیکھنے لگ گئے۔ مونا بریانی بنانے کچن میں چلی گئی۔

"اماں۔ نجو خالہ نے پھر مونا کے لیے کوئی رشتہ بتایا۔؟"

پورا ہفتہ ہوا اس کا موبائل بچوں نے گرا کر خراب کر دیا تھا اس کی بے بی سے بات نہ ہو پائی تھی ورنہ تو ساری خبریں اسے وہیں سے مل جاتی تھیں۔

"ایسا کوئی ٹھنڈا نصیب لے کر آئی ہے۔ برف کی طرح جم ہی گئی ہے تیری یہ بہن۔ دسمبر کے مہینے میں پیدا ہوئی تھی دسمبر کی طرح ٹھنڈی ٹھار ہے۔"

دھنیا توڑتے ہوئے وہ جل کر بولی۔

"اللہ بخشے تیری دادی اس کے پیدا ہونے پر بڑا روئی تھی۔ اس کے آتے ہی میری زندگی پر سوگ طاری ہو گیا تھا تیسری لڑکی جو پیدا کر دی تھی میں نے۔ تیری دادی نے پورا مہینہ مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ بلا یا . بر یہ ماجا یہ تو شروع سے ایسا ہی تھا لاپروا۔"

منی اور بے بی کے سامنے اپنا دل کھول کر وہ اسی طرح دکھی ہوتی تھی۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ ایک ایسے بندے کے ساتھ گزار دیا تھا جسے اپنی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ اس کی خبر کیا رکھتا۔

"اماں۔ آپ پھر پرانی باتیں کھول کر بیٹھ گئی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی تھیں ہم جب سے آپ کی یہ باتیں سن رہی ہیں اب بس کر دیں ابو کو کوسنا۔ اور اللہ کا شکر پڑھا کریں۔ جس نے آپ کو اچھی اولاد اور صحت



Scanned with CamScanner

digest.library.com

جیسی نعمت سے نوازا ہے۔"

وہ جب بھی پرانی فائلوں پر سے گرد جھاڑنے بیٹھتی ننھی آگے بڑھ کر ماضی کی ان فائلوں کو بند کروا دیتی۔

"دیکھ لے۔یہ میری کسی بات کو نہیں سنتی۔دادی اور پیو کے خلاف تو کچھ سن ہی نہیں سکتی۔ مجھے ہی چپ کرا دیتی ہے۔تو بتا پھر میں اپنے رونے کس کو سناؤں،اس گھر میں کون ہے جو میری باتیں سنے۔وہ گڈا ہے تو سو سو باتیں سناتی ہے مجھے اور وہ بوبا وہ تو آج کل اور ہی چکروں میں ہے۔"

دھنیا صاف کر کے ٹوکری کو پرے کھسکاتے ہوئے وہ بے بی سے گلہ کرنے لگی۔جو اس کی ہم خیال تھی۔

"اماں! آپ بولیں ہم سن رہے ہیں۔گڈا کے کان تو میں کھینچ کر جاؤں گی اور یہ بوبے کا کیا چکر ہے؟"

بے بی کے ساتھ ساتھ ننھی کو بھی تشویش ہوئی۔بوبا ان کا اکلوتا بھائی تھا اس کے بارے میں وہ ساری بہنیں کان کھلے رکھتی تھیں۔

"بڑے چکر چڑھے ہوئے ہیں اسے۔وہ تین نمبر کوارٹر میں جو نئی کرائے دار آئی ہے نا رضیہ،اس کی بیٹی بیلی آج کل اس پر ڈورے ڈال رہی ہے۔میں نے اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھا ہے۔وہ لڑکی بڑی ہی چالاک ہے میرے بھولے بھالے بیٹے کو پھنسا لے گی۔"

ننھی اور بے بی کے سامنے اس نے اپنے سارے خدشے رکھ دیے تھے۔ایک وہی تو تھیں جن سے وہ یہ سب شیئر کر سکتی تھی ورنہ اور کون ایسی باتیں سنتا تھا۔

"اگر اپنے بھائی سے پیار ہے تو اسے اس لڑکی کے چنگل سے چھڑا لو۔"

ماں کی بات سن کر ان دونوں کو بھی تشویش ہوئی۔اماں کی پریشانی تو ٹھیک تھی بوبا ان کا اکلوتا بھائی تھا۔گھر میں دو دو جوان بہنیں بیٹھی تھیں وہ اپنی مرضی کرنے نکل کھڑا ہوتا تو اس گھر کا کیا بنتا تھا۔

"میں نے نکو سے بھی اس کے رشتے کی بات کی ہے۔۔۔مونا کا رشتہ نہیں ملتا تو نہ ملے میں اب بوبے کو آزاد نہیں چھوڑ سکتی۔فوری طور پر اس کا رشتہ کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے،نہیں تو یہ لڑکا میرے ہاتھ سے نکل جائے گا پھر پچھتاتی پھرنا ساری زندگی۔"

مونا کا رشتہ ایک چیلنج بن گیا تھا۔ایسا اڑا تھا کہ ہو کے نہیں دے رہا تھا۔اس میں کچھ قصور اس کا بھی تھا جس نے شروع میں معمولی باتوں پر اچھے اچھے رشتے ٹھکرا دیے تھے اور اب یہ وقت آ گیا تھا کہ اسے مونا کو چھوڑ کر اس سے تین سال چھوٹے بوبے کی فکر پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

"پیار محبت کی کہانیاں پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا،اصل زندگی میں کچھ پانے کے لیے ہاتھ پیر ہلانے پڑتے ہیں"

مونا کو بستر پر لیٹے رسالہ پڑھتے دیکھ کر گڈا ہمدردانہ مشورہ دیتی پاس بیٹھ گئی تھی۔

"اور یہ بات اب تک تمہیں اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ امی سے کسی بھی قسم کی کوئی امید باندھنا بے کار ہے۔"

کہنے کو وہ اس سے پانچ چھ سال چھوٹی تھی لیکن سمجھانے پر آتی تو اسے لگتا جیسے اس کی دادی وہی ہو۔

گڈا کو اپنے قریب بیٹھتا دیکھ کر اس نے رسالہ بند کر دیا تھا ہمیشہ کی طرح اس کی باتیں سیدھی دل کو چھو گئی تھیں۔ایسا ہی تھا امی سے لگائی امیدیں اب اسے بھی اذیت دینے لگی تھیں۔

رسالے کی سطح پر انگلی سے لکیریں کھینچتے ہوئے وہ اسے بڑی پرسکون گہری جھیل جیسی لگتی جس کے اندر چھپا سارا اضطراب فقط جھیل کی تہہ تک محدود ہو کر رہ جاتا سطح پر سکون ہی سکون ہوتا۔اس کا اطمینان دیکھ کر گڈا اسر پیٹ کر رہ جاتی۔



Scanned with CamScanner

digest library.com

"کس دنیا میں رہتی ہو تم مونا۔۔۔ اپنی آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھو بہت سارے لوگ تمہاری پروا کرنے والے ہیں، اللہ پر بھروسا اور اعتماد ہونا اچھی بات ہے کچھ کرو تو وہ وسیلہ بھی بنا دیتا ہے۔"

وہ پریکٹیکل لڑکی تھی اس کا خیال تھا اسے اپنے حق کے لیے اب ماں کے آگے ڈٹ جانا چاہیے۔

"کس وسیلے کی بات کر رہی ہو تم؟"

اس کا اکسانا اس کے اندر ایک ہل چل مچا دیتا تھا لیکن چند لمحوں کی اس ہل چل کے بعد وہاں پھر وہی سکون ہوتا

"یار! تم اگر سمجھنے کے قابل ہو جاؤ تو کچھ بے زبان بھی تمہارے لیے دل میں کئی پیغام لیے بیٹھے ہیں۔ اب اپنے گونگے کو ہی دیکھ لو، وہ کل تجھے تمہارے لیے ایک پیغام دے رہا تھا۔"

گونگے کا ذکر کرنا مقصود تھا، بات اس نے خود سے ہی گھڑلی تھی۔

"پیغام......اور گونگا......وہ بھی میرے لیے؟"

اسے حیرت ہوئی وہ بھلا کیا پیغام دے سکتا تھا۔

"لیکن وہ تو بول نہیں سکتا۔"

اسے فوراً خیال آیا۔

"آنکھوں کی بھی ایک زبان ہوتی ہے بے خبر۔ بس انسان کو اس زبان کو پڑھنے کا ہنر آنا چاہیے تم اگر اس زبان کو جانتی ہوتیں تو اب تک بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہوتی۔"

اس کی بات تو بالکل ٹھیک تھی، ہر بار دیکھنے پر اسے لگتا اس کی گہری بھوری آنکھیں اس سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ اس کی بات کا کوئی بھی جواب دیے بغیر وہ کھو سی گئی۔ آخر وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

"تو پھر اسے کیا جواب دوں؟"

اسے خیالوں میں کھویا دیکھ کر وہ جھٹ سے نتیجے پر پہنچ گئی۔

"پاگل ہو گئی ہو۔ محبت تو کی تھی لیکن جس پھرتی سے وہ اسے ہاتھ پکڑ کر راہ محبت پر گھسیٹنا چاہتی تھی وہ اس جیسی لڑکی کے لیے بہت مشکل تھا۔ وہ تو سن کر ہی کانوں کی لووں تک سرخ پڑ گئی تھی جواب کیا خاک دیتا تھا۔

"اماں نے سن لیا تو بہت خفا ہوں گی۔"

رسالہ ایک طرف رکھ کر وہ کمرے سے جانے کے لیے اٹھ گئی۔ اس لڑکی سے کچھ بھی بعید نہ تھا، ابھی کچھ اور کہہ دیتی تو اس کا گلنار چہرہ خود اس پر کئی راز کھول دیتا جس سے وہ ابھی تک خود بھی لاعلم تھی۔

روز اسے پانی کی بالٹی بھرتے دیکھ کر آہستہ آہستہ اس کی، آنکھوں میں اس کے حوالے سے کئی خواب اتر آئے تھے۔

"توبہ ہے اس گڈا سے بھی اللہ بچائے۔ کہیں دل میں اتر کر اندر کے راز نہ جان لے۔"

وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی کچن کی طرف چلی آئی۔

☆☆☆

نگو پر آج قسمت مہربان تھی، سویرے سویرے اسے چوہدری سلطان کی بیوی فوزیہ کا فون آ گیا تھا۔ فوزیہ بیگم نے اسے ضروری کام سے اپنی کوٹھی پر بلایا تھا۔

فون بند کرتے وہ رکشہ پکڑ کر پہنچ گئی، چودھری سلطان کی بڑی سی کوٹھی، رشتے تو اس نے آج تک بڑے کروائے تھے لیکن آج جو ڈیل ہونے جا رہی تھی، اس کا تو کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔

چودھری سلطان نے اسے اپنی چھوٹی بہن ستارہ کے لیے راتوں رات کوئی رشتہ ڈھونڈ کر لانے کی ذمہ داری سونپ تھی اس کے لیے اس نے اسے کتنی بڑی رقم دے دی تھی، اس لفافے کو دیکھتے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ستارہ کے لیے رشتہ ڈھونڈ کر لانا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ اس نے نوٹوں کی گڈی پرس میں ڈالتے ہوئے وہیں بیٹھے بیٹھے آگے کی ساری پلاننگ کر ڈالی۔



Scanned with CamScanner

digest library.com

اس کام کے لیے بوبے سے بہتر کوئی لڑکا نہیں ہوسکتا۔ لکی تو چودھری سلطان کی شان بان دیکھ کر ہی فدا ہو جائے گی۔

☆☆☆

"اوئے کوئی اندر ہے ادھر، میری وی گل سن لے کوئی۔" معراج دین کب سے آوازیں دے رہا تھا۔ "سونا پتر مجھے پانی پلا دے۔"

گھر میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ لکی کسی کام سے بازار گئی تھی اور سونا ابھی ابھی باتھ روم میں نہانے گئی تھی۔

"اوئے کوئی نہیں سنتا میری بات، او چل او ماجیا چل کر خود ہی کوئی ہل جل کرنی پڑے گی۔"

اس نے دیکھا جب کوئی اس کی پکار پر باہر نہیں آیا تھا تو وہ رضائی ہٹا کر چارپائی سے اٹھنے کا ارادہ باندھنے لگا۔ پانی کا کولر کچن میں پڑا تھا، سوچا آہستہ آہستہ جا کر خود ہی پانی پی لیتا ہوں ابھی چارپائی سے اٹھ ہی رہا تھا کہ دروازے سے اندر آتے گونگے پر نظر پڑ گئی۔

"ادھر آ......"

پیروں میں پھنسایا جوتا اتارتے ہوئے اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر کے اسے اشارے سے پاس بلایا۔

"جا میرے لیے پہلے پانی لے کر آ۔" اسے ہاتھ کے اشارے سے پانی لانے کا کہہ کر اس نے کچن کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ بے زبان ضرور تھا لیکن تھا سمجھ دار، ایسے منہ اٹھا کر کچن کی طرف تو نہیں بڑھ سکتا تھا اور اسے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پانی پلانا بھی ضروری تھا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی چارپائی کے پاس پہلے سے الٹا پڑا ایک گلاس نظر آ گیا۔ اس نے جھک کر گلاس اٹھایا اور دھو کر ٹونٹی سے پانی بھر کر لے آیا۔

"شاباشے، تو تو بڑے کم کی چیز ہے۔"

ماجا اس کی پھرتی سے خوش ہو گیا۔

پانی پی کر اسے پاس بٹھا لیا۔

"تیرا کوئی آگے پیچھے بھی ہے کہ نہیں۔"

اسے وہ بے زبان بڑا اچھا لگتا تھا جب بھی پانی بھرنے آتا تو وہ اسے اپنے پاس بٹھا لیتا۔ وہ باتیں جو وہ سارا دن کسی سے نہ کر سکتا تھا وہ ساری باتیں اسے سنا دیتا۔

اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر اور آسمان کی طرف اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو اللہ کے علاوہ کوئی آسرا نہیں۔

"اچھا... اچھا... کوئی بات نہیں... ہم ہیں نا تیرے، کوئی شادی وادی کرنی ہو تو مجھے ضرور بتانا، میں رکھوں گا تیرے سر پہ ہاتھ۔"

ماجے کی الفاظ تو نہیں لیکن ان کے اندر چھپا مفہوم وہ ضرور سمجھ جاتا تھا تب ہی تھوڑا مسکرا کر سر جھکا دیتا۔

وہ بھی تو یہی چاہتا تھا۔ وہ اس بے آسرا کو اپنی شفقت کے سائے میں قبول کر لیں لیکن کہتے ہوئے ڈرتا تھا۔

لکی آنٹی کے غصے سے ڈرتا تھا انہوں نے جو اسے یہاں اندر تک آنے کی اجازت دے رکھی تھی، کہیں پتا چلنے پر گھر خالی کرنے کا آرڈر نہ دے دیتی۔

اسے اس کے پاس بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ اس کی باتیں اس کی سمجھ میں تو نہیں آتی تھیں۔ پھر بھی محبت کی ایک زبان ہوتی ہے اور وہ یہ زبان اچھی طرح سمجھتا تھا لیکن وہ محسوس کرتا تھا لکی آنٹی کو اس کا یہاں بیٹھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے دیکھ کر ماتھے پر تیوری چڑھاتی وہ پانی بھرنے کے بہانے جلدی وہاں سے اٹھ جاتا۔

☆☆☆

"خیر ہے آج سویرے سویرے ہی فون کھڑکا دیا ہے۔"

وہ ابھی ناشتہ کر کے بیٹھی تھی کہ گوگو کا فون آ گیا۔

"لے تیرے تو اعتراض ہی ختم نہیں ہوتے۔ سویرے سویرے فون کرو تو کہتی ہے اتنی جلدی کیوں کر دیا۔ رات کو کرو تو کہتی ہے جلدی بات کر مجھے سونا



Scanned with CamScanner

digest library.com

ہے۔"

نگو بھی اس پر تاؤ کھائے بیٹھی تھی فوراً پھٹ پڑی۔

"تو اکو واری مجھے ٹائم بتا دے، تجھے فون کس ٹائم کرنا ہے۔"

اس کا دماغ گھوم تا دیکھ کر وہ پڑی پر آ گئی۔

"تو تو غصہ ہی کر گئی ہے لگتا ہے بھائی منور سے کوئی لڑائی شروائی ہوئی ہے اور غصہ تو میرے اوپر اتار رہی ہے۔"

"نہیں۔ تو بات ہی ایسی کرتی ہے کہ بندے کا موڈ خراب ہو جائے۔ میں نے تجھے خوشی کی خبر دینے کے لیے فون کیا ہے اور تو اور ہی کسی طرف چل پڑی ہے۔"

نگو کے منہ سے خوشی کی خبر کا سن کر وہ چہک اٹھی۔

"کیا مونا اور بوبے کے لیے رشتہ مل گیا ہے؟"

اسے آج کل مونا کے ساتھ ساتھ بوبے کے رشتے کے بھی خواب آنے لگے تھے۔

"مونا کے لیے تو نہیں پر بوبے کے لیے رشتہ ضرور مل گیا ہے۔"

نگو کی بات سن کر وہ خوش ہو گئی، چلو ایک طرف سے تو ٹینشن ختم ہوئی۔

"بتا پھر کون لوگ ہیں؟ لڑکی کیسی ہے؟ جہیز وغیرہ تو خوب دیں گے نا؟"

اس نے اوپر نیچے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"صبر صبر...... ذرا بریک پر پیر رکھ...... تیرے بوبے کے لیے ایسا رشتہ ڈھونڈا ہے کہ تو سن کے حیران رہ جائے گی۔ پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ پانچ کے پانچ بھائی سعودی عرب میں ہوتے ہیں۔ جہیز اتنا دیں گے کہ تیری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

اس نے بتانا شروع کیا تو نکی کی زبان تالو سے جا لگی۔

"تو پھر جانا کب ہے؟"

"آج ہی...... نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

نگو تو اسے ابھی چودھری سلطان کی کوٹھی دکھا کر بات پکی کرنے کے درپے تھی اور اسے بھی کسی سے مشورے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ راضی تھی تو سمجھو سب راضی تھے۔

"ٹھیک ہے پھر دوپہر میں تم تیار رہو، میں آ جاؤں گی تو دونوں چودھری سلطان کے گھر چلیں گے۔"

نگو کے ساتھ سارا کچھ سیٹ کر کے وہ رشتہ دیکھنے چلی گئی۔

☆☆☆

اس نے استری کرنے کے لیے کپڑے نکالے تو دیکھا، لائٹ نہیں تھی۔ دکان پر جانے کا ٹائم ہو رہا تھا۔

اب کیا کیا جائے۔

دل میں فوراً جو پہلا خیال آیا، وہ مونا کا تھا۔ اس نے مونا کو کبھی کبھار گیس والی استری پر کپڑے استری کرتے دیکھا تھا۔ کیا اس سے استری مانگ لینی چاہیے؟ ہاں حرج ہی کیا ہے۔ دل جو پہلے ہی اس کے خیال سے خوش آئند انداز میں دھڑکتا تھا ایک دم سے تائید میں بولا۔

وہ ہاتھ میں کپڑے لیے اپنے کوارٹر سے نکل کر ان کے دروازے کی طرف بڑھ آیا، دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر وہ صحن تک آ گیا۔

ہاتھ میں کپڑے لیے وہ کچن کی کھڑکی کے پاس آ گیا۔ حسب معمول وہ وہیں کام میں مصروف تھی۔

اس پر نظر پڑتے ہی فوراً کھڑکی کے قریب چلی آئی۔

"کیا بات ہے؟"

اس کی سوالیہ نگاہیں بتا رہی تھیں، وہ کسی کام



Scanned with CamScanner

digest library.com

سے آیا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے کپڑے آگے بڑھائے ہاتھ کے اشارے سے استری کا اشارہ کرتا گویا اسے سمجھا رہا تھا کہ لائٹ نہیں ہے اور کپڑے استری کرنے والے ہیں۔ وہ فوراً اس کی بات سمجھ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس سے کپڑے پکڑ لیے۔

''لاؤ، میں استری کر دیتی ہوں۔ جا کر تیاری کرو میں اتنی دیر میں انہیں استری کر دیتی ہوں۔''

اسے کپڑے دے کر وہ واپس اپنے کوارٹر میں آگیا۔ اپنا ناشتہ بناتے ہوئے اس کے خیالوں پر ہمیشہ کی طرح وہ پوری طرح چھائی رہی۔ کیسی خاموش محبت تھی، ان دونوں کے درمیان جسے اظہار کے لیے کسی زبان کی ضرورت نہ تھی۔ وہ چپ چاپ خاموشی سے غیر محسوس طریقے سے اس کے چھوٹے چھوٹے کام کر دیتی تھی۔

کپڑے دھو کر صحن میں پھیلانے جاتا تو وہ اس سے کپڑے لے کر پھیلا دیتی، سوکھے کپڑے اتار کر اس کی دیوار پر تہہ کر کے رکھ دیتی۔ کبھی کوئی اچھی ڈش بنالی تو ماں سے چھپا کر اسے دے دیتی، یہ سب محبت نہیں تو اور کیا تھا۔ اس کا دل بھی چاہتا اس معصوم لڑکی کو بھی کوئی تحفہ دے لیکن ڈرتا تھا، کہیں وہ اسے غلط نہ سمجھ لے۔ کتنے دنوں پہلے وہ اپنی دکان سے اس کے لیے خوبصورت سا دوپٹہ لے کر آیا تھا۔ ناشتہ کر کے اس سے اپنے استری شدہ کپڑے لینے جاتے ہوئے آج اس نے ہمت کر کے دوپٹے والا شاپر ہاتھ میں لے ہی لیا۔

اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر وہ چپکے سے کھڑکی میں وہ دوپٹہ رکھ کر چلا آیا۔ اسے یقین تھا وہ اس کے نیے تحفے کا برا نہیں منائے گی۔

☆☆☆

جھوٹے برتن اٹھاتے ہوئے اس کی نظر سفید رنگ کے شاپر پر پڑی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو یہاں کرنا ہی کھڑا تھا تو کیا وہ یہ شاپر یہاں بھول گیا ہے۔ اماں کی نظر بچا کر وہ شاپر لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ شاپر کی گرہ کھول کر دیکھا نیلے رنگ کا نفیس سا دوپٹہ اس کے ہاتھوں میں تھا۔ اسے اب مزید کچھ سمجھنے کی ضرورت نہ تھی، وہ سمجھ گئی تھی یہ اس کی طرف سے دیا گیا محبت کا وہ پہلا تحفہ تھا جو اسے دل و جان سے عزیز تھا۔

قد آور آئینے میں اس کے دیے دوپٹے میں اپنا سراپا دیکھ کر وہ خود ہی شرما گئی۔

☆☆☆

وہ گئی تو لڑکی دیکھنے تھی لیکن ساتھ میں شادی کی ڈیٹ لے کر آگئی تھی یہ بات ..... نا سمجھ میں نہیں آئی تھی، انہوں نے اس سے کسی قسم کا کوئی سوال نہ کیا تھا۔ نگو سے بات کی تو اس نے کہا۔

''نکی تیرا دروازہ آج تقدیر نے کھڑکایا ہے، سوچ نہ اور اٹھ کے کنڈی کھول دے۔''

وہ بھی اسے قسمت کی دیوی کی مہربانی ہی کہہ سکتی تھی۔ چوہدری سلطان کی اتنی بڑی کوٹھی دیکھ کر ہی اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اسے تو پتا بھی نہیں چلا ساری باتیں نگو اور چوہدری صاحب کے درمیان ہی طے ہوئی تھیں۔

لیکن گھر میں آتے اسے بچوں نے گھیر لیا تھا۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی اماں وہ لوگ اسی جمعہ کو بارات لانے کی ضد کیوں کر رہے ہیں، انہوں نے کہا اور آپ مان بھی گئیں۔''

نخمی نے جب سنا اماں رشتہ دیکھنے گئی اور شادی کی تاریخ لے کر آگئی ہے وہ بھی اگلے جمعے کی تو وہ بیچ میں پریشان ہو اٹھی۔

''نی تو وڈی سائنس دان نا بن...... لڑکی کے بھائی سعودی عرب سے آئے ہوئے ہیں، انہوں نے شادی کر کے واپس بھی جانا ہے اسی لیے نکاح کی تاریخ دے دی۔ اس میں کون سی ایسی سوچنے والی بات تھی کہ میں انہیں کہتی نہیں میں گھر جا کر سوچ کر بتاؤں گی۔ انہوں نے کہا منڈا لے کر کل ہی آئی آج آ...... میں نے بھی کہا۔ سو بسم اللہ۔''

نکی تو ان کا گھر بار دیکھ کر فدا ہو گئی تھی، باقی



Scanned with CamScanner

digest library.com

باتیں تو اسے آپ طے ہو گئیں، اس نے شام کو تنی اور بے بی کو بلا کر یہ خوش خبری سنا دی۔

"اماں لڑکی تو ایسی کوئی خوبصورت نہیں ہے۔" منھی تصویر دیکھ کر منہ بنا کر رہ گئی۔

"اتنا سوہنا ہے ہمارا بھائی۔۔۔۔ جوڑی کوئی جچے گی نہیں۔" بے بی کو بھی لڑکی پسند نہ آئی تھی۔

"خوبصورتی کو مار گولی۔ تم تو اس کی کوٹھی ہی دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گی۔ دو کنال کی تو ہو گی اور چار چار گاڑیاں کھڑی تھیں وہاں اور سب سے بڑھ کر ستارہ کے اکٹھے پانچ بھائی سعودی عرب میں ہیں۔"

اس رشتے سے انکار کی کوئی وجہ ہی نہیں بنتی تھی۔ گھر بار، دولت، گاڑیاں سب کچھ تھا، اوپر سے سارے کے سارے سالے باہر کے ملک میں تھے۔

"یہاں ایک سالا باہر کے ملک ہو تو لوگوں کے پیر نہیں پڑے ہوں گے۔ سوچو بوبے کے پانچ پانچ سالے باہر کے ملک ہوں گے تو کیا ٹھاٹ ہوں گے میرے پتر کے۔"

اس کی ایڑی زمین پر نہیں لگ رہی تھی۔ اسی وقت فون کر کے بیٹیوں کو بلا لیا تھا اور اب انہیں قائل کر رہی تھی۔

"اماں! یہاں آپ زیادتی نہیں کر رہیں۔ جوان جہان بیٹی گھر میں بیٹھی ہے اور آپ اسے چھوڑ کر تین سال چھوٹے بوبے کی شادی کرنے چل پڑی ہیں۔"

تنی کو پہلے دن سے ماں سے اختلاف تھا جو موتا کو چھوڑ کر بوبے کی شادی کا سوچ رہی تھی۔

"میری اماں بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے گھور کر بیٹیوں کو دیکھا جو اچھے خاصے رشتے میں مین میکھ نکال رہی تھیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے موتا کی کوئی فکر نہیں۔ ساری فکر تم دونوں کو ہے اس کی۔ تم سے کئی بار اس کے رشتے کا کہہ چکی ہوں اور پھر سب سے بڑی بات وہ بجلی والی تم دونوں کو بتائی تو تھی اب کیا میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر منڈے کے بولنے کا انتظار کروں یا اس دن کا جس دن وہ اس کرموں ماری بجلی کو میرے سر پر لا کر بٹھا دے۔"

تمو جہاں موتا کے رشتے کی بات کرتی، آگے سے صاف جواب سننے کو مل جاتا۔ اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

"اب اگر اس کا رشتہ نہیں ہوتا تو کیا میں اکلوتے بیٹے کا بھی کوئی ارمان پورا نہ کروں۔ اس کے سر پر سہرا نہ دیکھوں۔" وہ انہیں جواب دیتی جذباتی ہو گئی تو وہ بھی سمجھ گئیں موتا کا نصیب نہیں جاگنے والا، اس کے جگنے کا انتظار کرنے سے بہتر ہے بوبے کے سر پر سہرا سجا لیا جائے۔

"بوبے سے بات کی آپ نے۔ اسے بتا دینا کہیں بعد میں کوئی فساد نہ کھڑا کر دے۔"

ماں کو ٹلتا نہ دیکھ کر وہ تو قائل ہو ہی جاتی تھیں لیکن جس کا رشتہ کرنا تھا، اس سے بات کرنی بھی ضروری تھی۔

"اس سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے، میرا پتر بڑا معصوم ہے اسے کیا پتا ان باتوں کا، جہاں میں کہوں گی، آنکھیں بند کر کے شادی کر لے گا۔ تم لوگوں کی طرح ہوشیار، چالاک نہیں ہے۔"

ماں کی بات سن کر ان دونوں نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"مجھ پہ جو گیا ہے میرا بیٹا اور تم سب چلاکو ماسیاں اپنی پھوپھیوں پر چلی گئی ہو۔ میرا پتر مجھے انکار کر ہی نہیں سکتا، میں جہاں کہوں گی، وہیں سہرا باندھ کر میرے سا تبر چل پڑے گا۔"

کچن میں کام کرتی موتا ان کی ساری باتیں سن کر حیران ہو رہی تھی اماں کو بوبے کے بارے میں کتنی خوش فہمی تھی جلد ہی ان کی یہ خوش فہمی دور ہونے والی تھی۔

بوبے کے دل کے سارے راز وہ جانتی تھی لیکن وہ اندر جا کر ماں کی یہ خوش فہمی دور نہیں کر سکتی تھی۔ اسے خبر تھی ان کا یہ فرماں بردار بیٹا اس وقت بجلی کے ساتھ چھت پر بیٹھا، جینے مرنے کی قسمیں کھا



Scanned with CamScanner

digest library.com

رہا ہوگا اماں کی آنکھوں پر بندھی پٹی جس دن کھلے گی، اس روز آئیڈیل ازم کے سارے بت پاش پاش ہو جائیں گے۔ اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی میں وہ خاموش آنکھیں ابھر کر تیرنے لگیں۔

اس نے دیکھا کچن کی کھڑکی سے پرے کچن کی ٹونٹی سے پانی بھرتا گونگا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اپنے دیے نیلے دوپٹے کو اس کے کندھوں پر جھولتا دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہونے کو تھا۔ اس کی محبت کا وہ خاموش اقرار تھا جسے سننے کو وہ کب سے بے قرار تھا۔

مونا نے اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر آج بھی شرما کر نظریں جھکالی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے ساگر میں وہ پوری طرح ڈوب چکی تھی

☆☆☆

"شادی...... اور وہ بھی میری؟"

بوبا سن کر یوں چونکا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

"اماں! آپ کس دنیا میں رہتی ہیں۔ میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کر دیا اور مجھے بتایا بھی نہیں، مجھے بے بی باجی نے فون کر کے بتایا ہے۔"

اماں کا مطمئن انداز اسے اندر تک ہلا گیا تھا۔

"میں نے ہی بتانا تھا تجھے، تو گھر پہنچا تو۔"

اپنے بیٹے کو پاس بٹھا کر بڑے پیار سے سب بتانا تھا۔ لیکن یہ جو تیری بہنیں ہیں نا ان کے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہتی پتا نہیں کھانا کیسے اندر رکھ لیتی ہیں۔"

اس کا خیال تھا وہ بوبے کو منا لے گی، لیکن وہ بہنوں کے منہ سے اپنی شادی کا سن کر آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

"اماں! آپ بھائی کے ساتھ یہ زیادتی نہیں کر سکتیں" بے بی اور گڈی تو اپنے اپنے گھر جا چکی تھیں، اب اسے بوبے کے ساتھ گڈا نے گھیر لیا تھا۔

"آپ کو احساس ہی نہیں ہے اس کی زندگی کا سوال ہے وہ بالغ ہے اور آپ اسے کسی صورت اس شادی پر مجبور نہیں کر سکتیں۔"

گڈا نے سنا تو بھائی کے ساتھ ڈٹ گئی۔

"نی تو اپڈی اس کی سگی نہ بن۔ بھیجے کلن۔ میں اس کی ماں ہوں تیرا رشتہ میرے بعد ہے۔ جا جا کر اپنا کام کر۔"

اس کی وجہ سے سارا کھیل بگڑتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ بوبے کو وہ کسی نہ کسی طرح قابو کر سکتی تھی یہ گڈا اس کے بس میں نہ تھی اس سے پہلے کہ وہ اسے اور چابی لگاتی اس نے اسے وہاں سے بھگانا چاہا۔

"یہ میرا اور میرے پتر کا معاملہ ہے تو چل دفع ہو یہاں سے۔"

گڈا کی حیثیت تو اس گھر میں اس وکیل کی سی تھی جو بنا کسی معاوضے کے سب کا مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، وہ چاہے مونا ہو یا پھر بوبا وہ سب کا ساتھ دینے کے لیے کھڑی ہو جاتی۔

"بس اماں ...... میں اب آپ کی باتوں میں نہیں آنے والا۔ اگر آپ کو میری ذرا سی بھی پروا ہے تو آپ کو ابھی اور اسی وقت لڑکی والوں کو جواب دینا ہوگا۔"

بوبے کا کورا جواب سن کر ایک لمحے کے لیے وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میں جانتی ہوں پتر! تیرے بارے میں نے کوئی آنکھیں بند نہیں کر رکھیں تو جس کی وجہ سے مجھے ایسے کورے جواب دے رہا ہے نا، اسے بھی میں بڑی اچھی طرح جانتی ہوں۔"

وہ جانتی تھی بیلی کی وجہ سے وہ اس کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ اس لیے اب اس کا ذکر کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"میری بات بھی کان کھول کر سن لے، اگر میں ستارہ کے بھائیوں کو جواب دوں گی تو یہ بھی یاد رکھ، بیلی بھی بہو بن کر اس گھر میں نہیں آ سکتی۔"

ماں کے منہ سے بیلی کا ذکر سن کر وہ دم بخود رہ گیا۔ اماں تو اس کے دل کی کے حال سے اچھی طرح واقف تھی۔

"اماں۔ اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔ میں



Scanned with CamScanner

digest library.com

بیلا سے ہی شادی کروں گا۔"
بات کھل گئی تھی تو وہ ماں کو بیلا کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
"کر پتر تو بیلا سے شادی کر۔لیکن وہ میرے گھر میں داخل نہیں ہوسکتی بلکہ جس دن تو اس سے نکاح پڑھے گا اسی دن میں ان دونوں ماں بیٹی کا سامان اٹھا کر اپنے کوارٹر سے باہر پھینک دوں گی۔"
اسے قابو میں کرنے کا یہ آخری پتا تھا جو اس کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔اب اگر وہ یہ چال ہار جاتی تو پھر اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آسکتا تھا۔اماں کی بات سن کر بوبے کے ساتھ ساتھ مونا اور گڈا بھی حیران رہ گئیں۔اماں اپنی بات منوانے کے لیے کس حد تک جاسکتی تھی۔

☆☆☆

"اماں کو پتا نہیں کیا ہوگیا ہے۔اپنی بات منوانے کے لیے اس حد تک چلی جائے گی۔میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"
بوبے کو تڑپ لگا کر وہ مطمئن ہو کر شادی کی تیاری میں لگ گئی تھی۔اسے پتا تھا اگر وہ بیلا سے پیار کرتا ہے تو کبھی بھی اسے بے گھر نہیں کرے گا۔
وہ بیلا سے سچی محبت کرتا تھا جانتا تھا اس کی ماں کان سے پکڑ کر بیلا کو گھر سے باہر کردے گی۔
"بھائی! آپ اپنے پیروں پر کھڑے رہیں تو اماں کے پیروں کے نیچے سے زمین میں کھینچ سکتی ہوں۔لیکن آپ ہی ڈر گئے ہیں۔"
گڈا نے اسے سمجھایا تھا وہ اس کے ساتھ ہے لیکن وہ آگے قدم نہیں بڑھا پا رہا تھا۔
"تو نہیں جانتی گڈا اماں جو کہہ دیتی ہے وہ کر کے رہتی ہے اور بوبا نہیں چاہتا اس کی وجہ سے بیلا کو کوئی تکلیف پہنچے۔"
مونا بوبے کی حالت کو اچھی طرح سمجھتی تھی، اس کا بھی خیال تھا اسے اس وقت اماں کے مقابلے میں نہیں آنا چاہیے ورنہ سارا کام بگڑ سکتا تھا۔
"آفرین ہے تجھ پر بھی۔۔۔۔۔تو خود جس طرح ساری زندگی یہاں سڑ کر گزار دے گی، بھائی کو بھی یہی مشورہ دینا۔"
مونا کو اس کی حوصلہ شکنی کرتے دیکھ کر گڈا کو اس پر غصہ چڑھ گیا۔وہ اگر اس کا ساتھ دیتی تو شاید وہ بیلا کے ساتھ اس کا بھی کوئی بندوبست کر دیتی۔
"تو کیا کریں پھر اپنی ماں کے آگے کھڑے ہو جائیں۔نہیں، ہم اتنے مضبوط نہیں ہیں۔"
ہمیشہ چپ رہنے والی نے آج احتجاج بھی کیا تو کس کے خلاف۔اماں کے خلاف آج بھی اس کی زبان سے کوئی حرف نہ نکلا تھا۔
معراج دین رضائی میں سر دیے اپنے بچوں کی ساری باتیں سن رہا تھا۔
مونا کی بات سن کر اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔
"میرے ہوتے ہوئے تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ابھی میں زندہ ہوں۔"
نم آنکھوں کے ساتھ وہ رضائی پرے ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔
"میں بنوں گا تم لوگوں کی ڈھال۔۔۔۔دیکھتا ہوں کوئی کیسے تم لوگوں کے ارمانوں کا خون کر سکتا ہے۔"
اس کی بات سن کر مونا سمیت ان دونوں نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا۔یہ وہ باپ تھا جس نے بچپن سے لے کر جوانی تک ہمیشہ ان سب پر اپنے ارمانوں کو قربان کیا تھا اور آج بھی وہ ان کی ڈھال بننے کے لیے کھڑا تھا۔
مونا ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ اس سے لپٹ گئی۔
"اب فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ابو ہمارے ساتھ ہیں اور ہم دونوں آپ دونوں سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ بوبے کی شادی بیلا سے اور اس گونگی کے نصیب کا فیصلہ بھی ہم ہی کریں گے۔"
گڈا نے ابو کی طرف دیکھ کر ایک ساتھ دونوں بہن بھائی سے وعدہ کیا۔
"کیوں ابو جی ٹھیک کہا ہے نا میں نے، اس



Scanned with CamScanner

digest.library.com

گونگی کے لیے پھر کوئی گونگا ڈھونڈ کر لانا پڑے گا۔"
گڈا کی بات پر ماجے کی باچھیں کھل اٹھیں۔
"ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے، اللہ نے اسے خود ہی بھیج دیا ہے۔"
ابو نے تو اس کے دل کی بات کر ڈالی تھی۔
ابو کی بات سن کر مونا کے چہرے پر حیا کے رنگ عود آئے
جو سب کی نظروں سے چھپائے نہ چھپ رہے تھے۔

☆☆☆

"ہیں نی ساری بہنیں منہ وٹ کے بیٹھی رہو گی یا شادی کی کوئی تیاری بھی کرنی ہے؟"
ادھر بوبا ابو اور گڈا کی تسلی سے خاموش ہو گیا تھا تو ککی شادی کی تیاریوں میں جت گئی تھی۔
"اب یہ غصے وصے چھوڑو اور شادی کی تیاری شروع کرو۔۔۔ پیچھے دن کتنے رہ گئے ہیں۔۔"
اس نے آج تھمی اور بے بی کو بازار جانے کے لیے بلایا تھا۔۔
"سب سے پہلے ولیمے کے ڈریس کا آرڈر دینا ہے۔ تم لوگوں کی اپنی تیاری ہوتی رہے گی۔ ستارہ کا ڈریس سب سے اچھا ہونا چاہیے۔"
بوبے اس کا اکلوتا بیٹا تھا اس کی شادی کا اسے بڑا ارمان تھا۔
"اماں برائڈل ڈریس تو بڑے مہنگے ہیں۔ ہاتھ نہیں لگایا جاتا۔ کوئی جان پہچان ہو تو ڈسکاؤنٹ ہو جائے۔"
بے بی کے بات کرنے کی دیر تھی، ککی کا دماغ فوراً تے والی جگہ جا پہنچا۔
آواز دے کر مونا کو بلایا۔
"مونا۔ وہ اپنا گونگا کس دکان پہ کام کرتا ہے۔"
گونگے کا ذکر آنا تھا کہ مونا کے چہرے پر بہار کے ساتوں رنگ اتر آئے۔
"وہ۔اماں! موتی بازار میں ہوتا ہے"

"میں تو کہتی ہوں، اس کے پاس چلتے ہیں، وہ کچھ تو ہماری مدد کرے گا۔ ہو سکتا ہے کوئی سستا سا ڈریس ہی لے دے۔"
تھمی اور بے بی کے ساتھ ساتھ مونا بھی ماں کی پھرتیوں کی قائل ہو گئی کیسا تم پاسے گونگے کا خیال آیا تھا۔
"ہاں اماں! ہمارے ذہن میں تو یہ خیال آیا ہی نہیں ستارہ کے ڈریس کے ساتھ ہم ساری بھی وہیں سے کپڑے لے لیں گی۔"
بے بی نے ماں کے اس بہترین آئیڈے کو سراہتے ہوئے فوراً بازار جانے کی تیاری کا مشورہ دیا۔
"اوئے میرے لیے بھی کوئی سوٹ سلا دینا، میں آخر منڈے کا باپ ہوں مجھے بھی نئے کپڑے پہن کر بارات کے ساتھ جانا ہے۔"
اسے بھی گھر میں ہونے والی ہل جل سے پتا چل گیا تھا کہ اس کے اکلوتے بیٹے کی شادی رچائی جا رہی ہے۔
"تم لوگ ہی کوئی میرا خیال کرو گی ورنہ تمہاری ماں نے تو عرصہ ہوا، مجھے منہ لگانا چھوڑ دیا ہے"
آج شاید شادی کی خوشی دل میں سمائی تھی جو نشہ تھوڑا جلدی اتر گیا تھا۔ بیٹیوں کو ماں کے ساتھ سر جوڑے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔
"ابو جی آپ فکر کیوں کرتے ہیں، آپ کے لیے بھی نیا جوڑا آئے گا۔ آخر کو دولہا کے باپ ہیں آپ۔" تھمی باپ کی محبت میں بولی، کتنے عرصے کے بعد گھر میں خوشی آنے والی تھی پھر ان کا تو اس خوشی پر سب سے زیادہ حق تھا۔
"کیوں اس نے نئے کپڑے کیا کرنے ہیں، اس کا نشہ اترے گا تو بیٹے کی شادی دیکھے گا"
اس کی فرمائش سن کر ککی کے ماتھے پر تیوریاں چڑھ گئیں۔
"ویسے اس کے پاس سارا دن روتے پیٹتے



Scanned with CamScanner

digest library.com

رہو، آنکھ کھول کے نہیں دیکھا اور اب بڑوں کی بات کی ہے تو فوراً اٹھ کے بیٹھ گیا ہے۔"

اس کا دل اس کی طرف سے ہر وقت سڑا ہی رہتا تھا۔

"چھوڑیں اماں! آپ بھی ہر وقت ابو کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ ہمیں یاد ہے ہمارا باپ ہماری ساری فرمائشیں فوراً پوری کرتا تھا۔"

ننھی کے دل میں باپ کی محبت کا دریا سب سے زیادہ روانی میں بہتا تھا اس وقت بھی وہ اس کے حق میں بولی تھی۔

"دو دو سوٹ بنا کر دیتا تھا ہر عید پر۔۔۔۔ کوئی ہمیشہ سے تو ایسا نہیں تھا۔"

ننھی کے یاد دلانے پر اس کی آنکھوں کے آگے گزرا وقت کسی دھندلے سائے کی طرح لہرا سا گیا۔ جب ماجا ماجا کی مزاج دین ہوتا تھا۔

اپنی اماں سے نظر بچا کر اس کے لیے اور اپنی بچیوں کے لیے چوری چوری چیزیں لے کر آتا تھا۔

"یہ سوٹ آتے ہوئے دکان پر دیکھا تو تیرے لیے لے لیا۔ مجھے لگا یہ گلابی رنگ تجھ پر بڑا جچے گا۔"

وہ اماں سے ڈرتا تھا لیکن چوری چھپے بھی کبھار جب اس کے لیے کچھ لاتا تو اسی میں خوش ہو جاتی۔ اب ننھی نے ذکر کیا تو اس کی آنکھوں کے سامنے وہ گلابی سوٹ لہرا کر سامنے آ گیا۔

"ہاں ہاں لے لینا اس کے لیے بھی دو سوٹ ایک بارات پر اور دوسرا ولیمے پر پہن لے گا اور ان اس دن نشہ تھوڑا کم کرے لوگوں کو پوچھنا نہ پڑے، لڑکے کا باپ تو نظر ہی نہیں آ رہا۔"

آج پہلی بار تھا جب وہ تھوڑے نرم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔

"چلو پھر اب دیر نہیں کرو۔ فوراً تیاری پکڑو اور نکلیں پھر شام پڑ گئے تو رش بڑا ہو جائے گا۔" اٹھ کر چادر اوڑھتے ہوئے اس نے موتا کو آواز دی۔

"نی موتا...... تو بھی ساتھ چل...... جو کچھ لینا ہے آج ہی لے لو...... دن بڑے تھوڑے ہیں۔" جاتے ہوئے وہ موتا کو بھی ساتھ لے گئیں، موتا کو ساتھ دیکھ کر گرو کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ دوڑ کر ٹھنڈی بوتلیں پکڑ لایا۔ اپنے مالک سے کہہ کر نہ صرف دلہن کے ڈریس میں بلکہ سارے ڈریسز میں ڈسکاؤنٹ کروا دیا تھا۔

☆☆☆

گڈا بھائی سے کیا وعدہ پورا کرنے ستارہ کا پتا کرتی اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔

اس دھان پان سی لڑکی سے مل کر اسے پتا چلا کہ وہ تو خود اپنوں کی بے حسی کی ستائی ہوئی تھی۔ وہ جس لڑکے کو پسند کرتی تھی اس کے بھائی کسی قیمت پر اس کی شادی وہاں کرنے پر راضی نہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے نکو خالہ کو پیسے دے کر اس کی شادی بوبے سے کروانے کا کہا تھا۔

"تو تم چپ چاپ بوبے کو قبول کر لو گی؟"

گڈا کو اس لڑکی پر حیرت ہو رہی تھی جو کسی اور کو چاہنے کے باوجود یہ سب ہوتا دیکھ رہی تھی۔

"کیا کروں پھر؟ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں، سارے حربے استعمال کر چکی ہوں لیکن میرے بھائی ماننے پر تیار نہیں۔ اب تو دو ہی راستے بچے ہیں یا تو شادی کر لوں یا پھر اپنی جان دے دوں۔"

وہ شاید سارے حربے استعمال کرنے کے بعد ہار مان چکی تھی تب ہی خاموش بیٹھی سارا کھیل دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو دو نا پھر جان، دے دو، کم از کم میرے بھائی کی جان تو بچ جائے۔ تم اگر کچھ نہیں کر سکتیں تو خودکشی کر کے میرے بھائی کو تو نئی زندگی دے سکتی ہو، وہ بیلی کو چاہتا ہے۔ اسے اگر بیلی نہ ملی تو وہ ضرور مر جائے گا۔"

اس نے اسے صاف اور سیدھی بات بتا دی تھی۔

"پھر......"



Scanned with CamScanner

ستارہ کو لگا یہی لڑکی سب کے لیے امید کی کرن بن سکتی ہے۔ آس دلائی ہے تو حل بھی یہی بتائے گی۔

"پھر یہ کہ جیسا میں کہتی ہوں ویسا ہی کرتی جاؤ۔ میرے کہنے پر عمل کرو گی تو ہم سب اس مشکل سے نکل جائیں گے نہیں تو پھر......"

گڈا کی بات سن کر اس نے خوشی سے اسے گلے لگالیا۔ وہ اس مشکل کی گھڑی میں فرشتہ بن کر آئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے دوڑنے کو تیار تھی۔

☆☆☆

بوبے کی شادی کی تیاریاں ہوتی دیکھ کر بملی کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔

"ککی آنٹی کو پتا نہیں مجھ سے کیا بیر ہے، ہم شاید غریب ہیں اسی لیے وہ میری طرف دیکھتی بھی نہیں۔"

گھر کی چھت پر بوبے کے ساتھ چلتی بملی اسے ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا سوچ کر آج بہت اداس تھی۔

"میں تمہارے بغیر جی نہیں پاؤں گی بوبے۔ کاش تم میرے لیے اسٹینڈ لے سکتے تو پھر دیکھتے تمہاری یہ بملی ساری رکاوٹیں توڑ کر تمہاری زندگی میں شامل ہو جاتی۔"

اسے گلہ تھا وہ اس سے محبت کے وعدے کر کے کتنی جلدی ان وعدوں سے پھر گیا تھا۔

"کسی اور سے ہی شادی کرنی تھی تو پھر میرے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کیوں کھائیں؟ بولو بوبے! مجھ سے محبت کے جھوٹے وعدے کیوں کیے؟"

وہ اس کے سامنے کھڑی اس کی بے وفائی پر رو دینے کو تھی جو چپ چاپ کسی اور کا ہونے جا رہا تھا۔

"تمہارے لیے تو جان بھی دے سکتا ہوں بملی۔ اور میں نے تم سے جتنے وعدے کیے تھے وہ سارے وعدے سچے تھے۔"

وہ اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر ایک بار پھر سے جھوٹ بول رہا تھا۔

اس نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"پھر جھوٹ...... مجھے جان نہیں چاہیے بوبے...... مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔ دو دن بعد تمہاری شادی ہے اور تم اب بھی مجھے محبت کا فریب دے رہے ہو۔"

وہ سنجیدہ تھی اور اسے اس وقت بھی مستیاں سوجھ رہی تھیں۔

"تم فکر نہیں کرو...... میری شادی ہو گی تو صرف تم سے ہو گی۔"

اس کی نشیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ کا یقین دلایا۔

"وہ کیسے؟" اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"ان دو دنوں میں کیا جادو ہو جائے گا۔۔۔ تمہارے پاس کوئی طلسماتی چھڑی آجائے گی جسے تم گھماؤ گے اور میں دلہن بن کر تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں گی۔"

"ہاں چھڑی ہی آجائے گی میرے ہاتھ میں"

اس کے لہجے سے ٹپکتا یقین دیکھ کر بملی کے قدم ڈگمگانے لگے۔

"اور اس چھڑی کا نام جان سکتی ہوں میں؟"

وہ بھی ایک لمحے کے لیے اس کے خوابوں میں ساتھ ہو لی۔

"اس چھڑی کا نام ہے نگو آنٹی۔ وہ چھڑی گھمائیں گی اور سارا منظر بدل جائے گا۔"

ککی اگر ضد کی پکی تھی تو وہ بھی اس کا بیٹا تھا۔ ماں سے کیسے نپٹنا تھا اس سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ گڈا نے نگو آنٹی سے ساری سیٹنگ کر لی تھی۔

نگو آنٹی اگر اماں کو کسی رشتے کے لیے قائل کر سکتی تھی تو اس رشتے پر روکنا بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔

"اگر منظر نہ بدلا تو؟"



Scanned with CamScanner

digest library.com

"تو میں آسمان اٹھا دوں گا"

اس کے گمبھیر لہجے پر اسے پورا یقین تھا لیکن اس دل کا کیا کرتی جو ایک پل میں وسوسوں کی خاک اڑا دیتا تھا۔

☆☆☆

آج بوبے کی شادی تھی۔ گلی کے کوارڑ قمقموں سے سج گئے تھے۔ بوبے کی ساری بہنیں بھی سنوری دولہا بنے بھائی کے پاس بیٹھی نیگ مانگ رہی تھیں۔ معراج دین نے بھی آج نہا دھو کر نئے کپڑے پہن لیے تھے۔ بینڈ باجوں کے ساتھ تھوڑی دیر میں ان کے اکلوتے بیٹے کی بارات روانہ ہونے والی تھی۔

"بیں نی مونا جا اندر، دوڑ کے بھائی کا سہرا تو لے کر آ۔۔۔ میں اپنے پتر کے سر پر اپنے ہاتھوں سے سہرا باندھوں گی۔"

عنابی رنگ کے جوڑے میں آج اس کا بھی رنگ روپ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

"کیوں سارے کام تو نے کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ کوئی کام مجھے بھی کر لینے دے۔ بوبا میرا بھی پتر ہے۔"

وہ دیکھ رہا تھا رشتہ کرنے سے لے کر شادی کی تیاریوں تک اس نے اسے کسی کام میں شریک نہیں کیا تھا اور آج جب پتر کی بارات تیار کھڑی تھی اس وقت بھی وہ خود ہی سارے کام کرنا چاہتی تھی۔

"تو کر لے اپنا شوق پورا۔ شکر ہے تجھے بھی ہوش آیا۔ لے پھڑ، باندھ بوبے کے سر پہ سہرا۔"

شمی نے شاپر سے نکال کے سہرا دیا تو اس نے غصے سے اس کے آگے کر دیا۔

"لے پھڑ یا ہاتھوں میں جان تک گئی ہے تیری۔" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ ایک بار پھر چیخی۔

"نی مونا یہ ذرا نمو کو تو فون لگا کیں۔ وہ ابھی تک آئی نہیں پتا نہیں کہاں مر گئی ہے۔"

معراج دین نے بوبے کو سہرا باندھ دیا تو اس نے مونا کو نمو کا فون ملانے کا کہا جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔

سب لوگ بارات میں شریک ہونے کو تیار کھڑے تھے۔ بجلی چھت پر کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ بے وفا مطمئن بیٹھا اب بھی کسی بازی کے الٹنے کا انتظار کر رہا تھا یا پھر اسے دھوکا دے رہا تھا۔ سہرا باندھ لیا تھا دروازے پر بگھی گھوڑی آ چکی تھی گوندا مولوی صاحب کو بھی لے آیا تھا۔ مولوی صاحب نے ایک اور نکاح بھی پڑھانا تھا اس لیے وہ جلدی چلے آئے تھے۔ بارات روانہ ہونے والی تھی۔

اب آگے کا منظر اس کی برداشت سے باہر تھا وہ ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی۔

تب ہی کھلے دروازے سے نمو ہاتھ ملتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس پر پہلی نظر بھی گلی کی پڑی تھی۔

"بیں نی تو کہاں مر گئی تھی۔۔۔ چنگی تو میری سہیلی ہے بندہ آ کر پوچھتا ہے کوئی کام تو نہیں میرے لائق۔"

وہ روانی میں بولتی آگے بڑھی لیکن اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا۔

"نمو۔ سچ سچ، بتا کیا خبر لے کر آئی ہے۔"

اس کا اترا ہوا چہرہ اسے بتا گیا تھا، کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔

"نی بول وی منحوسے! کیا خبر لائی ہے۔ سویرے سے تیرا نمبر ملا ملا کے تھک گئی ہوں، کوئی جواب ہی نہیں مل رہا۔ مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔"

اس کا دل بیٹھنے لگا تھا۔

"وہ میں تو تجھے رات ہی آ کر بتا دیتی پر ہمت نہیں ہوئی۔"

نمو کی پہیلیاں اس کی جان لے لیتیں۔

"نی بکواس کر، کیا ہمت نہیں ہوئی"

"وہ ستارہ کے بھائی کا فون آیا تھا، وہ رات ہی کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ میں بھلا کس منہ سے تجھے یہ خبر دینے آتی۔"

نمو کی آمد نے اچھے بھلے خوشیوں کے ماحول کو

سوگوار کر دیا تھا۔

"ہائے میں مر گئی۔۔۔نی مونا اوڈر کے پانی لے آ میرے دل کو کچھ ہو گیا ہے۔"

نکی نے سنا تو غش کھا کر بے ہوش ہو گئی۔ مونا پانی لینے دوڑی تو بے بی اور نمی ماں کو اٹھا کر اندر کمرے میں لے گئیں۔

"میں پھر جاؤں اب؟"

مولوی صاحب بھی ساری بات سن کر سمجھ گئے تھے اب یہاں ان کا کوئی کام نہیں۔

"مولوی صاحب! آپ کہاں جا سکتے ہیں بیٹھیں یہ اب ہماری عزت کا سوال ہے نکاح ہو گا اور ابھی ہو گا۔"

میدان خالی دیکھ کر معراج دین میدان میں کود گیا۔ اس نے بوبے کو اپنی جگہ سے اٹھایا۔

بوبا سہرے کی لڑیاں پیچھے کرتا اپنی جگہ سے اٹھ گیا اسے پتا تھا اس سے آگے اب اس کا کام تھا۔ وہ دوڑ کر گیا اور بیلی کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا۔

"مولوی صاحب آپ نکاح شروع کریں۔"

ان کے بیٹھتے ہی معراج دین نے مولوی صاحب سے نکاح شروع کرنے کا کہا۔ پاس کھڑی عورتوں میں سے کسی ایک نے آگے بڑھ کر بیلی کے اوپر لال دوپٹہ ڈال دیا۔

تھوڑی دیر میں مبارکوں کی آواز سے صحن گونج اٹھا۔

نکی کو پانی پی کر ہوش آیا تو وہ مبارک باد کی آواز سن کر گھبرائی ہوئی باہر چلی آئی۔

نکاح ہو چکا تھا۔ مولوی صاحب کو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے دیکھ کر نکی منہ پر ہاتھ رکھے دیکھتی رہ گئی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

وہ آگے بڑھی لیکن اس سے پہلے گڈا درمیان میں کود گئی۔

"مولوی صاحب دوسرا نکاح بھی شروع کریں۔" اسے ڈر تھا، کہیں مونا کا نکاح نہ رہ جائے۔

"ہیں......نی یہ تو کس کے نکاح کی بات کر رہی ہے؟"

وہ ابھی سوال جواب کی گتھیاں ہی سلجھا رہی تھی کہ مولوی صاحب نے نکاح شروع کر دیا۔

اس نے دیکھا گوتکے کو کرسی پر پکڑ کر بٹھا دیا گیا تھا اور یہ لال دوپٹے میں منہ چھپائے کون بیٹھی تھی۔

"بچی سے اجازت لے لیں پہلے۔"

مولوی صاحب نے یاد دلایا تو معراج دین انہیں لے کر اندر کمرے میں مونا کے پاس چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں سب گوتکے کو نکاح کی مبارک باد دے رہے تھے۔

وہ سب کے درمیان حیران پریشان کھڑی دیکھ رہی تھی۔

پل میں کایا پلٹ گئی تھی۔ گوتکا اس کا داماد بن گیا تھا اور پہلی مبارک باد ہی اسے ابھی تک سمجھ نہیں آ پائی تھی۔

"ہیں نی باقی سب تو ٹھیک ہے پر یہ لال دوپٹے میں کون یہاں بیٹھی ہے۔ ذرا اسے تو اٹھاؤ"

بوبے کے ساتھ لال دوپٹہ ابھی تک اس کے لیے معمہ بنا ہوا تھا۔

"اماں! یہ آپ کی بہو ہے اور اس کا گھونگھٹ تو اب میں کمرے میں جا کر ہی اٹھاؤں گا۔"

بوبے کی بات پر اس نے حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"ہیں......تیری شادی.....کب ہوئی؟"

وہ حیران ہوتی بوبے کے سر پر پہنچ گئی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں، اس کے اندر وہ منحوس بیلی ہی ہو گی۔"

اس نے آگے بڑھ کر بیلی کے سر سے لال دوپٹہ کھینچ دیا۔

"ہائے میں مر گئی۔ بیلی تو۔" بیلی کو بوبے کے برابر میں بیٹھا دیکھ کر اس کا سر چکرا گیا۔

"ہائے میں مر گئی جے......نی، مونا مینوں پھڑو، میں گئی؟"

بیلی کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھ کر وہ ایک بار پھر سے بے ہوش ہو کر گر گئی تھی۔

☆☆



Scanned with CamScanner

## اداس موسم کے رت جگوں میں

اداس موسم کے رت جگوں میں
ہر ایک لمحہ بکھر گیا تھا
ہر ایک رستہ بدل گیا تھا
پھر ایسے موسم میں کون آئے
کوئی تو جائے
ترے نگر کی مسافتوں کو سمیٹ لائے
تری گلی میں ہماری سوچیں بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے
اچھالتا ہے وفا کے موتی
تمہاری جانب کوئی تو جائے
مری زباں میں تجھے بلائے، تجھے منائے
ہماری حالت تجھے بتائے، تجھے رلائے
تو اپنے دل کو بھی چین آئے

سعد اللہ شاہ

اب شوق سفر، خواہش یکجائی بہت ہے
دشمن ہی ملے، راہ میں تنہائی بہت ہے

ہم کون سے غالب تھے کہ شہرت ہمیں ملتی
دنیا تری اتنی بھی پذیرائی بہت ہے

زخموں کی نمائش کا سلیقہ نہیں ہم کو
و[illegible] کہ انہیں شوق مسیحائی بہت ہے

لوگوں سے تعارف [illegible] جان نہ پہچان
دل ہے کہ اسی بزم کا شیدائی بہت ہے

گلیوں میں مگر کوئی دریچہ نہیں کھلتا
آپس میں یہاں شور شناسائی بہت ہے

شامیں ہیں بہت سوختہ، برسات میں ساجد
کہنے کو بھرا شہر ہے، تنہائی بہت ہے

اعتبار ساجد



digest library.com

Scanned with CamScanner

شگفتہ نگاہ

# رنگا رنگ پھول

digest library.com

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے واجب ہونے سے پہلے جلدی کرتے ہوئے زکاۃ ادا کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

فائدہ:

پیشگی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے زکاۃ ادا کردی جائے۔ وقت آنے پر حساب کرکے کمی بیشی پوری کرلی جائے۔ یہ جائز ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ روایت حسن ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

## نو نشانیاں

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی اور دیار مصر میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پر ظاہر کیا اور وہ نشانیاں یہ ہیں۔

(۱) عصا (۲) ید بیضا (۳) طوفان (۴) ٹڈی (۵) گھن کا کیڑا (۶) مینڈک (۷) خون (۸) خارش (۹) قحط سالی۔

## سنہری باتیں

☆ جو شخص بہانے بنانے میں بہت اچھا ہو، وہ کسی اور کام میں اچھا نہیں ہو سکتا۔

☆ محبت دور کے لوگوں کو قریب، اور عداوت قریب کے لوگوں کو دور کر دیتی ہے۔

☆ پرانا تجربہ نئی تعمیر کی بنیاد ہوتا ہے۔

☆ بے وقوف آدمی کا اصل المیہ یہ ہے کہ اس کی کوئی حماقت آخری نہیں ہوتی۔

## جذباتی قوم

نکاح سے کچھ دیر پہلے قاضی صاحب نے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا "اگر کسی کو اس نکاح پر اعتراض ہو تو ابھی بتا دے......"

سب ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایسے میں آخری قطار میں سے ایک خوب صورت نوجوان لڑکی گود میں بچی لیے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اسٹیج کی جانب چل پڑی۔

شادی ہال میں سناٹا چھا گیا تھا، صرف اس کے اونچی ایڑی والے سینڈل کی آواز گونج رہی تھی۔

اس کو دیکھتے ہی دلہن نے دولہا کو تھپڑ مارنے شروع کر دیے۔

دلہن کا باپ بندوق لینے بھاگا۔

دلہن کی ماں اسٹیج پر ہی بے ہوش ہو گئی۔

سالیاں دولہا کو کوسنے لگیں اور سالے آستینیں چڑھانے لگے۔

قاضی صاحب نے سب کو خاموش ہو جانے کی تلقین کرتے ہوئے لڑکی سے پوچھا۔

"بی بی! آپ کا کیا مسئلہ ہے؟"

لڑکی بولی "جی...... وہ...... پیچھے ٹھیک سے آواز نہیں آ رہی تھی اس لیے آگے آ گئی ہوں۔"

نتیجہ:۔ ہم ایک جذباتی قوم ہیں۔

## انسان کی سرشت

چیتے نے کتے سے پوچھا: تم نے انسانوں کو کیسا پایا؟

کتے نے جواب دیا: جب وہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں تو اسے کتا کہتے ہیں۔

چیتا: کیا تم نے ان کے بچوں کو کھایا؟

کتا: نہیں۔



Scanned with CamScanner

چیتا: کیا تم نے انہیں دھوکا دیا؟
کتا: نہیں۔
چیتا: کیا تم نے ان کے مویشی مارے؟
کتا: نہیں۔
چیتا: کیا تم نے ان کا خون پیا؟
کتا: نہیں۔
چیتا: کیا تم نے ان کو میرے حملوں سے بچایا؟
کتا: ہاں۔
چیتا: انسان بہادر اور ہوشیار کو کیا کہتے ہیں؟
کتا: وہ اسے چیتا کہتے ہیں۔
چیتا: کیا ہم نے تمہیں شروع سے مشورہ نہیں دیا تھا کہ ہمارے ساتھ چیتا بن کر رہو مگر تم نے انسانوں کے تحفظ کا ٹھیکے دار بننا پسند کیا۔ میں ان کے بچوں اور مویشیوں کو مارتا ہوں، ان کا خون پیتا ہوں، ان کے وسائل اور محنت کھا جاتا ہوں، اس کے باوجود نہ صرف وہ مجھ سے ڈرتے ہیں بلکہ اپنے ہیروز کو چیتے کے طور پر بیان کرتے ہیں۔
تمہیں یہ سیکھنا چاہیے کہ انسان اپنے جلادوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اپنے وفاداروں اور ہمدردوں کی توہین کرتے ہیں۔
(ہسپانوی ادب کا انتخاب "غلامی کی آخری رتی" سے اقتباس)

## اظہار حیرت

اصلاحی کاموں میں حصہ لینے والی ایک خاتون نے ایک صاحب کو شراب خانے سے نکلتے دیکھا تو بولیں۔
"کتنے افسوس کی بات ہے کہ میں آپ جیسے انسان کو ایسی جگہ سے باہر آتے دیکھ رہی ہوں۔"
وہ صاحب حیرت سے بولے "تو خاتون! آپ کا کیا خیال ہے کہ میں ساری رات اندر ہی بیٹھا رہتا۔"

## تبصرہ

مشہور ادیبہ ڈورتھی پارکر اپنے مشہور ادبی کالم "مستقل قاری" میں مختلف کتابوں پر تبصرہ کیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے ایک ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔
"یہ کتاب نہایت خوب صورت سرورق سے مرصع ہے۔ لفظوں کے ہجے بھی درست ہیں۔ زبان بھی ٹھیک ہے۔ طباعت بھی معیاری ہے۔ لیکن اپنے لفظوں اور موضوع کے اعتبار سے ایسی نہیں ہے کہ اسے پڑھ کر آرام سے بک شیلف میں سجایا جائے بلکہ اسے پوری قوت سے سامنے والی دیوار پر مارنے کو دل کرتا ہے۔"

## حجام

ایک محفل میں قتیل شفائی اپنے حجام کی خوبیوں کا ذکر کر رہے تھے اور بات آ پہنچی اس نکتہ پر کہ انسانی جسم میں دو ایسی دو کون سی چیزیں ہیں؟ جنہیں کاٹا جائے تو لہو کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔
سب حیران ہوئے کہ دو ایسی کون سی چیزیں ہیں جو کٹ بھی جائیں اور لہو بھی نہ نکلے۔
قتیل صاحب نے جلد ہی سب کی حیرانی یہ بتا کر دور کر دی کہ انسانی جسم میں یہ دو چیزیں جن کو کاٹنے سے خون نہیں نکلتا، ایک تو انسانی بال ہیں دوسرے ناخن——
ابھی قتیل صاحب نے فقرہ بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ منیر نیازی بولے:
"قتیل! تو فیر ساڈے پنڈ دا نائی نہیں ویکھیا۔"
(تو نے پھر ہمارے گاؤں کا حجام نہیں دیکھا)

## مسئلے کا حل

شوہر روزانہ صبح دفتر جانے سے پہلے موبائل فون پر بیوی کی ایک تصویر لیتا ایک دن بیوی نے وجہ پوچھی تو شوہر نے جواب دیا: "جب بھی مجھے دفتر میں کوئی مسئلہ پیش آئے تو میں تمہاری تصویر دیکھتا ہوں پھر چاہے کتنا بڑا مسئلہ ہو یک دم غائب ہو جاتا ہے۔"
بیوی: "یعنی میری تصویر دیکھنے سے تمہیں حوصلہ اور ولولہ ملتا ہے؟"
شوہر: "ہاں ایسا ہی ہے میں تمہاری تصویر دیکھ کر خود سے کہتا ہوں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے؟ اور میں تازہ دم ہو جاتا ہوں۔"
☆☆



Scanned with CamScanner

روحیلہ خان

# میری بیاض سے

زریں حسین.................................کراچی

ہم نے تو ہر دکھ کو محبت کی عنایت سمجھا
ہم کوئی تم تھے جو اوروں سے شکایت کرتے

مہ ناز فاطمہ.................................فیصل آباد

تڑپتا ہے، سسکتا ہے، ترستا ہے مگر محسن
اسے کہہ دو کسی کے ہجر میں مرتا ، نہیں کوئی

صوفیہ معین.................................سکھر

یہ نہ سمجھو کہ ہمیں تم سے محبت نہیں
ہمیں تو عادت ہے بس خاموش رہنے کی

حمیرا آرائیں.................................بھکر

محبت [illegible] اترا ہوا موسم ہے جاناں
تعلق ختم کرنے [illegible] محبت کم نہیں ہوتی
بہت کچھ تجھ سے بڑھ کر بھی میسر [illegible]
نہ جانے پھر بھی کیوں تیری ضرورت کم نہیں ہوتی

ثمینہ شہزاد.................................لاہور

کیا خبر میرا سفر اور کتنی دور کا
کاغذی اک ناؤ ہوں اور تیز رو پانی میں ہوں

فریحہ سبحان.................................کراچی

وہ چاہتا تو یہ حالات ٹھیک ہو جاتے
بچھڑنے والے سب ہی ایسا سوچتے ہوں گے
کہا بھی تھا کہ زیادہ قریب مت آؤ
بتایا تھا کہ تمہیں مجھ سے مسئلے ہوں گے

حمیرا مظفر.................................امریکا

جان سے پیارا ہو نہیں سکتا ہو گیا تو ؟
عشق دوبارہ ہو نہیں سکتا ہو گیا تو ؟
بس یہ سوچ کے خوشبو مٹھی میں بھر لی
پھول شرارہ ہو نہیں سکتا ہو گیا تو؟

سعدیہ دعمیس.................................لندن

دل بے چین کدھر جائے خود سے خفا ہو کر
گزر گیا اک برس اور تم سے جدا ہو کر

شہلا زمان.................................سیالکوٹ

ہجوم شہر سے ہٹ کر ، حدود شہر کے بعد
وہ مسکرا کے ملے بھی تو کون دیکھتا ہے
جس آنکھ میں کوئی چہرہ نہ کوئی عکس طلب
وہ آنکھ جل کے بجھے بھی تو کون دیکھتا ہے

فرحین بیگ.................................صادق آباد

جیسا موڈ ہو ویسا منظر ہوتا ہے
موسم تو انسان کے اندر ہوتا ہے
جانے کون گزرتا ہے اس رستے سے
یہ رستہ ہر روز منور ہوتا ہے

شمشاد بانو.................................گلشن اقبال

[illegible] بار [illegible] کے بھی برسا پڑے پڑے
[illegible] اجاڑ [illegible] صحرا ہرے ہرے

سحر عمر.................................[illegible]

پھر کاگا بولا گھر کے [illegible] میں
پھر امرت رس کی بوند پڑی تم یاد آئے

فاکہہ سہیل.................................کراچی

محبتوں میں شمار کیسا ، سوال کیسا ، جواب کیسا
محبتیں تو محبتیں ہیں ، محبتوں میں حساب کیسا

تاج.................................لاہور

وہی منصف ، وہی قاتل ، عدالت اس کی ، وہی شاہد
بہت سے فیصلوں میں اب طرف داری بھی ہوتی ہے

طوبیٰ قطب.................................کراچی

پھر نہ ملنے کو بچھڑتا ہوں تجھ سے لیکن
مڑ کے دیکھوں تو پلٹنے کی دعا دیتا ہوں

☆☆



digest library.com

Scanned with CamScanner

امۃ الصبوح

# جاڑوں کی ڈائری

## ناہید اسماعیل کی ڈائری سے

بظاہر خوش نظر آتے لوگ اپنے اندر کیا اور کیسے کیسے دکھ سمیٹے ہوئے ہیں، دیکھنے والی آنکھ نہیں جان پاتی۔ فضل الرحمان نے اپنی اس نظم میں ایسے ہی اداس دلوں کی کیفیت کو الفاظ میں سمویا ہے۔

دکھ کسی کے اندر کا
کون دیکھ سکتا ہے
مسکراتی آنکھوں کی
اوٹ میں جو آنسو ہیں
کس قدر وہ کڑوے ہیں
کون جان سکتا ہے
ہونٹوں پہ تبسم کا
یہ جو اک دکھاوا ہے
اس کے پیچھے جو غم ہے
کس قدر بھیانک ہے
یہ جو خوش مزاجی ہے
اس کی کیا حقیقت ہے
اور کتنی قیمت ہے
ایسے مسکرانے میں
درد کو چھپانے میں
ہم اداس لوگوں کی جس قدر ریاضت ہے
کون جان سکتا ہے

## سلمیٰ مسرت کی ڈائری سے

علی سید کی سادہ سی مگر پر اثر غزل قارئین کے نام

جانے کب لوٹ کر بہار آئے
پھول یہ سوچ کر بھی مرجھائے

آئینہ ہوگیا تھا میں شاید
اس لیے آپ مجھ سے شرمائے

ہم تو کانٹوں پہ سونے والے تھے
زخم پھولوں سے ہم نے کیوں کھائے!

کام پڑنے تھے ان کو مجھ سے بھی
وہ مرے کام اس لیے آئے!

موت ہی اس کی آنکھ کھولے گی
زندگی کو نہ ہم جگا پائے

درس دیتی ہے شہد کی مکھی
جس کی فطرت ہے جو، وہیں جائے

جو سمجھتے نہیں علی سید
وقت ممکن ہے ان کو سمجھائے

## زرینہ خانم کی ڈائری سے

کومل جوئیہ کی یہ غزل آپ کو بھی پسند آئے گی

ہمارے دل کے مکاں میں سدا مکیں رہیں گے
خسارے ضد پہ اڑے ہیں کہ اب یہیں رہیں گے

ہم اپنا زاویہ ہرگز بدلنے والے نہیں
جو دل نشیں ہیں ہمیشہ ہی دل نشیں رہیں گے

ہزار وقت کا مرہم لگائیں گھاؤ پر
یہ داغ ہجر یقیناً کہیں کہیں رہیں گے

ذرا شکستہ سہی، اک نشان کی صورت
جہاں سے ہم کو ہٹایا ہے ہم وہیں رہیں گے



Scanned with CamScanner

گلا ہی چھیل لیا ہے وضاحتیں دے کر
ہمیں گماں بھی نہ تھا، آپ بے یقیں رہیں گے

پیا ہوا ہے یہاں کب کسی نے آبِ حیات
یہ ظلم کرتے ہوئے لوگ بھی نہیں رہیں گے

**صدف ناصر** کی ڈائری سے

جون ایلیا نئی نسل کے مقبول ترین شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ جون ایلیا کو ان کی وفات کے بعد جو پذیرائی، جو مقبولیت ملی وہ انہیں زندگی میں نصیب نہیں ہوئی۔ یہ بھی وقت کا بھی ایک ستم ہے۔ شاید بہت زیادہ ذہین لوگوں کا مقدر یہی رہے۔

کتنے عیش سے رہتے ہوں گے، کتنے اتراتے ہوں گے
جانے کیسے لوگ وہ ہوں گے جو اس کو بھاتے ہوں گے

شام ہوئے خوش باش یہاں کے میرے پاس آ جاتے ہیں
میرے بجھنے کا نظارہ کرنے آ جاتے ہوں گے

وہ جو نہ آنے والا ہے نا، اس سے مجھ کو مطلب تھا
آنے والوں سے کیا مطلب، آتے ہیں، آتے ہوں گے

اس کی یاد کی بادِ صبا میں اور تو کیا ہوتا ہوگا
یوں ہی میرے بال ہیں بکھرے اور بکھر جاتے ہوں گے

میرا سانس اکھڑتے ہی سب بین کریں گے روئیں گے
یعنی میرے بعد بھی یعنی سانس لیے جاتے ہوں گے

**حمدہ خان** کی ڈائری سے

غلام محمد قاصر کی غزلیں مجھے بہت پسند ہیں۔ ان کے کچھ اشعار تو ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ یہ غزل پڑھیے، آپ کو ان کے لہجے اور فکر کی تازگی کا احساس ہوگا۔

موسم بھی نہیں بدلا، منظر بھی نہیں بدلا
اس شہر کو جانے کا، رستہ بھی نہیں بدلا

کشتی بھی نہیں بدلی، دریا بھی نہیں بدلا
ہم ڈوبنے والوں کا جذبہ بھی نہیں بدلا۔

تم چھوڑ گئے جیسے، سب ویسا ہی رکھا ہے
بستر کی وہی چادر، تکیہ بھی نہیں بدلا

تصویر نہیں بدلی، شیشہ بھی نہیں بدلا
نظریں بھی سلامت ہیں، چہرہ بھی نہیں بدلا

بیکار گیا بن میں، سونا میرا صدیوں کا
اس شہر میں تو اب تک، سکہ بھی نہیں بدلا

بے شوق سفر ایسا، اک عمر سے یاروں نے
منزل بھی نہیں پائی، رستہ بھی نہیں بدلا

تم کچھ تو نباہ دیتے آخر کو محبت تھی
ہم نے تو عقیدت میں لہجہ بھی نہیں بدلا

**روحیلہ خان** کی ڈائری سے

منیر نیازی کی شاعری کیا ہے، ان کی شاعری کا ادب میں کیا مقام ہے یہ سب ہی جانتے ہیں۔ ان کی یہ غزل آپ کی نذر

کتابِ عمر کا اک اور باب ختم ہوا
شباب ختم ہوا، اک عذاب ختم ہوا

ہوئی نجات سفر میں فریبِ صحرا سے
سراب ختم ہوا، اضطراب ختم ہوا

برس کے کھل گیا بادل ہوائے شب کی طرح
فلک پہ برق کا وہ پیچ و تاب ختم ہوا

جواب دہ نہ رہا میں کسی کے آگے "منیر"
وہ اک سوال اور اس کا جواب ختم ہوا

☆☆

# آپ کا باورچی خانہ

فرحانہ مہناز

ج۔ کھانا بناتے وقت صفائی کا خاص خیال رکھتی ہوں کیونکہ اسی میں صحت ہے۔ اور غذائیت تو اب کھانے میں نہیں ہوتی اور اس میں صنف نازک کا قصور نہیں، کیونکہ مصنوعی کھادیں، کھارا پانی اور بہت سی چیزوں نے مل کر خوراک میں غذائیت ختم کر دی ہے۔ میرا جزو پسند ناپسند تو جناب خالص بچوں کی پسند سے کھانا بنتا ہے۔

ج۔ گھر میں اچانک مہمان آج سے دس پندرہ سال پہلے آتے تھے جب موبائل ان نہیں تھا۔ اب تو مہمان گھر میں پہنچے نہیں اور فون آجاتا ہے کہ پہلے کس بھائی کے گھر جاتا ہے اور ہمارے ہاں کب تک آمد متوقع ہے۔ تو اس حساب سے اگر دوپہر میں آئیں تو قورمے کے ساتھ پلاؤ رائتہ اور اگر رات میں آئیں تو قورمے کے ساتھ کسٹرڈ بنا لیتی ہوں۔

ج۔ بچے اسکول جاتے ہیں تو ناشتہ اور لنچ بکس تیار کرنے کے لیے انڈے بریڈ ہی استعمال ہوتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے ایک چیز جو جلدی میں تیار کر سکتی ہوں اور کیلوریز بھی فل ہوتی ہے اس میں، اس کی ترکیب حاضر ہے۔

ایک باؤل میں تھوڑے سے دودھ میں چینی اور انڈے مکس کر کے آمیزہ تیار کرلیں۔ اب پین میں تھوڑا سا آئل یا دیسی گھی ڈالیں۔ یہ آمیزہ بریڈ کے دونوں طرف لگائیں اور تل لیں۔ لیں جی فرنچ ٹوسٹ تیار ہیں۔ اب چائے کے ساتھ بچوں کو بھی دے دیتی ہوں اور خود بھی کھا لیتی ہوں۔

ج۔ کچن میرا اور میری دیورانی کا جوائنٹ ہے۔ اس لیے کھانا پکاتے وقت جو اشیاء استعمال ہوتی ہیں ان کو فوراً اپنی جگہ پر واپس رکھا جاتا ہے۔ سنک میں برتن دھونا، ہانڈی بھوننے کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ کھانا بنا کر سلیب اور برنر کھانے کے ساتھ ہی صاف کرتی ہوں۔ ڈسٹر ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے، ساتھ ساتھ دیورانی سے باتیں اور ہاتھ دونوں چلتے ہیں، باقی تفصیلی اور فرش کی صفائی باری سے کرتی ہیں۔

ج۔ پہلے تو مہینے بعد میاں صاحب اسلام آباد سے آتے تو ڈی سی ٹاپ چلے جاتے لیکن اب باہر کے کھانوں سے ڈر لگتا ہے۔ پھر بھی بچوں کی برتھ ڈے پر فرائی چکن پیزا وغیرہ کھا لیتے ہیں۔

6۔ کھانے موسمی ہی اچھے لگتے ہیں۔ گرمیوں میں کریلے گوشت، پلاؤ، ملک شیک، سردیوں میں مکس سبزی، پائے، گجریلا، اورنج جوس، سوئٹ کپل (یعنی ہم دونوں) کی پسندیدہ خوراک ہے۔

7۔ بقول میرے مجازی خدا کے میں تو سب کھانے ہی بہت اچھے اور لذیذ بناتی ہوں۔ (بھئی وہاں پہ ہوٹلوں کا، ملازم لڑکے کے ہاتھ کا کھانا جو کھاتے ہیں)۔

لیکن سوئٹ قارئین کے لیے تو سوچنا پڑے گا چلیے جی بچوں کی پسند کی چائنیز بریانی جو میری اپنی ایجاد ہے بغیر سویا ساس اور چلی ساس کے۔ حاضر خدمت ہے۔

چھوٹی چھوٹی بوٹیوں والا چکن آئل میں فرائی کریں تھوڑی دیر بعد چپس ٹائپ کٹے آلو، گاجر گول شیپ میں پیاز اور مٹر، شملہ مرچ کاٹ کر اسی چکن میں دو منٹ فرائی کریں۔ اب الگ دیگچی میں پیاز بغیر براؤن کیے یعنی وائٹ ساہی ہو اس میں کالی مرچ نمک، ٹماٹر، ادرک، ثابت گرم مسالہ ڈالیں بھون کر چاول کے حساب سے پانی ڈالیں، ابال آنے پر پہلے سے بھگوئے ہوئے چاول ڈال دیں۔

آخر میں دم سے پہلے مکس سبزیاں ڈال دیں دس منٹ دم پر رہنے دیں۔ میری چائنیز بریانی میرے بچے بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ اختتام اللہ تعالیٰ ہم سب کے نعمت خانے کو آباد رکھے۔ (آمین)



Scanned with CamScanner

# موسم کے پکوان

واصقہ سہیل

## چکن پراٹھا رول

اجزا:

چکن — آدھا کلو
پسی لال مرچ — تین کھانے کے چمچے
پسا گرم مسالہ — ایک چائے کا چمچہ
ادرک — ایک چائے کا چمچہ
دہی — ایک چوتھائی کپ
فریش کریم — گارنشنگ کے لیے
نمک — حسب ذائقہ
تیل — چار کھانے کے چمچے

ترکیب:

کسی برتن میں تیل گرم کر کے بون لیس چکن ڈال کر فرائی کریں، سنہری ہو جائے تو پیاز، لال مرچ، پسا گرم مسالہ، ادرک، دہی اور نمک ڈال کر ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ چکن گل جائے تو بھون کر چولہے سے اتار لیں۔

پراٹھا لے کر اس میں حسب پسند چکن رکھ کر اس میں کریم ڈال کر رول کر لیں۔ گرم گرم پراٹھا رول سحری میں بہت مزا دیں گے۔

## چائنیز ایگ ویجی ٹیبل

ضروری اشیاء:

انڈے — چار عدد
کھانے کا زرد رنگ — ایک چٹکی
نمک — حسب ذائقہ
کٹی کالی مرچ — آدھا چائے کا چمچہ
شملہ مرچ — ایک عدد
پیاز — ایک عدد
گاجر — ایک عدد
بینز کے دانے — آدھا کپ
تیل — ایک چوتھائی کپ
لہسن — دو جوے

ترکیب:

کسی برتن میں تیل اور لہسن ڈال کر ہلکا سا فرائی کرنے کے بعد باریک کٹی شملہ مرچ، گاجر، ایک چھوٹی پیاز اور بینز کے ابلے ہوئے دانے ڈال کر فرائی کریں۔ نمک، کالی مرچ ڈال کر مکس کریں اور پلیٹ میں نکال لیں۔ اب انڈوں میں نمک، کٹی کالی مرچ اور زرد رنگ ڈال کر پھینٹیں اور تھوڑے تیل کو فرائی پین میں گرم کر کے انڈے کے دو آملیٹ بنالیں اور رول کر کے اسٹریپ کاٹ لیں۔ سبزیوں میں ملا کر چاول یا گارلک بریڈ کے ساتھ سحری میں پیش کریں۔

## میکرونی چکن سلاد

ضروری اشیاء:

میکرونی — ایک پیکٹ
مرغی کا گوشت — ایک پاؤ
لیموں کا رس — تین عدد
پیاز — ایک عدد
چلی ساس — دو چائے کے چمچے
لہسن — ایک کھانے کا چمچہ
زیتون — حسب پسند
گاجر — ایک عدد
شملہ مرچ — ایک عدد
نمک — حسب ذائقہ
کالی مرچ — حسب ذائقہ
سویا ساس — دو چائے کے چمچے
تیل — چار کھانے کے چمچے
لیموں — ایک عدد

ترکیب:

کسی برتن میں تیل، سویا ساس، چلی ساس، نمک اور مرغی کا گوشت ڈال کر اتنی دیر تک بھونیں کہ اس کا پانی خشک ہو جائے۔ آٹھ کپ پانی میں حسب ذائقہ نمک اور ایک

digestlibrary.com



Scanned with CamScanner

کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر ابالیں۔ اب ابلتے ہوئے پانی میں میکرونی ڈالیں اور دس منٹ تک مزید ابالیں۔ میکرونی میں سے پانی چھان کر ٹھنڈا پانی گزار دیں۔ اب ایک چمچہ تیل ملا دیں تاکہ یہ آپس میں چپکے نہیں۔

**لیمن ڈریسنگ کے لیے**

لیموں کا رس، تیل اور نمک کو گرائنڈ کریں ساتھ ہی سیاہ پسی ہوئی کالی مرچ بھی مکس کریں اسی ڈریسنگ میں مرغی کا گوشت، میکرونی، گاجر، شملہ مرچ، زیتون اور پیاز ملا کر افطار کا مزہ لیں۔

## وائٹ ساس کٹلٹس

ضروری اشیاء:۔

| | |
|---|---|
| آلو | ایک کلو |
| نمک | حسب ذائقہ |
| مٹر | ایک پاؤ |
| گاجر | ایک پاؤ |
| ہرا دھنیا | حسب ذائقہ |
| انڈے | چار عدد |
| سبز مرچ | حسب ضرورت |
| رس کا چورا | حسب ضرورت |
| لال مرچ | ایک کھانے کا چمچہ |
| میدہ | دو کھانے کے چمچے |
| پسی کالی مرچ | حسب ذائقہ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | ایک کھانے کا چمچہ |

ترکیب:

میدہ میں کالی مرچ، نمک اور پانی مکس کرکے پتلا سا گھول لیں، تیل کو فرائی پین میں گرم کریں، اس میں یہ آمیزہ ڈال دیں، دو منٹ چمچہ چلائیں اور اتار لیں، وائٹ ساس تیار ہے۔

فرائی پین میں تھوڑا سا تیل ڈال کر گرم کریں، اس میں مٹر، گاجر، انڈے ڈال کر ہلکا سا چمچہ چلائیں، نمک اور کالی مرچ ڈالیں، ہرا دھنیا، ہری مرچ کاٹ کر شامل کریں، فلنگ تیار ہے۔

آلو ابال کر چھیل لیں۔ میش کیے آلوؤں میں وائٹ ساس شامل کرکے اچھی طرح مکس کریں۔ آلو کا تھوڑا سا آمیزہ ہتھیلی پر رکھ کر اس میں فلنگ ڈالیں، آلو کو کباب کی شکل دیں۔

تیل گرم کریں اور کبابوں کو پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کریں، اس کے بعد رس کے چورے میں ڈپ کرکے سنہری تل لیں۔ تیار ہو جائیں تو ٹماٹو کیچپ اور رائتہ کے ساتھ افطار میں پیش کریں۔

## وائٹ چکن مکھنی پیزا

ضروری اشیاء:۔

| | |
|---|---|
| مرغی | ایک پاؤ |
| پیزا روٹی | ایک عدد |
| نمک | حسب ذائقہ |
| سفید مرچ | ایک چوتھائی چائے کا چمچہ |
| کالی مرچ | ایک چوتھائی چائے کا چمچہ |
| لہسن | ایک چوتھائی چائے کا چمچہ |
| کریم | آدھا کپ |
| مکھن | دو کھانے کے چمچے |
| لیموں کا رس | ایک چائے کا چمچہ |
| چیڈر چیز، موزریلا چیز | حسب ضرورت |
| پیزا ساس | حسب ضرورت |
| شملہ مرچ | ایک عدد |

ترکیب:

کسی برتن میں مکھن گرم کرکے اس میں چکن، سفید مرچ، کالی مرچ، لہسن، ادرک پیسٹ اور نمک ڈال کر فرائی کریں (فرائی کرتے ہوئے پانی کے چھینٹے بھی دیں)۔ اب اس میں کریم ڈال کر خوب اچھی طرح بھون لیں۔ آخر میں لیموں کا رس شامل کرکے اس برتن کو چولہے سے اتار لیں۔

ایک پیزا پین میں تیل لگا کر اسے چکنا کریں۔ اب اس میں پیزا روٹی بچھا کر روٹی پر تیار کی ہوئی مرغی کی فلنگ رکھ کر اس پر شملہ مرچ، موزریلا چیز، چیڈر چیز کدوکش کرکے ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں ایک سو پچاس ڈگری پر رکھ کر بیس سے پچیس منٹ تک بیک کریں۔ مزیدار وائٹ چکن مکھنی پیزا افطار میں بچے بڑے سب شوق سے کھائیں گے۔ اوون نہ ہو تو توے یا دیگچی میں بھی بنایا جا سکتا ہے۔ پیزا روٹی بیکری پر تیار مل جاتی ہے۔

☆☆



Scanned with CamScanner

# نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

سنبل ...... لاہور

ہم ابھی تھوڑے عرصے پہلے یہاں آئے ہیں۔ ہمارے علاقے میں لڑکیاں عورتیں بہت بن ٹھن کر باہر نکلتی ہیں۔ میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں، میری ایک آٹھ سال کی بیٹی ہے اور ایک پانچ سال کی، ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ اب آپ کے یہاں اولاد نہیں ہو سکتی تو میرے میاں نے "کوئی بات نہیں ہماری بیٹیاں ہی سب کچھ ہیں۔" وہ مجھے بہت چاہتا ہے۔

یہ سننا تھا کہ میری ساس کو مجھ سے چڑ ہو گئی کہ اب اس کے یہاں تو بیٹا ہو نہیں سکتا ہر وقت لڑائی، کٹ کٹ، میں تو پریشان ہو گئی۔ میں میٹرک پاس ہوں اور میرا شوہر پانچ جماعتیں بھی نہیں پڑھا لیکن ہماری زندگی اچھی بھلی گزر رہی تھی۔ میری نند اور جیٹھانی بھی میرے خلاف ساس کو بھڑکاتی رہتی تھیں، میرے شوہر کے کان بھرتی رہتی تھیں۔ میں دن رات روتی اور دعا کرتی کہ مجھے اس اذیت سے نکالے اور میری دعا سن لی گئی، میرے شوہر کو شہر میں کام ملا تو اس نے گھر میں سب سے پوچھا کہ کیا کرے سب نے منع کیا پر میں نے کہا کہ جاؤ وہ چلا گیا شہر میں اس کا کام اچھا چلا تو اس نے کہا کہ تم لوگ بھی چلو، اس نے گھر بھی لے لیا تھا۔ میری ساس نے منع کیا کیونکہ وہ اپنا گھر خاندان چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی پر میں اپنے شوہر کو کیسے چھوڑتی، میں نے کہا میں چلتی ہوں اس طرح ہم شہر آ گئے۔ شوہر نے قریب کے سرکاری اسکول میں بچیوں کو داخل کرا دیا۔

میں بہت خوش تھی کہ میری جان چھوٹی پر یہاں تو دنیا ہی الگ ہے ہمارے چھوٹے سے قصبے میں تو عورتیں زیادہ باہر بھی نہیں نکلتی تھیں یہاں تو سب نکلتی ہیں، میں دروازے سے دیکھتی ہوں۔ میرا شوہر پہلے منہ اٹھا کر کام پر چلا جاتا تھا میں ہی اسے کہہ کر کپڑے بدلواتی، خیال رکھتی تھی اب تو وہ ایسا سج کر جاتا ہے کہ میرا دل ہی بیٹھ جاتا ہے کہ کیا بات ہے، کہیں یہ یہاں شہر کی لڑکیوں میں تو نہیں لگ گیا۔ ڈر ہے کہ بیٹے کے چکر میں دوسری شادی نہ کر لے ذہن ایسا ہو جاتا ہے کہ نہ پوچھیں۔ سوچتی ہوں کہ غلطی کر لی یہاں آ کر، کاش میں اپنا سسرال نہ چھوڑتی۔ پھر سوچتی ہوں کہ میں وہمی ہو گئی ہوں۔ ہمارے گھر پیسہ بھی آ رہا ہے پر میں پریشان ہوں کیا کروں۔

ج: ہر شخص کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھا نظر آئے۔ اچھا لباس، اچھا گھر، زندگی کی سہولتیں جب آپ کے شوہر کی استطاعت نہیں تھی تو ان کا حلیہ معمولی تھا۔ ان کا رہن سہن سادہ تھا اب اللہ نے ان کے حالات بدل دیے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں پیسہ ہے وہ اپنی خواہشات پوری کر سکتے ہیں۔ اس لیے ان کا حلیہ بھی بدل گیا ہے۔

ویسے بھی شہر میں کوئی بھی کاروبار کرنے کے لیے بہتر نظر آنا ضروری ہے۔ اپنی ساکھ کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ شہر آ کر انہوں نے خود کو یہاں کے ماحول کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس والی مثال آپ نے سنی ہو گی۔

یہ آپ کا وہم ہے کہ وہ لڑکیوں کے لیے اچھا لباس پہنتے ہیں۔

digestlibrary.com

آپ خود پر توجہ دیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ موسم کے مطابق لباس اور مناسب میک اپ سے شہر کی لڑکیوں سے اچھی لگیں گی۔

ایک ضروری بات اپنے شوہر سے اپنے وہم اور خدشات کا اظہار ہرگز نہ کریں ممکن ہے انہوں نے کبھی اس طرح سوچا بھی نہ ہو۔ آپ کے خدشات ان کی سوچوں کا رخ بدل دیں اور وہ دوسری شادی کے لیے سوچنے لگیں۔

**نعیمہ چوہدری......لاہور**

س:۔ میں دو جوان بیٹوں کی ماں ہوں شوہر اچھے سرکاری عہدے پر فائز ہیں۔ بڑا بیٹا بائیس تیئس سال کا ہے، یونی ورسٹی میں اس کا آخری سال ہے۔ میرے دونوں بیٹے بڑے خوش شکل ہیں، میرے لیے یہ سب بہت خوش کن تھا لیکن گزشتہ دو برسوں سے میں پریشان ہوں۔

میرا چھوٹا بیٹا ابھی میٹرک میں ہے پر دل ابھی سے اس کے لیے ڈرتا ہے۔ دراصل بڑے صاحب زادے یونی ورسٹی کی فضا میں جاتے ہی ایسے رنگین ہوئے کہ نہ پوچھیے چلیے وہ باتیں ہم میاں بیوی ہنسی مذاق میں سن کر گزار دیتے پر حالات تب بگڑے جب ایک لڑکی ہمارے گھر چلی آئی اور کہا کہ آپ کے بیٹے نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوراً فون کر کے میاں کو بلوایا، صاحب زادے پکنک پر گئے ہوئے تھے۔ اچھی بھلی لڑکی تھی کہیں جاب بھی کرتی تھی۔ میرے میاں نے اس وقت تو کسی طرح ٹال دیا۔ جب بیٹا گھر لوٹا تو اس سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

ابھی یہ لڑکی کا قصہ تمام ہوا تھا کہ ایک اور محترمہ پیچھے لگ گئیں، وہ طلاق یافتہ تھیں۔ میرا بیٹا ان کو بھی انکار کرتا رہا، اتفاق سے اس وقت جب وہ آئیں وہ گھر پر تھا۔ اس نے تو خوب دھمکیاں دیں کہ میں آپ کے بیٹے کو جیل میں ڈلوا دوں گی۔ بعد میں بیٹے نے بتایا کہ امی دراصل یہ شاپنگ مال میں ملی تھیں وہ دوستوں کے ساتھ تھا بس بچوں کے ہنسی مذاق میں شامل ہو گئیں اور بلاوجہ ہی گلے پڑ گئیں۔

میرے شوہر کا کہنا ہے کہ صاحب زادے کی شادی کر دی جائے کیونکہ اس طرح نجانے کتنی لڑکیاں یونہی اس کے گلے پڑتی رہیں گی، ہم کب تک اس کے کیس نمٹائیں گے۔ جبکہ میں چاہتی ہوں کہ یہ تعلیم ختم کر کے اعلا تعلیم حاصل کرنے بیرون ملک جائے پھر ہم اس کی شادی کریں۔

میں نے اپنی نند کی بیٹی اس کے لیے پسند کر رکھی ہے، وہ بھی ابھی پڑھ رہی ہے۔ بچوں کو اتنا تو وقت دینا چاہیے ورنہ شادی کے بعد زندگی کے جھمیلوں میں فرصت نہیں ملتی۔

شوہر کا اصرار ہے کہ اب فیصلہ کر و ہاں یا ناں۔ نند بھی چاہتی ہیں کہ جو بات ہو کر لی جائے۔ میں ٹینشن میں ہوں، کیا کروں سمجھ نہیں آتا۔

ج: آپ نے اپنے بیٹے میں جو خرابیاں لکھی ہیں وہ آج کل لڑکوں میں عام پائی جاتی ہیں۔ کہیں کم کہیں زیادہ لڑکے ہی نہیں بہت سی لڑکیاں بھی وقت گزاری کے لیے اس طرح کے چکروں میں رہتی ہیں۔ آپ کے سمجھانے سے بیٹا ماننے والا ہوتا تو آپ کی بات مان لیتا۔ ابھی طالب علمی کا دور ہے، کوئی ذمہ داری نہیں۔ عمر بھی کم ہے۔ آگے چل کر جب روزگار کا مسئلہ کھڑا ہو گا۔ ذمہ داری کا احساس ہو گا تو وہ یہ سارے چکر بھول جائے گا۔

شادی تو ابھی بقول آپ کے ابھی ممکن نہیں، اگر آپ کی نند کی بیٹی پڑھی لکھی سمجھ دار ہے تو بیٹے کی بات طے کر سکتی ہیں۔ ممکن ہے بات طے ہونے کے بعد اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے۔ ایک بات کا خیال رکھیں، بیٹے کی مرضی سے ہی رشتہ کریں۔ اس کی پسند ضرور شامل ہونا چاہیے۔

☆☆



Scanned with CamScanner

ام کوثر

# خوب صورتی

## صبا ناز......کراچی

س۔ میری عمر پچیس سال ہے۔ میری جلد نارمل ہے۔ میرے چہرے کا رنگ سنہری ہے لیکن گردن چہرے کے مقابلے میں زیادہ گہری لگتی ہے۔ چہرے پر تو میں میک اپ کر لیتی ہوں گردن کے لیے کوئی آسان گھریلو ٹوٹکا بتا دیں؟

ج۔ گردن کی سیاہی دور کرنے کے لیے ایک آسان ترکیب ہے۔ جسے ہم ایک دن چھوڑ کر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ کیلے کے چھلکے پر بیکنگ سوڈا چھڑک کر گردن کا مساج کیا جائے تو گردن کی سیاہی آہستہ آہستہ دور ہونے لگتی ہے۔

☆ تازہ آلو کا رس نکال کر روئی سے گردن پر لگائیں اور پندرہ منٹ بعد دھولیں اسے روزانہ استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ خالص ایلوویرا جیل کو رات سونے سے پہلے گردن پر لگائیں صبح دھولیں، روزانہ بہترین ہے، اگر گردن کی رنگت زیادہ سیاہ ہو جائے اور خارش بھی ہوتی محسوس ہو تو شوگر کا ٹیسٹ کروائیں یا ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

## شازیب......فیصل آباد

س۔ میری شادی عید کے بعد ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ گھریلو قسم کے ابٹن استعمال کروں۔ میری جلد پر کچھ داغ دھبے ہیں جو میک اپ سے کور ہو جاتے ہیں لیکن میک اپ کے بغیر بھی جلد میں تازگی تو نکھر آنا چاہیے؟

ج۔ سانولی رنگت، جلد کی تازگی اور داغ دھبے کم کرنے کے لیے گھریلو ابٹن تیار کر کے استعمال کرنا مشکل نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال باقاعدگی سے کیا جائے۔

☆ آدھ پاؤ بیسن میں تھوڑے سے سنگترے کے چھلکے (خشک پیس کر) اندازاً ایک کھانے کا چمچ اسی طرح ہلدی ایک کھانے کا چمچ اور تین چائے کے چمچ صندل پاؤڈر ملا کر شیشی میں رکھ لیں۔

جب استعمال کی ضرورت ہو تو اس میں پانی یا عرق گلاب ملا کر ایک پیسٹ سا بنا لیں اور اسے چہرے، گردن اور ہاتھوں پر لگا لیں، تیس سے چالیس منٹ بعد خشک ہونے پر ہلکے ہاتھوں سے مساج کر کے اتاریں۔ اور سادہ پانی سے دھولیں اگر آپ کی جلد خشک ہے تو اس میں روغن بادام یا زیتون کے چند قطرے ملا لیں۔

☆ جو کا آٹا خربوزے کے بیج اور سنگترے کے چھلکے ہم وزن لے کر اچھی طرح گرائنڈ کر لیں، اس میں عرق گلاب اور تھوڑا سا کھوپرے کا تیل ملا لیں اور ایک پیسٹ سا بنا لیں اسے تیار کر کے فریج میں رکھ دیں۔ ہفتے میں ایک بار صبح شام پندرہ منٹ کے لیے لگائیں اور سادہ پانی سے دھولیں۔

☆ ایک چمچ بیسن، اس میں ایک چٹکی ہلدی اور تھوڑی سی دودھ کی بالائی اچھی طرح ملائیں چہرے اور گردن پر کچھ دیر لگائیں پھر ہلکے ہاتھوں سے مسل کر اتار دیں اور نیم گرم پانی سے دھولیں۔

☆☆